مہاراشٹر کی عظیم دینی درسگاہ الجامعۃ الرضویہ کلیان کے جشن سلور جبلی
کے موقع پر امام احمد رضا سیمینار میں پڑھے گئے ارباب علم و دانش کے
مقالات کا گراں قدر مجموعہ

مجلہ المختار کلیان

کا

امام احمد رضا نمبر

مدیر اعلیٰ
احمد رضا احمد

ناشر
غوث الوریٰ اکیڈمی
زیر اہتمام: الجامعۃ الرضویہ کلیان، تھانہ مہاراشٹر

بیادگار

زیر سرپرستی: نبیرۂ اعلیٰ حضرت، قائد اہلسنت، پیر طریقت، جانشین وشہزادہ حضور تاج الشریعہ قاضی القضاۃ فی الہند حضرت علامہ الشاہ مفتی **محمد عسجد رضا خان قادری رضوی** مد ظلہ العالی، صاحب قبلہ، بریلی شریف

مالک ونگراں: ناشر مسلک اعلیٰ حضرت، حضرت علامہ، مولانا محمد مسعود رضا قادری صاحب قبلہ، مہتمم اعلیٰ الجامعۃ الرضویہ کلیان، مہاراشٹر

★★★ مجلس ادارت ★★★

مدیر اعلیٰ	: احمد رضا احمد
مدیر اعزازی	: محمد مبشر رضا ازہر مصباحی
سرکولیشن مینیجر	: محمد جہانگیر اشرف رضوی
اشتہار مینیجر	: محمد ابو صالح رضوی
تزئین کار	: محمد فیضان رضا رضوی
کمپوزنگ	: رضوی کمپیوٹر، کلیان

چیک یا ڈرافٹ اس نام سے بنوائیں۔
Madrasa
Islamiya Yatim Khana

قیمت خصوصی شمارہ:
Rs: 100

مراسلت وترسیل زر کا پتہ

مجلہ المختار کلیان
مدرسہ اسلامیہ یتیم خانہ
اندرا نگر، امبرناتھ روڈ، والدھونی کلیان، تھانہ، مہاراشٹر
MUJALLAH
AL-MUKHTAR
KALYAN
Madrasa Islamiya Yatim Khana
Indira Nagar,Ambernath Road,Waldhuni
Kalyan,Thane,Maharashtra,Pin:421301
Mob,No:9322329875/9323737659
Email: madarsa.islamiya.yatimkhana.trust@gmail.com

پرنٹر، پبلشر، پروپرائٹر محمد جہانگیر اشرف رضوی نے رضوی آرٹ کلیان سے طبع کرا کر آفس ''المختار'' مدرسہ اسلامیہ یتیم خانہ اندرا نگر، والدھونی، کلیان، ممبئی، مہاراشٹر سے شائع کیا۔

صدائے بازگشت

''امام احمد رضا قدس سرہ کے علمی وفقہی کمالات وفضائل ایسے نہیں کہ ان کے نام پر چند سیمینار منعقد کر کے اور ان کی زندگی کسی خاص گوشے پر تحقیق وریسرچ کر کے ان کی خدمات کے دائرہ کا صحیح تعارف پیش کیا جا سکے، بلکہ اب تک جنہوں نے بھی ان کی زندگی کے کسی گوشہ پر خامہ فرسائی کی ہے اخیر میں یہی لکھا ہے کہ ''حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا'' اور اب بھی تحقیق تشنہ لب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی زندگی کے تمام گوشے تو دور صرف ایک گوشے پر بھی ابھی تک سیر حاصل گفتگو نہیں ہو سکی ہے''۔ (اداریہ)

****

زیر اہتمام: غوث الوریٰ اکیڈمی ماتحت الجامعۃ الرضویہ، رضا نگر، بیل بازار، کلیان، ضلع: تھانہ، ممبئی مہاراشٹر (انڈیا)

فہرست مشمولات

امام احمد رضا نمبر

Managed By:
AL-JAMIATUL RIZVIYA/MADRASA ISLAMIYA
YATEEM KHANA TRUST,KALYAN,THANE
Mob,No:9322329875/9323737659

اداریہ

''حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا''

احمد رضا احمد

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا خان قادری قدس سرہ علم و تحقیق، فقہ و افتا، عقائد و نظریات، حدیث و تفسیر غرض کہ اسلامی علوم و فنون کی کسی بھی جہت سے محتاجِ تعارف نہیں، انہوں نے جس احساس ذمہ داری کے ساتھ احقاق حق اور ابطال باطل کا خوبصورت فریضہ انجام دیا ہے تاریخِ انسانیت اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتی، ان کے علمی کارنامے اور قلمی خزانے ہر دور میں ضلالت و گمراہی کی راہ سے نکلنے کے لیے رہنما خطوط و نقوش ہیں، ان کے تحقیقی کارنامے اور فکری اثاثے مذہب و ملت کے لیے وہ آفتاب عالم تاب ہیں جن کی شعاؤں سے پوری انسانیت کے در و دیوار روشن و منور ہیں، ان کے فقہی کارناموں میں صرف فتاوی رضویہ فقہی دنیا کی مشکل کشائی اور مسائل شرعیہ کے افہام و تفہیم میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ فتاوی رضویہ وہ انسائیکلوپیڈیا ہے جس کے بحرِ زخار سے موتیوں کو کھنگالنا ہر کس و ناکس کے بس کا روگ نہیں بلکہ جو حضرات برسہا برس سے اس بحر ناپیدا کنار میں غواصی کر رہے ہیں وہ بھی اس کی تہ تک پہنچنے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ آپ کی علمی انفرادیت اور خلوص و للہیت کا نتیجہ ہے کہ اپنے بیگانے سبھوں نے آپ کی عبقریت کو کھلے دل سے تسلیم کیا۔

محافظ کتب حرم مکہ معظمہ حضرت علامہ سید اسماعیل خلیل مکی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

''واللہ اقول والحق اقول: انه لو رآها أبو حنيفة النعمان لأقرت عينه و لجعل مؤلفها من جملة الأصحاب''۔ ترجمہ: میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں اور حق کہتا ہوں کہ اگر امام اعظم ابوحنیفہ نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان فتاوی کو دیکھتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور ان فتاوی کے مؤلف امام احمد رضا کو اپنے تلامذہ میں شامل کر لیتے۔

[الاجازت المتینۃ لعلماء المکۃ والمدینۃ، ص: ۲۲، مطبوعہ، رضا اکیڈمی ممبئی]

تاج العلماء اولادرسول حضرت علامہ سید محمد میاں صاحب سجادۂ عالیہ مارہرہ مقدسہ تحریر فرماتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت کو میں علامہ ابن عابدین شامی پر فوقیت دیتا ہوں، کیونکہ جو جامعیت اعلیٰ حضرت کے یہاں ہے وہ ابن عابدین شامی کے یہاں نہیں۔ [امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، مصنفہ ڈاکٹر مسعود احمد، ص: ۶۴]

شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال لکھتے ہیں:

ہندوستان کے دورِ آخر میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جیسا طبع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ میں نے ان کے فتاویٰ کے

مطالعہ سے یہ رائے قائم کی ہے اوران کے فتاوی ان کی ذہانت ، فطانت ، جودت طبع ، کمال فقاہت ، علوم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد عادل ہیں ۔ مولانا ایک دفعہ جورائے قائم کر لیتے ہیں اس پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں ۔ انہیں اپنے شرعی فیصلوں اور فتاویٰ میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی ، بایں ہمہ ان کی طبیعت میں شدت زیادہ تھی ۔ اگر یہ چیز درمیان میں نہ ہوتی تو مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمہ گو یا اپنے دور کے امام ابوحنیفہ تھے ۔

[مقالات یوم رضا ۔ از : علامہ عبدالنبی کوکب ، ح : ۳ ،ص : ۸]

مولوی عبدالحی لکھنوی والد مولوی ابوالحسن لکھتے ہیں :

"برع فی العلم وفاق اقرانہ فی کثیر من الفنون لا سیما الفقہ والاصول" ۔ ترجمہ : بیشتر علوم وفنون خصوصاً فقہ اوراصول میں اپنے معاصرین پر فائق تھے ۔ [نزہۃ الخواطر ، جلد ۸ ۔ بعنوان "المفتی احمد رضا بریلوی"]

مولوی یوسف بنوری دیوبندی لکھتے ہیں :

"اگر اللہ تبارک وتعالیٰ ہندوستان میں احمد رضا خاں بریلوی کو نہ پیدا فرماتا تو ہندوستان میں حنفیت ختم ہوجاتی"

[امام احمد رضا کی فقہی بصیرت ۔ مطبوعہ دارالقلم دہلی ، ص : ۳۲]

مولوی سلیمان ندوی لکھتے ہیں :

"اس احقر نے جناب مولانا احمد رضا خان بریلوی کی چند کتابیں دیکھیں تو میری آنکھیں خیرہ کی خیرہ رہ گئیں ۔ حیران تھا کہ واقعی مولانا بریلوی کی ہیں ؟ جن کے متعلق کل تک یہ سنا تھا کہ وہ صرف اہل بدعت کے ترجمان ہیں اور صرف چند فروعی مسائل تک محدود ہیں ۔ مگر آج پتہ چلا کہ نہیں ، یہ اہل بدعت کے نقیب نہیں ، بلکہ یہ تو عالم اسلام کے اسکالر اور شاہ کار نظر آتے ہیں ۔ جس قدر مولانا مرحوم کی تحریروں میں گہرائی پائی جاتی ہے اس قدر گہرائی تو میرے استاذ مکرم جناب مولانا شبلی صاحب اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کی کتابوں کے اندر بھی نہیں" [ماہنامہ "ندوہ" اگست ۱۹۱۳ء ص : ۱۷ ، بحوالہ : القول السدید ، ص : ۲۶۳]

جماعت اسلامی کے بانی مولوی ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں :

"مولانا احمد رضا خاں صاحب کے علم وفضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے ، فی الواقع وہ علوم دینی پر بڑی وسیع نظر رکھتے ہیں ۔ اوران کی اس فضیلت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو ان سے اختلاف رکھتے ہیں" ۔ [مقالات یوم رضا ، حصہ : ۲ ، ص : ۴۰]

ملک غلام علی نائب ابوالاعلی مودودی لکھتے ہیں :

"حقیقت یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب کے بارے میں اب تک ہم لوگ سخت غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں ۔ ان کی بعض تصانیف اور فتاوے کے مطالعے کے بعد اس نتیجے میں پہنچا ہوں کہ جو علمی گہرائی میں نے ان کے یہاں پائی ہے وہ

بہت کم علما میں پائی جاتی ہے اور عشق خدا و رسول تو ان کی سطر سطر سے پھوٹا پڑتا ہے''۔[ارمغان حرم، مطبوعہ لکھنؤ، ص: ۱۴]

بھاول پور یونیورسٹی کے شیخ الادب ڈاکٹر میر محمد حسن بیان کرتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت کا علم مستحضر تھا۔ انہیں کتابیں ٹٹولنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ جس مسئلے پر انہوں نے قلم اٹھایا ہے بے تکلف لکھتے گئے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ مسائل کی کتابیں ان کے سامنے پڑی ہیں۔ اگر کہیں انہوں نے تلخ لب و لہجہ اختیار کیا ہے تو اس کی وجہ مخالفین کی شان رسالت میں گستاخی ہے''۔[پیغامات یوم رضا، مطبوعہ لاہور، ص: ۴۲]

امام احمد رضا قدس سرہ کی حیات و کارنامے پر کوئی پچاس سال سے ارباب علم و تحقیق مختلف گوشوں میں ریسرچ کر کے داد تحقیق وصول کر چکے ہیں اور ملک و بیرون ملک سے بے شمار افراد کو تحقیق و ریسرچ کی ڈگریاں بھی تفویض کی جا چکی ہیں مگر تحقیق و ریسرچ کا سلسلہ ہنوز بند نہیں ہوا ہے، اور نہ ہوگا، اس لیے بعض حضرات یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا پر بہت کام ہو چکا ہے اب دیگر شخصیت پر کام ہونا چاہیے، یہ بات یا تو ان کی اعلیحضرت کی شخصیت سے عدم واقفیت پر منحصر ہے یا پھر بغض وحسد کا شاخسانہ ہے لیکن میں کہتا ہو کہ امام احمد رضا قدس سرہ کے علمی وفقہی کمالات وفضائل ایسے نہیں کہ ان کے نام پر چند سیمینار منعقد کر کے اور ان کی زندگی کے کسی خاص گوشے پر تحقیق و ریسرچ کر کے ان کی خدمات کے دائرہ کا صحیح تعارف پیش کیا جا سکے، بلکہ اب تک جنہوں نے بھی ان کی زندگی کے کسی گوشہ پر خامہ فرسائی کی ہے اخیر میں یہی لکھا ہے کہ ''حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا'' اور اب بھی تحقیق تشنہ لب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی زندگی کے تمام گوشے تو دور صرف ایک گوشے پر بھی ابھی تک سیر حاصل گفتگو نہیں ہو سکی ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ سائنس داں کی حیثیت سے نہ معروف تھے نہ ان کا یہ دل چسپ میدان تھا، اس کے باجود اس میدان میں انہوں نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں وہ حیرت کن اور تعجب خیز ہیں۔ فاضل محقق مفتی عبد الخبیر اشرفی مصباحی نے اپنے مقالہ میں اجمالا یہ ذکر کیا ہے کہ اس موضوع پر اب تک کتنے حضرات تحقیقی کام کر چکے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ صرف سائنسی نظریات پر دو درجن سے زائد تحقیقی مقالات لکھے جا چکے ہیں بلا شبہ یہ سب امام اہل سنت قدس سرہ کے حیرت انگیز علم و تحقیق کی انفرادیت اور امتیازی شان وعظمت پر روشن دلیل ہے۔

اسی عظیم محسن کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے ۱۷رفروری ۲۰۲۴ء کو سیمینار منعقد کرنے کا عزم مصمم ہوا اور یہ طے ہوا کہ جو مقالات سیمینار میں پڑھے جائیں گے انہیں پہلے منگوا لیا جائے اور مجلہ المختار کلیان کے زیر اہتمام شائع کر کے اسی سیمینار میں اس کی رسم اجرا بھی عمل میں لائی جائے۔ سیمینار کی تیاری اور کسی مجموعہ کی ترتیب وتدوین کے کتنے مراحل ہوتے ہیں اور ہر مرحلہ میں کتنے دشوار گزار راہوں سے گزرنا پڑتا ہے اہل ذوق اس سے بخوبی واقف ہیں۔ میں بے حد شکر گزار ہوں تمام اہل قلم کا جنہوں نے ہماری قلمی معاونت فرما کر رسالہ کو بروقت نکالنے میں مدد کی اور خاص طور پر محب گرامی مفتی محمد مبشر رضا ازہر مصباحی، شیخ الحدیث جامعہ ہٰذا کا جوان تمام مراحل کو فتح کرنے میں شریک سفر رہے۔

اس مجموعہ میں جن حضرات کے مقالات شامل ہیں ان کے اسماے گرامی درج ذیل ہیں:

مفتی محمود اختر القادری (ممبئی) مفتی اشرف رضا قادری (ممبئی) مفتی ناظم علی مصباحی (جامعہ اشرفیہ مبارک پور) ڈاکٹر ارشاد احمد ساحل (شہسرام) مفتی قاضی فضل احمد مصباحی (بنارس) مولانا شاکر اصغر رضوی (پورنیہ) مفتی فیضان المصطفیٰ قادری (لکھنؤ) ڈاکٹر سجاد عالم رضوی (کولکاتا) مفتی محمد مبشر رضا ازہر مصباحی (بھیونڈی) مفتی مشتاق احمد امجدی (ناسک) مفتی عبدالخبیر اشرفی مصباحی (امبیڈکرنگر) مفتی کمال الدین اشرفی مصباحی (رائے بریلی) مفتی کونین نوری مصباحی (الہ آباد) مفتی ساجد رضا مصباحی (کشی نگر) مفتی شاکر رضا قادری مصباحی (سورت) مفتی طفیل احمد مصباحی (بھاگلپور) مفتی شہنواز شفق مصباحی (ممبرا) مولانا غلام مصطفیٰ نوری (مالیگاؤں) مفتی مشتاق احمد قادری عزیزی (ناسک) مفتی عبدالصمد مصباحی (ممبئی) مفتی صابر رضا محب القادری (کشن گنج) مولانا احمد حسن رضوی (حیدرآباد) مولانا مفتی طلحہ حسین ثقافی سعدی (سابق استاذ الجامعۃ الرضویہ کلیان) مولانا مبارک حسین غوثی (نوری دارالافتا بھیونڈی) مولانا توحید عالم مدنی (نوری دارالافتا بھیونڈی) مولانا قاضی نور سعید احمد (نوری دارالافتا بھیونڈی) مولانا مفتی شاہ مخدوم رضا اشرفی جامعی (استاذ الجامعۃ الرضویہ کلیان) مولانا شاہ الحمید مرکزی (شعبہ تحقیق الجامعۃ الرضویہ کلیان) مولانا غلام چشتی غوثی (شعبہ تحقیق الجامعۃ الرضویہ کلیان) مولانا عرفات امجدی (شعبہ تحقیق الجامعۃ الرضویہ کلیان)۔

جدید ٹکنالوجی نے ادارتی ٹیم کے سر سے کمپوزنگ کا بوجھ بہت ہلکا کر دیا ہے، اکثر مقالہ نگار کمپیوٹر کا استعمال کرتے ہیں اس لیے صرف چار پانچ مضامین ہی کمپوز کرنے پڑے، بعض مضامین واٹس ایپ سے ملے تھے اس لیے اسے نئے ورژن میں لینے میں کچھ تک ودوکرنی پڑی مگر کمپوزنگ کی پریشانی کے بالمقابل کم۔ حتی المقدور تمام مضامین کی پروف ریڈنگ کی گئی ہے اور ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ پروف وغیرہ میں کوئی خامی باقی نہ رہے، پھر بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا ہے کہ باذوق آدمی کو پروف کی کمی کا احساس نہیں ہوگا۔ اگر کسی صاحب بصیرت کو کسی طرح کی کمی کوتاہی نظر آئے تو مطلع فرمائیں، ہم آپ کے بے حد ممنون ہوں گے۔

احمد رضا احمدؔ

پرنسپل: الجامعۃ الرضویہ کلیان

کلمات تشکر

تمام رفقائے کار کا بہت بہت شکریہ

الجامعة الرضویه کلیان کا وجود مسعود ۱۹۹۹ء میں ہوا، نام ہی سے یہ ظاہر ہے کہ یہ ادارہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی ذات بابرکت سے منسوب ہے، وارث علوم اعلیٰ حضرت سرکار تاج الشریعہ نور اللہ مرقدہ کی نظر التفات سے ۲۰۲۴ء کو ادارہ کے پورے پچیس سال مکمل ہو رہے ہیں۔ ہماری دیرینہ تمنا تھی کہ جب ادارہ کے پچیس سال مکمل ہوں تو پچیس صفر المظفر کی مناسبت سے جشن سلو جبلی کے طور پر امام احمد رضا قدس سرہ کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے امام احمد رضا نیشنل سیمینار منعقد کریں گے اور سیمینار میں پڑھے گئے مقالات کا مجموعہ بھی شائع کریں گے۔ یہ علمی و تحقیقی کام ہر کس و ناکس کا روگ نہیں اسی لیے ادبا نے کہا ہے ''لکل عمل رجال'' ہر کام کے لیے آدمی الگ ہوتے ہیں۔ یہ کام خالص علمی تھا اس لیے ہم نے اپنی اس دیرینہ آرزو کا ذکر محب گرامی قاضی شہر بھیونڈی مفتی مبشر رضا ازہر مصباحی شیخ الحدیث وصدر شعبہ افتا جامعہ ہذا اور نائب قاضی شہر کلیان صحافی عصر حضرت الحاج مولانا احمد رضا احمدؔ پرنسپل جامعہ ہذا و مدیر اعلی مجلہ المختار کلیان سے کیا۔ مفتی صاحب قبلہ دو اداروں کے باوقار عہدوں پر متمکن ہونے کے ساتھ قاضی شہر بھی ہیں اس لیے اس کام کا بوجھ اٹھانا ان کے لیے مشکل تھا اسی طرح مولانا احمد رضا احمدؔ بھی تدریس کے ساتھ امامت وخطابت سے وابستہ ہیں اس لیے ان کے لیے بھی یہ آسان نہیں تھا مگر میرے دل کے آرزو کے خاطر دونوں حضرات نے دنیوی غرض سے بے غرض ہو کر میری آرزوؤں کی تکمیل کے لیے ستون کی طرح کھڑے ہو گئے اور سیمینار کی تیاری، مجلہ کی تیاری۔ جلسہ کی تیاری، علما و شعرا کے انتخاب غرض کہ جشن سلور جبلی کے ہر کام میں دست و باز و بن کر میرے خوابوں کی تکمیل کے لیے مسلسل جد و جہد کرتے رہے۔ آج مجلہ المختار کلیان کا خصوصی گوشہ امام احمد رضا انہی دونوں حضرات کی کوششوں کی مرہون منت ہے ورنہ وہ خواب ہمارے سینے میں مدفون رہتے۔

عالم اسلام کی عظیم علمی وعبقری شخصیت جن کے تعلق عالمِ عرب علامہ الجزائری فرماتے ہیں: ''اذا جاء رجل من الهند

نسئلہ عن الشیخ احمد رضا خان فان مدحہ علمنا انّ من اھل السنۃ و انّ من ذمہ علمنا انہ من اھل البدعۃ ھذا ھو معیار الحق عندنا'' جب ہندوستان سے کوئی شخص آتا ہے تو ہم اس سے فضیلۃ الشیخ امام احمد رضا قدس سرہ کے بارے میں پوچھتے ہیں، اگر وہ اس کی تعریف کرتا ہے تو ہم جان جاتے ہیں کہ وہ اہل سنت والجماعت سے ہے اور جو اگر ان کی برائی کرتا ہے تو ہم جان جاتے ہیں کہ وہ بدمذہب ہے یہی ہمارے نزدیک حق کا معیار ہے۔

اسی عظیم شخصیت کے حضور سیمینار (منعقدہ ۱۷ر فروری ۲۰۲۴ء/ ۶ر شعبان المعظم ۱۴۴۵ھ بروز سنیچر) منعقد کر کے اور پڑھے گئے مقالات کا مجموعہ آپ کے ہاتھوں پیش کر کے ہم کافی فخر محسوس کرتے ہیں، ہمارے لیے اس سے زیادہ مسرت یہ ہے کہ اس پروگرام میں شہزادہ و جانشین حضور تاج الشریعہ قاضی القضاۃ فی الہند حضرت علامہ مفتی عسجد رضا خان قادری دام ظلہ بنفس نفیس تشریف فرما کر جشن سلور جبلی کو کامیاب بنا رہے ہیں۔ اور ہمارے حوصلوں کو قوت بخش رہے ہیں۔

ہم جملہ اساتذہ، طلبہ اور ان تمام حضرات کا صمیم دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے سلور جبلی کو کسی نہ کسی جہت سے کامیاب بنانے میں دست تعاون دراز کیا اللہ تعالیٰ سب کو دارین کی نعمتوں اور برکتوں سے مالا مال فرمائے۔

شکر گزاراں

محمد مسعود رضا قادری	محمد جہانگیر اشرف رضوی
(مہتمم اعلیٰ)	(ناظم اعلیٰ)

امام احمد رضا ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے

مفتی محمود اختر القادری رضوی

اعلیحضرت امام اہلسنت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ایک صدی سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا کہ آپ کے علمی وقلمی کمالات، علمی وتحقیقی افادات، فقہی رموز ونکات پر کمال قدرت اور کثیر علوم وفنون پر آپ کے تجر علمی پر تحقیق وتدقیق کا سلسلہ جاری ہے لیکن ابھی تک کما حقہ آپ کے علوم وفنون اور آپ کی بے پنا فقہی بصیرت وصلاحیت کا محققین ومورخین صحیح اندازہ نہیں لگا سکے اور آج بھی آپ کی ذات والا صفات اور عظیم دینی فقہی خدمات کے نئے نئے گوشے کھلتے جارہے ہیں۔کیونکہ آپ کے زمانہ میں حجاز مقدس کے مشہور عالم حضرت علامہ مفتی سید اسمعیل خلیل علیہ الرحمۃ والرضوان نے جب آپ کے عربی فتاوے دیکھے تو فکر کی گہرائی تعبیر کی دلکشی اواور دلائل کے انبار دیکھ کر حیران رہ گئے اور بے اختیار یہ پکار اٹھے "واللہ اقول والحق اقول لو رأھا ابو حنیفہ النعمان لاقرت عیناہ وجعل مؤلفہ من جملۃ الاصحاب" خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں اور حق کہتا ہوں کہ اگر ان فتاوی کو امام اعظم ابوحنیفہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) دیکھ لیتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجاتیں اور وہ صاحب فتاوی کو اپنے خاص شاگردوں میں شامل فرما لیتے۔اور یہ مبالغہ نہیں بلکہ اظہار حقیقت ہے کہ آپ نے اپنی مجتہدانہ بصیرت سے دقیق سے دقیق تر اور مشکل ترین مسائل کی عقدہ کشائی فرما کر بڑے بڑے محققین علماء کے قلوب واذہان کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔

آج بھی اعلیحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کی حیرت انگیز شخصیت، ان کی عظیم خدمات اوران کا کثیر علوم وفنون پر کامل عبور وتبحر زندہ وتابندہ ہے اور آئے دن تحقیقی کتب ورسائل معرض وجود میں آتے رہتے ہیں پھر بھی آنے والے وقت میں مزید تحقیقات کے دروازے کھلے ہیں۔اسی سلسلہ کی ایک کڑی زیر نظر مجلہ المختار (کلیان) کا امام احمد رضا نمبر منصۂ شہود پر جلوہ فرما ہوا، الجامعۃ الرضویہ کلیان کے زیر اہتمام "مجلہ المختار" اکابر علمائے کرام کی شخصیات پر خصوصی نمبر پیش کرتا رہا ہے اور یہ اس ادارہ کی بالکل تازہ پیش کش ہے جس میں معتبر ومستند قلم کار حضرات کی کاوشیں اعلیحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کی بارگاہ میں پیش کی گئی ہیں۔ان شاء اللہ العزیز یہ سلسلہ آئندہ بھی حسن وخوبی جاری رہے گا۔یہ فقیر قادری دعا گو ہے کہ رب قدیر اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ میں الجامعۃ الرضویہ کلیان کو روز افزوں ترقی عطا فرمائے، اس کی کاوشوں اور دینی خدمات کو قبول فرمائے اور اس کے صدر المدرسین، جملہ اساتذہ وذمہ داران کو دارین میں بہترین صلہ عطا فرمائے اور ہمیشہ اسے مسلک حق مسلک اہلسنت جسے پہچان کے لئے اس زمانہ میں مسلک اعلیحضرت کہتے ہیں اس کا مبلغ و پاسبان رکھے۔امین بجاہ النبی سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم

۲۹ ررجب المرجب ۱۴۴۵ھ

مفتی وقاضی شرع ممبئی مہاراشٹر

''الجامعۃ الرضویہ'' مسلک اعلیٰ حضرت کا ترجمان

مفتی اشرف رضا قادری مصباحی

الجامعۃ الرضویہ کلیان مہاراشٹر اہل سنت و جماعت کا سدابہار گلشن اور مسلک اعلیٰ حضرت کا بے باک مبلغ وترجمان ہے۔ مسلم یتیم بچوں وبچیوں کی تعلیم وتربیت کا حسین سنگم ہے۔ اس کے قیام ووجود سے پورا شہر کلیان اور قرب وجوار سنیت کا نشان امتیاز ہے۔ حفظ وقرأت اور عالمیت کی اعلی ومستحکم تعلیم کے ساتھ عصری علوم کا بہترین نظم ونسق ہے۔ ناظمین عزیز گرامی مولانا مسعود رضا ومخلص گرامی مولانا جہانگیر اشرف حد درجہ محنتی وسیماب صفت ہیں جامعہ کی تعمیر وترقی میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ حضرات اساتذہ طلبہ کی تعلیم وتربیت میں نکھار لانے اور ذرہ کو آفتاب بنانے میں اپنی مثال آپ ہیں۔ ان میں فاضل گرامی مولانا احمد رضا احمدؔ مصباحی ومحقق دوراں مفتی محمد مبشر رضا ازہر مصباحی (حفظہما اللہ الکریم العظیم) جامعہ کے لئے فولادی ستون ہیں۔ اس جامعہ رضویہ کے قیام کی برکت سے علماء ومشائخ کا وفد اکثر شہر میں اتر تا رہتا ہے، جس سے سنیت پائے دار ہو رہی ہے۔ وارث علوم اعلی حضرت جانشین حضور مفتی اعظم ہند تاج الشریعہ قاضی القضاۃ فی الھند علامہ مفتی اختر رضا خان ازہری بریلوی رحمہ اللہ الرحمن الرحیم ورضی عنہ متعدد بار اپنے قدوم میمنت لزوم سے کلیان بالخصوص اس جامعہ کو مشرف فرما کر تاحیات اس کی سرپرستی فرماتے رہے۔ ہزاروں افراد داخل سلسلہ ہو کر مشرف ہوئے۔ جامعہ کا اشاعتی شعبہ بڑا فعال اور مستحکم ہے۔ ''مجلہ المختار کلیان'' جامعہ کا علمی وادبی مجلہ ہے اس کے کئی بڑے وقیع علمی اور تحقیقی شمارے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے ان میں کنز الدقائق نمبر، تاج الشریعہ نمبر، امام علم وفن نمبر وغیرہ بڑی معنویت کے حامل ہیں۔ اب پھر تحقیقات امام احمد رضا کے جلوے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ دعا ہے کہ رب کریم ورحیم سبحنہ تعالی اپنے فضل وکرم سے اپنے حبیب کریم محبوب مکرم صلی اللہ تبارک وتعالی علیہ وبارک وسلم کے صدقے اس جامعہ واس کے اراکین ومعانین، اساتذہ وطلبہ کو عافیت دارین ورحمت کونین سے نوازے اور اس جامعہ کو اس علاقے میں اسلام وسنیت اور مسلک اعلی حضرت کا مرکز بنائے۔ یہاں سے خالص مخلص علماء وحفاظ کی فوج نکلتی رہے سب کو دین وملت وقوم اور ملک کے لئے نافع ومفید بنائے۔ اس وقت صلح کلیت وتفضلیت اور رافضیت کا فتنہ زوروں پر ہے ان کے ردوطرد کی توفیق مرحمت کرے۔

وصلی اللّٰہ الرحمن الرحیم علی عبدہ ورسولہ و حبیبہ و محبوبہ ومحبہ سیدناومولانامحمد المصطفی وبارک و سلم وکرم ومجدوشرف وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وازواجہ امہات المؤمنین الطاھرات المطھرات واولادہ الکرام و ذریاتہ و اھل بیتہ وعترتہ وعشیرتہ وانصارہ واصھارہ واصولہ وفروعہ واتباعہ وعلینامعھم وعلی جمیع امتہ الکریمۃ الف الف مرۃ فی کل لمحۃ ولحظۃ الی یوم الدین

۲۴؍رجب الاصم ۱۴۴۵ھ ۵ فروری ۲۰۲۴ء

مفتی وقاضی ادارۂ شرعیہ مہاراشٹر ممبئی

تفقہ واجتہاد میں امام احمد رضا کا اعلیٰ مقام

مفتی ناظم علی مصباحی

حامداو مصلیاو مسلما

امام اہل سنت مجدد دین وملت سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کورب العلمین نے شریعت وطریقت کا جامع اور علم ظاہر و باطن کا سین سنگم بنایا تھا آپ کو ایسے اوصاف وکمالات سے نوازا تھا جن کی نظیر دور تک نظر نہیں آتی۔آپ کی علمی کمالات کی شہادت اپنوں نے بھی دی اور غیروں نے بھی،آج پورے عالم اسلام میں امام احمد رضا کی دھوم مچی ہوئی ہے،حقائق سے پردے اٹھ رہے ہیں،اور علمی شخصیات نے امام احمد رضا کے زمانہ مبارک ہی میں آپ کی علمی جلالت کی روشن شہادتیں دیں اور برملا یہ فرمایا:''انی لا جد نور اللہ من ھذا الجبین''یقینا میں اس پیشانی سے اللہ عزوجل کا نور دیکھتا ہوں۔

محافظ کتب حرم شیخ اسماعیل نے آپ کی علمی تحقیقات وتدقیقات کو دیکھ کر اظہار حق کرتے ہوئے فرمایا:''لو رآھا أبو حنیفة النعمان رحمہ اللہ تعالیٰ لاقّرت عینہ ولَجعل مولّفہ من جملة الصحاب'' اگر اس عطر تحقیق کو امام ابوحنیفہ اپنی چشم سر سے مشاہدہ فرماتے تو آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور آپ کو اپنے اصحاب میں شامل فرمالیتے۔مکہ مکرمہ کے مفتی حنفیہ شیخ عبداللہ بن عبد الرحمن سراج مکی نے فرمایا کہ:''الا انہ ملک العلماء الاعلام الذی حقق لنا قول القاتل الماہر''کم ترک الاول بالآخر''یقینا آپ علمائے اسلام کے بادشاہ ہیں جنہوں نے قاتل کا یہ قول ہمارے لیے حق ثابت فرمادیا کہ اگلوں نے پچھلوں کے لیے بہت کچھ چھوڑا ہے۔

یہ حضرات اعلیٰ حضرت کے تلامذہ اور مریدین سے نہ تھے مگر انھوں نے حقیقت کے اعتراف میں تعصب ونفسانیت سے کام نہ لیا بلکہ برملا سچائی کا اعتراف کیا اور عقیدتوں کا خراج پیش کیا۔اس طرح سے ایک دو نہیں بے شمار شہادتیں ہیں جن سے اس بات کا اذعان کامل ہوتا ہے کہ امام احمد رضا جیسا عبقری شخص آپ کے زمانہ میں نہ تھا امام احمد رضا کی علمی تحقیقات کو ایک طرف رکھیں اور دیگر محققین وکاملان فن کی تحقیقات کو ایک طرف رکھیں تو امام احمد رضا قدس سرہ کی علمی تحقیقات کا ملہ سب پر بھاری نظر آتا ہے اور آپ کے علم وفضل کا آفتاب نصف النہار سے زیادہ روشن نظر آتا ہے۔امام احمد رضا نے جس موضوع پر قلم اٹھایا اس کا کوئی گوشۂ تشنۂ تحقیق نہ رکھا،اس کی نہ صرف تحقیق فرمائی بلکہ اسے عرش تحقیق تک پہنچایا۔

آپ نے جس علم وفن میں قلم اٹھایا اس میں سیادت وامامت کے روشن نقوش چھوڑے اور اس فن کے ماہرین ومحققین نے آپ کو اس فن کا امام تسلیم فرمایا۔امام احمد رضا کی علمی تحقیقات کا اعلیٰ شاہ کار فتاوی رضویہ ہے جو فقہ وافتا کا عظیم انسائکلو پیڈیا ہے مگر امام احمد رضا نے فقہ وافتا کے اس گراں قدر ذخیرہ میں صرف فقہی افادات نہ فرمائے بلکہ رسم المفتی مسائل کلامیہ،فوائد درسیہ،فوائد

اصولیہ، اسماالرجال، طبیات، ریاضیات والٰہیات کے موضوع پر ایسی گراں قدر بخشیں فرمائیں جنھیں دیکھ کر ان علوم وفنون کا ماہر کامل اس بات کا برملا اعتراف کرتا ہے "**لیس عل اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد**" اللہ عزوجل کا کسی شخص واحد کی خوبیوں کا حامل بنادینا اور ایک شخص میں ساری دنیا کو جمع فرمادینا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

امام احمد رضا نے اگر چہ علوم وفنون کی خدمت فرمائی اور ان میں اپنی امامت کے روشن نقوش چھوڑے مگر آپ کی علمی شخصیت پر فقہ کا رنگ سب سے زیادہ نمایاں تھا آپ جہاں اسلام میں ایک عظیم عبقری فقیہ کے نام سے اپنی اعلیٰ شناخت رکھتے ہیں اللہ عزوجل نے آپ کو تفقہ کے ایسے اعلیٰ مقام پر فائز فرمایا تھا کہ آپ نے اپنے زمانہ کے نو پید ولا تحل مسائل کے ایسے شافی جوابات ارقام فرمائے جو اس زمانہ کے اصحاب فقہ وافتا پر پوشیدہ و پنہاں رہے۔ آپ کے فقہی ذخائر کے مطالعہ سے امام ابن ہمام صاحب فتح القدیر اور حنفیہ کے امام اجل، امام طحاوی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ امام احمد رضا نے اپنے ائمہ کرام کے وضع کردہ اصول و قواعد کی روشنی میں ایسے مسائل کا استنباط فرمایا جن کے بارے میں صاحب مذہب سے کوئی روایت نہیں ملتی۔

عرف وعادت کے مسئلہ پر امام احمد رضا قدس سرہ نے جو اعلیٰ تحقیق فرمائی ہے اور اس کی روشنی میں منی آرڈر کے مسئلہ کی تحقیق وتوضیح فرمائی صحیح سمت کی راہنمائی فرمائی اور لغزشوں کی اصلاح فرمائی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ صاحب "**الاشباہ والنظائر**" اور علامہ شامی نے بھی عرف وعادت کے موضوع پر بحث فرمائی اور علامہ شامی نے ایک خاص رسالہ "نشر العرف" لکھا اور عرف عام وعرف خاص وغیرہ پر حاصل سیر بحث فرمائی مگر امام احمد رضا نے جو تحقیق فرمائی ہے عرف وعادت عرف قولی وعملی کے تمام انواع و اقسام کا احاطہ واستقصا فرما کر ان کے احکام روشن فرمائے اور مسائل کا انطباق فرمایا اور وافر جزئیات سے ان کی توضیح وتنقیح فرمائی اور دریا کو کوزہ میں بھر دیا اس کا روشن شاہد آپ کا رسالہ المنی والدرر اور اس موضوع سے متعلق کتب ورسائل ہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ تحقیقات کے جواہر پاروں کو بکھیرنے کے بعد خلاصہ بحث کے طور پر عرف کے انواع واقسام اور ان کے احکام کا احاطہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بالجملہ بحمد اللہ تعالیٰ بدلائل قاطعہ واضح ہوا۔ امام احمد رضا نے اس موضوع پر حاصل سیر بحث فرما کر اخیر میں تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا: **بحمد اللہ ومنہ وکبیر لطفہ وکرمہ** تحریر مسئلہ جسے تمام کلمات علمائے کرام کا عطر محفل کہیئے اور بفضلہ تعالیٰ کسی تقریر وتاصیل وتفریح کو اس کے مخالف نہ دیکھیے۔ و قد کنت اری فی الباب مباحث الاشباہ و کلمات رد المحتار من مواضع عدیدہ فلا اجد فیبا ما یفید الضبط ویزول بہ الاضطراب والخبط وکان العلامۃ الشامی کثیرا ما یحیل المسئلۃ علی رسالتہ نشر العرف فکنت تواقا الیما مثل جمیل الی بثینہ فلما ریتما وجدتھا ایضا لم یتحرر لبا ما یکفی ویشفی ولم یتخلص فیما ما ترتبط بہ الفروع وتخذ کلمات الائمۃ بعضھا حجز بعض ولکن برکۃ مطالعتھا فی تلک الجلسۃ۔

(فتاوی رضویہ ۸ / ۲۴۸، رسالہ المنی والدرر، رضا اکیڈمی)

احکام شرعیہ کا نظم احکام کل کتنے ہیں، پانچ ہیں یا سات، یا نو۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے فرمایا کہ مشہور یہ ہے کہ احکام پانچ

ہیں: واجب، مندوب، مکروہ، حرام، مباح۔ صاحب ''مسلم الثبوت'' نے یہ ظاہر کیا اور یہ مذہب شافعیہ کے زیادہ لائق ہے کہ ان کے یہاں واجب وفرض میں فرق نہیں اور ''تحریر'' نے تحریر کی پیروی کرتے ہوئے اس کی طرف اشارہ فرمایا۔

اور بعض نے برعایت مذہب حنفی فرض وواجب اور حرام ومکروہ تحریمی کو تقسیم میں جدا جدا اخذ کر کے سات قرار دیئے ''مسلم الثبوت'' میں اس روایت کا ذکر ہے۔ بعض نے فرض، واجب، سنت، نفل، حرام، مکروہ، مباح یوں سات گنا ہے اور تنقیح میں یہی راہ اختیار کی اور مولیٰ خسرو نے ''مرقاۃ الوصول'' میں اور علامہ شمس محمد بن حمزہ فناری نے ''فصول البدائع'' میں صاحب تنقیح کی اتباع میں یہی کہا اور بعض نے سنت میں سنت ہدی اور سنت زائدہ اور مکروہ میں تحریمی وتنزیہی قسمیں کر کے نو شمار کیئے جیسا کہ فناری نے اپنے آخر کلام میں اس کی تصریح کی اور ''توضیح'' نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ امام احمد رضا نے فقہائے کرام کے ان ارشادات کو تحریر فرما کر ارشاد فرمایا:

اقول: تقسیم اول میں کمال اجمال اور مذہب شافعی سے الیق ہونے کے علاوہ صحت مقابلہ اس پر مبنی کہ ہر مندوب کا ترک مکروہ ہو'' وقد علمت انہ خلاف التحقیق ''(تو نے جان لیا یہ خلاف تحقیق ہے۔) نیز سنت ومندوب میں فرق نہ کرنا مذہب حنفی وشافعی کسی کے مطابق نہیں۔ یہی دونوں کی تقسیم دوم میں بھی میں سوم وچہارم میں عدم مقابلہ بدیہی کہ سوم میں جانب فعل چار چیزیں ہیں اور جانب ترک دو۔ چہارم میں جانب فعل پانچ ہیں اور جانب ترک تین۔

پھر جانب ترک بسط اقسام کر کے صحیح مقابلہ بھی تو اسی مقابلہ نفل وکراہت سے چار نہیں مگر توفیق اللہ تعالیٰ تحقیق فقیر سب خللوں سے پاک ہے اس نے ظاہر کیا کہ بلکہ احکام گیارہ ہیں پانچ جانب فعل میں متنازلا، (۵) فرض (۴) واجب (۳) سنت مؤکدہ (۲) غیر مؤکدہ (۱) مستحب اور پانچ جانب ترک میں متصاعدا خلاف۔ (۱) اولی (۲) مکروہ تنزیہی (۳) اسات (۴) مکروہ تحریمی (۵) حرام۔

جن میں میزان مقابلہ اپنے کمال اعتدال پر ہے کہ ہر ایک اپنے نظیر کا مقابل ہے اور سب کے بیچ میں گیارہواں مباح خالص۔ اس تقریر منیر کو حفظ کر لیجیے کہ ان سطور کے غیر میں نہ ملے گی اور ہزار ہا مسائل میں کام دے گی اور صدہا عقدوں کو حل کرے گی کلمات اس کے موافق مخالف سب طرح کے ملیں گے مگر بحمد اللہ تعالیٰ اس سے متجاوز نہیں فقیر طمع رکھتا ہے کہ اگر حضور سیدنا امام اعظم کے حضور یہ تقریر عرض کی جاتی ضرور ارشاد فرماتے کہ یہ عطر مذہب وطراز مذہب ہے والحمد للہ رب العالمین۔

(فتاوی رضویہ ۱/۹۷۹، رضا فاونڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ پاکستان)

آپ نے رسالہ ''النور والنورق لاسفار الماء المطلق'' میں پانی کی قسموں کی تحقیق انیق فرمائی اور فرمایا:

پانی کی اقسام:

پانی کی ایک سو سات (۱۰۷) قسمیں ایسی ہیں جن سے وضو جائز ہے لیکن ایک سو بائیس قسمیں ایسی بھی ہیں جن سے وضو جائز نہیں اور بائیس (۲۲) قسمیں ایسی ہیں جن میں فقہا کا اختلاف ہے اور پینتالیس (۴۵) قسمیں ایسی ہیں کہ ان میں بھی جواز و

عدم جواز کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا اور یہ مؤخر الذکر قسمیں از اضافات فقیر ہیں۔ (رسالہ النور و النورق لاسفار الماء المطلق)

اضافات رضویہ درباب تیمم:

تیمم کن چیزوں سے جائز ہے اور کن چیزوں سے جائز نہیں فقہ کی تمام کتابوں میں اس کا جامع اور مجمل جواب یہ ہے کہ جو چیزیں زمین اور زمین کی جنس سے ہیں ان سے تیمم جائز ہے۔ زمین کیا چیز ہے سب کو معلوم ہے مگر زمین کی جنس سے کیا چیزیں ہیں اور جنس ارض کا کیا معنی اور کیا مطلب ہے اس سلسلے میں امام احمد رضا قدس سرہ کی تحقیقات کی رعنائیاں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے زمین میں کیا کیا چیزیں پیدا ہوتی ہیں، کیسے پیدا ہوتی ہیں، ان کے مادّے کیا ہیں، ان سب پر آپ نے وہ اعلیٰ درجے کی تحقیق فرمائی کہ معدنیات کا سب سے بڑا ماہر بھی اس کی گرد تک نہیں پہنچ سکتا۔ آپ نے تحقیق فرمائی کہ ایک سواسّی (۱۸۰) چیزوں سے تیمم جائز ہے ایک سو بتیس (۱۳۲) چیزیں ایسی ہیں جن پر بظاہر جنس ارض کا شبہ ہوتا ہے مگر حقیقت میں جنس ارض سے نہیں اس لیے ان سے تیمم صحیح نہیں قسم اوّل میں ایک سو سات (۱۰۷) چیزیں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی استخراج ہیں اور قسم ثانی میں تہتر (۷۳) کا استخراج ہے۔

نابالغ کے بھرے ہوئے پانی کا کیا حکم ہے:

خود امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں: ''یہ مسلہ بہت تفصیل طلب ہے، اس کی بہت سی شقیں ہیں کتابوں میں اس کی مکمل تفصیل تو درکنار بہت سی صورتوں کا ذکر بھی نہیں فقیر امید کرتا ہے کہ اس میں کلام شافی و کافی ذکر کرے''۔

آپ نے پانی کی تین قسمیں فرمائیں:

(۱) مباح جو کسی کی ملک نہ ہو مثلاً دریا، نہروں وغیرہ کا پانی (۲) جو کسی کی ملک ہو، مباح نہ ہو جیسے برتنوں کا پانی جسے آدمی نے اپنے گھر کے خرچ کو بھرا یا بھروا کر رکھا (۳) مباح ہو کسی کی ملک کو مثلاً سبیل یا نقایہ کا پانی۔

آپ نے فرمایا کہ آخری قسم کا پانی بالغ بھرے یا نابالغ احکام میں کچھ فرق نہ ہوگا۔ یہی حال دوسرے قسم کے پانی کا ہے جب کہ مالک نے اسے مباح کر دیا ہو، ہاں اگر مالک بنا دیا تو اب احکام میں فرق آئے گا۔ امام احمد رضا نے فرمایا کہ یہاں زیادہ تفصیل طلب اور مقصود البحث پہلی قسم ہے اس کے لیے آپ نے سب سے پہلے یہ تنقیح فرمائی کہ ان اصول پر نظر کرنا لازم ہے جو مباح مالوں جیسے مذکورہ پانی یا جنگل کی خودرو گھاس، پیڑ پھل، پھول وغیرہ پر ملک حاصل ہونے کے لیے ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں اس کے جزئیات متفرق طور پر مذکور ہوئے جن سے نظر حاضر ایک موجودہ ضابطہ تک پہنچنے کی امید رکھتی ہے۔ آپ نے اس کی تحقیق فرماتے ہوئے نو صورتیں تفصیل کے ساتھ ذکر فرمائیں اور فرمایا:

بالجملہ یہ نو صورتیں ہیں جن میں سے چار میں وہ شے مباح لینے والے کی ملک ہے اور پانچ میں دوسرے کی۔ یہ جب کہ لینے والا حر (آزاد) ہو اور مملوک کسی شے کا مالک نہیں ہوتا اس کا جو کچھ ہے اس کے مولیٰ کا ہے۔ ''ھذا ما ظھر لی نظرا فی کلما تھم وارجو ان یکون صوابا ان شاء اللہ تعالیٰ (رسالہ عطاء النبی لافاضۃ احکام ماء الصبی)۔

اس کے بعد آپ نے دوسری تنقیح فرماتے ہوئے فرمایا: یہ اصول مطلق استیلائے مباح میں ہوئے کہ مباح چیز پر کسی کا

قبضہ وغلو ہو، یہاں نابالغ میں گفتگو ہے، یہاں بھی دیکھنا ضروری کہ اگر اس نابالغ کے ماں باپ اگر اس سے کوئی مباح چیز مثلاً کنویں سے پانی یا جنگل سے پتے منگائیں تو کیا باپ اور بیٹے کے رتبے کے سبب مذکورہ احکام میں کچھ فرق آئے گا یا نہیں؟ آئے گا تو کیا؟ اس سلسلے میں آپ نے علما کے تین اقوال ذکر کیے:

(۱) زیادہ مشہور یہ ہے کہ ماں باپ کو بھی مباح چیزوں میں خدمت لینے کا اختیار نہیں بچہ اگر چہ انہیں کے حکم سے انھیں کے برتن میں انھیں کے لیے لے خود ہی مالک ہوگا، ماں باپ کو اس میں تصرف حرام ہے مگر یہ کہ محتاج ہوں۔

امام احمد رضا نے اس پہلے قول کے بارے میں اقول لکھ کر فرمایا:

اگر ماں باپ محتاج ہوں تو بلا قیمت تصرف کر سکتے ہیں، اور اگر محتاج نہیں مگر جس وقت انھیں حاجت ہے اس وقت ان کے پاس مال نہیں مثلاً سفر میں ہوں اور مال گھر پر ہو تو قیمت کے وعدہ کے ساتھ تصرف کر سکتے ہیں۔ آپ نے کتب فقہ سے اسے روشن و مبرہن فرما کر فرمایا: ''مگر اس اجازت سے احکام مذکور استیلا میں کوئی تغیر نہ ہوئی کہ ملک نابالغ ہی کی قرار پائی۔ ماں باپ کو قیمت یا مفت اس میں تصرف کی اجازت صرف اسی حال استیلا (جس مباح مال پر بچے نے قبضہ کیا) کے ساتھ خاص نہیں صبی کی ہر ملک میں ہے۔

(۲) فقیر والدین کی طرح غنی ماں باپ کو بھی بچہ سے ایسی خدمت لینے کا حق ہے اور وہ پانی روا ہے کہ عرف و رواج مطلق ہے کہ امام محمد سے ایک روایت ہے۔

امام احمد رضا نے اس دوسرے قول پر اقول لکھ کر فرمایا: اس تقدیر پر ظاہر یہ ہوتا کہ بچے نے جو مباح مال والدین کے فرمائش سے لیا اس کے مالک والدین ہی ٹھریں ورنہ بحال غنا (تونگری و مالداری) ان کو تصرف ناروا ہوتا۔ تو یہ روایت استیلا کی نو صورتوں میں سے تیسری صورت کے حکم میں والدین کا استثنا کرتی مگر امام محمد ہی سے ایسی ہی نادر روایت آئی ہے کہ: ''اگر بچہ، پینے کی چیز اپنے ماں باپ کو ہدیہ دے تو وہ والدین کے لیے مباح ہے تو یہ روایت بھی مذکورہ احکام پر کچھ اثر نہ ڈالے گی کہ مال صبی (بچہ) ہی ٹھہرا۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے فرمایا کہ اس روایت کی تحقیق بعونہ تعالیٰ عنقریب آتی ہے اور یہ کہ وہ اس مقام سے بے علاقہ ہے گر اقرب یہی ہے کہ یہ روایت والدین کے لیے اباحت تصرف کرتی ہے نہ کہ اثبات ملک تو ضابطہ بحال ہے۔

(۳) اگر ماں باپ کے برتن میں لیا تو وہ مالک ہوں گے ورنہ صبی جیسے اجیر۔

امام احمد رضا نے اس تیسرے قول پر فرمایا: یہ اس اجیر کا حکم ہے جس کا نہ وقت معین کیا نہ کسی معین چیز کے لیے اجیر کیا، نہ اس نے متاجر کے لیے اقرار کیا کہ ان حالتوں میں برتن پر لحاظ نہیں۔

اس کو کتب فقہ کی شہادتوں سے مزین کر کے فرمایا: بالجملہ یہ روایات غیر ملک صبی میں ہیں اور یہاں کلام ملک صبی میں کہ مباح پانی بلاشبہ بھرنے والے کی ملک ہوگا جب کہ بروجہ اجارہ (ملازم و مزدور رکھنے) کے طریقہ پر نہ ہو اور صبی کی ملک والدین کو

بے احتیاج حلال نہیں مقتضائے نظر فقہی تو یہ ہے۔اس کے بعد عرف وعادت سے استدلال کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

اقول: وباللہ التوفیق مگر شک نہیں کہ عرف وعادت اس کے خلاف ہے اور وہی دلائل شرعیہ سے ہے تو مناسب کہ اسے قلیل عفو (معاف) قرار دیں جس پر قرآن وحدیث سے دلیل ہے۔

اس کے بعد قرآن کریم کی آیت کریمہ سے استدلال فرمایا جس میں یہ فرمایا کہ اگر تم یتیم کے مالوں کے ساتھ اپنا مال ملا کر کھاؤ تو وہ تمہارے بھائی ہیں، ظاہر ہے کہ جب یتیم کے مال کے ساتھ اپنا مال ملا کر کھانے کے وقت کامل امتیاز قریب محال ہے۔

اور تیرے قول کے بارے میں فرمایا کہ اس قول میں ماں باپ کے معاملہ کو اجارہ پر قیاس کیا اور اس پر اقول فرما کر اولاً یہ کلام فرمایا کہ صحت توکیل کو چاہتا ہے اور اعیان مباحہ میں وکیل خلاف نصوص ہے اور فقہائے کرام نے اس کی مختلف علتیں بیان فرمائی ہیں، آپ نے ان علتوں کو مکمل تفصیل تحقیق کے ساتھ ذکر فرمایا، پھر ثانیاً اس پر یہ کلام فرمایا کہ اگر ماں باپ کا معاملہ اجارہ کے معاملہ پر قیاس کرنا صحیح ہو تو یہ معاملہ صرف برتن ہی کے ساتھ خاص نہ ہوگا کہ ان کے برتن میں لے، بلکہ والدین کی نیت سے لینا ہی ان کی ملکیت کو ثابت کردے گا، اگرچہ ان کے برتن میں نہ لے کہ مقیس علیہ یعنی اجارہ مذکورہ میں اصل مدار نیت پر ہے جیسا کہ نہ اجیر کا یہ وقت بکا ہے نہ معین ہے تو وہ اپنے لیے بھی لے سکتا ہے اور اپنے مستاجر کے لیے بھی، جس کے لیے لے گا اسی کی ملک ہوگی، ہاں اگر لیتے وقت کسی کی نیت نہ تھی یا وہ کہے: میں نے اپنے لیے نیت کی تھی اور متاجر کہے: میرے لیے کی تھی تو اس وقت ظرف (برتن) پر فیصلہ رکھیں گے، اس کے ظرف میں لی تو اس کے لیے ورنہ اپنے لیے۔اور تفصیل وتحقیق کے ساتھ اس کی اصل ذکر فرما کر علما نے ان تینوں قولوں کے بارے میں فرمایا:

بالجملہ قول سوم خلاف اصول ومخالف منقول ہے اور قول اول میں حرج بشدت اور دوم کہ نص محرر المذہب سے ماثور مؤید بعرف وکتاب وسنت لہٰذا فقیر اسی کے اختیار میں اپنے رب عزوجل سے استخارہ کرتا ہے وباللہ التوفیق تو ثابت ہوا کہ احکام مذکور وصور استیلا میں نسبت ابوت وبنوت (باپ اور بیٹے کے رشتے) سے کوئی تغیر نہیں آتا جب یہ اصل بعونہ تعالیٰ ممہدی ہولی واضح ہوا کہ نابالغ کا بھرا ہوا پانی ایک نہیں بہت سے پانی ہیں جن کا سلسلہ شاریوں ہے۔اس کے بعد آپ نے نابالغ کے بھرے ہوئے پانی کا شمار فرمایا اور چار تنبیہیں فرماتے ہوئے فرمایا۔

تنبیہ اول:

یہاں سے استاد سبق لیں معلموں کی عادت ہے کہ بچے جوان کے پاس پڑھنے یا کام سیکھنے آتے ہیں ان سے خدمت لیتے ہیں یہ بات باپ دادا یا ولی کی اجازت سے جائز ہے جہاں تک معروف ہے اور اس سے بچے کے ضرر کا اندیشہ نہیں مگر نہ ان سے پانی بھروا کر استعمال کر سکتے ہیں نہ ان کا بھرا ہوا پانی لے سکتے ہیں۔اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ شریعت کے خلاف جو ان کی عادت قائم ہے اس کا اعتبار نہیں سلف صالحین کے زمانہ میں یہ اصطلاح تھی۔

تنبیہ دوم:

کنویں کا پانی جب تک کنویں سے باہر نکال لیا جائے کسی کی ملک نہیں ہوتا تو استاد جس بچے سے خدمت لینے کا اختیار ہے یہ کر سکتا ہے کہ پانی بچے سے بھروائے یہاں تک کہ ڈول کنویں کے لب تک آئے اس کے بعد خود اسے نکال لے کہ یہ پانی بچے کی ملک نہ ہوگا بلکہ خود اس کی کتب فقہ سے اسے مبرہن فرما کر تیسری تنبیہ فرماتے ہوئے فرمایا۔

تنبیہ سوم:

بہشتیوں کے بچے اکثر کنویں پر پانی بھرتے ہیں لوگوں کی عادت ہے کہ ان سے وضو یا پینے کو لیتے ہیں یہ حرام ہے اور عوام کو اس میں ابتلائے عام ہے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اس تنبیہ کے بعد اس مقام کی تحقیق فرمائی اور بعض صورتوں کو مطلقا ناجائز بعض کو ناجائز کہا اور بعض کے بارے میں فرمایا کہ اسے جائز ہونا چاہیے، اور چوتھی تنبیہ کے تحت فرمایا۔

تنبیہ چہارم:

معتوہ بوہرا جس کی عقل ٹھیک نہ ہو تد بر مختل ہو کبھی عاقلوں کی سی بات کرے کبھی پاگلوں کی مگر مجنون کی طرح لوگوں کو محض بے وجہ مارتا گالیاں دیتا اینٹیں پھینکتا نہ ہو تو وہ تمام احکام میں صبی عاقل (عقل مند بچے) کی مثل ہے تو یہ سب احکام بھی اس میں یوں ہی جاری ہوں گے۔ اس کے بعد اقول کے تحت فرمایا۔

مگر غنی ماں باپ کا اس کے بھرے ہوئے سے انتفاع امام محمد سے در بارہ صبی مروی اور اس کا مبنی عرف و عادت اور معتوہ میں اس کی عادت ثابت نہیں اور منع میں بوجہ ندرت عنہ (کم عقلی) لزوم حرج نہیں تو یہاں ظاہرا قول اول ہی مختار ہونا چاہیے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اس کے بعد آپ نے فائدہ کے تحت افادہ فرمایا: یہاں تک ان پانیوں کا بیان تھا جن میں دوسرا پانی نہ ملا۔ اگر اس پانی میں دوسرا پانی ملا تو اس کی صورتیں آگے آ رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا: کتب کثیرہ معتمدہ میں تصریح ہے کہ اگر نابالغ نے حوض میں سے کچھ پانی ایک کوزہ بھرا اور اس میں سے کچھ پانی بھر کر اسی میں ڈال دیا، اب اس کا استعمال کرنا کسی کو حلال نہ رہا۔ شامی کے حوالہ سے اسے ذکر فرما کر فرمایا۔

کہ اس مقام پر بہت استثنا اور تنبیہ ہیں۔ آپ نے استثنا اور تنبیہ ہیں ذکر فرمائیں اور فقہی شہادتوں سے ایک قاعدہ روشن فرما کر احکام کا اجرا فرمایا اور پانی کے استعمال کے جواز کا حیلہ ارقام فرمایا۔

جب یہ قاعدہ نفسیہ معلوم ہو لیا یہاں بھی اس کا اجرا کریں جتنا پانی اس نابالغ نے ڈالا اسی قدر یا اس سے زائد اس حوض یا کنویں سے نکال کر اس نابالغ کو دے دیں، یہ دے دینا یقینا جائز ہوگا کہ اگر اس میں ملک صبی ہے تو صبی ہی کے پاس جاتی ہے بخلاف بہا دینے یا ڈول کھینچ کر پھینک دینے کے کہ وہ ملک صبی کا ضائع کرنا ہے اور یہ جائز نہیں اب کہ اس قدر یا زائد پانی اس صبی کو پہنچ گیا اس کے ڈالے ہوئے پانی کا باقی رہنا مشکوک ہو گیا تو وہ یقین کہ موضع مجہول کے لیے تھا زائل ہو گیا اور حوض و چاہ کا باقی پانی

جائز الاستعمال ہو گیا۔ پھر آپ نے اقول فرما کر اس پانی کے استعمال کے جواز کی روشن دلیل ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

اس پر واضح دلیل مثلیات مشترکہ مثلاً گیہوں وغیرہ میں وارث کبیر اپنا حصہ وارث نابالغ کے حصے سے جدا کر لینے کا جواز ہے اور اس کی تقسیم جائز و مقبول رہے گی اگر نابالغ کا حصہ اس کے لیے سلامت رہے تلف نہ ہو جائے۔ آپ نے فقہی شہادتوں سے اسے روشن فرما کر فرمایا۔

یہ طریقہ اثم (گناہ) سے بچنے کو ہے اور اگر بغیر اس کے کوئی شخص نادانستہ یا دیدہ و دانستہ براہ جہالت خواہ بے پرواہی احکام شریعت اس میں سے اتنا پانی یا اس سے زائد بھر کر لے گیا تو اگر چہ وہ گنہگار ہوا باقی پانی جائز الاستعمال ہو گیا کہ اتنا نکل جانے سے حوض و چاہ میں اس کی بقا پر یقین نہ رہا۔

الحمدللہ نمبر ۳۲ سے یہاں تک نابالغ کے پانی کا بیان جس تفصیل و تحقیق سے ہوا کتابوں میں اس چند سطروں سے زائد نہ ملے گا۔

افاضات رضویہ در اعضائے ستر عورت:

مرد اور عورت کے اعضائے عورت کتنے ہیں کل آٹھ ہیں یا اس سے زیادہ متفرق کتابوں سے جمع کرنے کے بعد آٹھ کی تعداد ملتی ہے مگر امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں: مرد میں اعضائے عورت نو قرار دیا جائے اور کتب مذکورہ میں اس کا عدم ذکر ذکر عدم نہیں جیسا کہ فرماتے ہیں۔

کتب فقہیہ متون و شروح و فتاوی جس قدر فقیر کے پاس ہیں سب کی مراجعت کی سواد و حاشیہ طحطاوی و شامی کے اس تعداد ہشت میں حصر کا نشان کہیں نہ پایا، علما کرام رحمہ اللہ تعالیٰ ہدایت و نہایت عورت کی حدیں بتا گئے اور بعض بعض اعضا کو جدا جدا بھی ذکر فرما گئے پھر کسی کتاب میں صرف دو تین عضو ذکر کیے کسی میں چار پانچ کسی میں کوئی مگر استیعاب نہ فرمایا، نہ پورا شمار بتایا۔ ہاں اس قدر ضرور ہے کہ متفرق کتابوں سے سب کو جمع کیجیے تو بیان میں یہی آٹھ آئے ہیں، غالباً اس پر نظر فرما کر علامہ طبی رحمہ اللہ علیہ نے آٹھ میں حصر فرما دیا اور سیدین فاضلین نے ان کا اتباع کیا خود عبارت علامہ شامی قدس سرہ السامی دلیل ہے کہ یہ تعداد علامہ حلبی کی استخراج کی ہوئی ہے یعنی ان سے پہلے علما نے ذکر نہ فرمائی، حیث قال بعد تمام الکلام بتعداد اعضاء العورۃ فی الامۃ والحرۃ کذا حررہ ح اھ مگر فقیر غفر لہ تعالیٰ کو اس شمار میں کلام ہے کہ وہ بدن جو دبر انثیین کے درمیان ہے اس گنتی میں نہ آیا اسے عورت ہشتم کے توابع سے قرار دے سکتے ہیں کہ بیچ میں دو مستقل عورتیں یعنی ذکر و انثیین فاضل ہیں، ہدایہ میں فرمایا: نہ یہ صحیح کہ اسے دو (۲) حصے کر کے دبر و انثیین میں شامل مانے کہ مذہب صحیح پر تنہا انثیین عضو کامل ہیں یونہی صرف حلقہ دبر عضو مستقل ہے کہ ان کے گرد سے کوئی جسم ان کے ساتھ نہ ملایا جائے گا۔

فقیر غفراللہ لہ نے اپنے رسالہ مذکورہ میں اس بحث کی بحمد اللہ تنقیح بالغ بما لا مزید علیہ ذکر کی اور اس میں ثابت کر دیا کہ افاضل ثلثہ قدمت اسرارہم کا ذکر و دبر انثیین کے ساتھ لفظ حول زائد کرنا بیکار بلکہ موہم واقع ہوا جب ثابت ہو لیا کہ یہ جسم یعنی ما بین

الدبر والانثیین ان آٹھوں عورتوں سے کسی میں شامل اور کسی کا تابع نہیں ہوسکتا اور وہ بھی قطعا ستر عورت میں داخل تو واجب کہ اسے عضو جداگانہ شمار کیا جائے۔

مرد میں عدد اعضائے عورت نو (۹) قرار دیا جائے اور کتب مذکورہ میں اس کا عدم ذکر ذکر عدم نہیں کہ آخر ان میں نہ استیعاب کی طرف ایماء نہ کسی تعداد کا ذکر، وہ ستر عورت کی دونوں حدیں ذکر فرما چکے اور اتنے اعضا کے استقلال و انفراد پر بھی تصریحیں کر گئے تو جو باقی رہا لاجرم عضو مستقل قرار پائے گا۔

فلیفهم ولیتامل لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا ہذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی

فقیر غفر اللہ لہ نے سہولت حفظ کے لیے اس مطلب کو چار شعر میں نظم کیا اور ذکر اعضا میں ترتیب بھی وہی ملحوظ رہی۔ ان اشعار میں مرد کے لیے ستر عورت کی حدیں بھی بتائی گئیں وہ بھی اس تصریح سے کہ ناف خارج اور زانو داخل اور وہ مقدار بھی بتادی گئی جس قدر کا کھلنا مذہب مختار پر مفسد ہے پھر یہ تفرقہ بھی کہ بالقصد کھولنے میں فوراً نماز فاسد ہوگی اور بلاقصد میں مقدار ادائے رکن تک کھلنا چاہئے اس میں یہ بھی بتادیا گیا کہ مذہب مختار پر حقیقۃ ادائے رکن شرط نہیں پھر اس مذہب صحیح کی طرف ایما ہے کہ ذکر و انثیین و دبر و ہر سرین تنہا تنہا عضو کامل ہیں اور یہ مذہب صحیح بھی ظاہر کردیا گیا کہ ہر گھٹنا اپنی ان کا تابع ہے، اور جو عضو فقیر نے زائد کیا اس میں یہ اشارہ بھی کردیا کہ اس جزئیہ کی تصریح نہ پائی اور عورت زیر ناف میں یہ بھی مصرح ہوگیا کہ سب جوانب بدن سے مراد ہے اور نیز یہ بھی کہ عانہ اس میں داخل ہے ولہذا اسے بھی لفظ ظاہرا کے نیچے رکھا۔ بحمد اللہ مختصر بحر کی چار بیتوں میں اس قدر فوائد کثیرہ کے ساتھ لطف یہ ہے کہ بعنایت الٰہی کوئی حرف حشو و مصرع پر کن نہیں نہ کہیں ادائے مطلب میں ایجاز مخل واقع ہوا والحمد للہ رب العلمین۔

وہ اشعار آبدار یہ ہیں:

ستر عورت بمرد نہ عضو ست	از تہ ناف تا تہ زانو
ہر چہ ربعش بقدر رکن کشود	یا کشو دے دمے نماز مجو
ذکر و انثیین و حلقہ بس	دوسریں ہر فخذ بزا نوئے او
ظاہر افصل انثیین و دبر	باقی زیر ناف از ہر سو

گویا یہ سارا فتوی ان چار شعر کی شرح ہے۔ واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم

(ملخصا فتاوی رضویہ مترجم رضا اکیڈمی ممبئی ج:۶ ص ۳۵ تا ۴۰)

(نوٹ کا مسئلہ: نوٹ کا مسئلہ ایسا جدید اور نو پید مسئلہ تھا جس کا نام ونشان تالیفات علما میں نظر نہیں آتا۔ امام احمد رضا قدس سرہ کی بارگاہ میں اس پیچیدہ مسئلہ کے متعلق سوال آیا آپ نے اس سلسلے میں ایک محققانہ رسالہ ''کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم'' تالیف فرمایا جیسا کہ فرماتے ہیں: ''ان النوط من احدث الاشیاء واجدھا لن تجد لہ ذکرا ولا اثرا فی شیء من مؤلفات العلماء حتی العلامۃ الشامی ومن ضاھاہ من العلماء الماضین قریبا، ولن الائمۃ شکر اللہ تعالی مساعیھم الجمیلۃ وافاض

علینا من برکاتھم الجلیلة قد بینوا الملة الحنفیة بیانا شافیا لیس دونه خفاء، وقد اضت بحمد اللّٰہ تعالٰی غراء بیضاء لیلھا کنھارھا فاصلوا اصولا وفصلوا تفصیلا، وذکروا کلیات تنطبق علی مالا یحصی من جزئیات، فالحوادیث وان ابت النھایة لا تکاد تخرج عما افادونا من الدرایة ولن یخلو لوجود ان شاء الملک الودود عمن یقدرہ المولٰی سبحنه وتعالٰی عل استخراج تلک الخبایا والاسترباح من تلک العطایا والمزایا نعم من الافھام بعید وقریب والانسان یخطی ویصیب، وما العلم الانور یقذفه اللّٰہ فی قلب من یشاء من عبادہ، فلا حیلة الا التجاء الی توفیقه سبحٰنه وارشادہ وحسبنا اللّٰہ ونعم الویل وعلیه ثم عل رسوله التعویل، جل وعلا وتکرم وصلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم“

نوٹ ایک سب سے زیادہ جدید اور نو پیدا چیز ہے تو تالیفات علما میں اس کا اصلا نام ونشان نہ پائیگا یہاں تک کہ علامہ شامی اور ان کے مثل جن کا زمانہ ابھی قریب گزرا لیکن ہمارے اماموں نے (اللہ ان کی نیک کوششیں ٹھکانے لگائے اور ان کی عظیم برکتوں کا ہمیں فیض پہنچائے) اس دین حنیف کا شافی بیان فرما دیا جس میں اصلا پوشیدگی نہیں تو بحمد اللہ یہ شریعت ایسی روشن چمکتی ہوگئی کہ اس کی رات بھی دن کی طرح ہے تو انہوں نے قواعد مقرر فرمائے اور ہر بات جدا جدا دکھادی اور ایسے کلیے ذکر فرمائے کہ بے شمار جزئیوں پر منطبق آئیں تو نئے پیدا ہونے والی باتیں اگرختم ہونا نہیں مانتے مگر وہ علم جو ائمہ ہم کو دے گئے ہیں اس سے کوئی باہر رہتی نہیں معلوم ہوتی اور اللہ نے چاہا تو زمانہ ایسوں سے خالی نہ ہوگا جسے اللہ تعالیٰ ان پوشیدہ باتوں کے نکالنے اور ان بخششوں اور فضیلتوں سے نفع اٹھانے پر قدرت دے ہاں فہم بعضے بعید ہوتے ہیں اور بعضے قریب، اور آدمی خطا بھی کرتا ہے اور صواب بھی، اور علم تو اسی نور کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کے چاہے قلب میں القا فرماتا ہے تو سوا اس کے کوئی چارہ نہیں کہ اللہ عزوجل کی توفیق وہدایت کی طرف التجا کی جائے اور اللہ ہم کو کافی ہے اور بہت اچھا کام بنانے والا اور اسی پر اور پھر اس کے رسول پر بھروسہ، وہ بزرگی وبلندی وکرم والا اور ان پر اس کے درود وسلام۔

(فتاوی رضویہ ج ۱۲ ص ۲۹۹ رسالہ ”کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم“ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

اس کے بعد آپ نے اس حقیقت کو واضح فرمایا کہ نوٹ کو دستاویز کے قبیل سے کوئی سند سمجھنا گمان فاسد بلکہ بدتر شک میں سے یہ وہم ہے ہر سمجھ وال بچہ بھی جانتا ہے کہ جتنے لوگ نوٹ کا معاملہ کرتے ہیں کسی کے دل میں ان باتوں کا خطرہ بھی نہیں گزرتا اور کبھی اس الٹ پھیر سے قرض دینے یا لینے یا حوالہ کا قصد نہیں کرتے اور کبھی ان باتوں میں سے کسی طرف ان کا خیال نہیں جاتا اور توان میں کبھی کسی کو نہ دیکھے گا کہ اپنے قرض کے بھی کھاتے میں اس کا نام لکھے جس نے نوٹ دے کر اس سے روپے لیے اور اپنی زندگی بھر اس سے یہ نہیں کہتا کہ تو نے مجھ سے قرض لیا ہے، ادا کردے اور اپنی یادداشت مجھ سے لے لے۔۔۔۔

تو حق یہ ہے کہ وہ سب کے سب اس سے مبادلہ اور خرید وفروخت ہی کا قصد کرتے ہیں جو نوٹ لیتا ہے اور وہ یقینا جانتا ہے کہ میں روپے دے کر اس کا مالک ہوگیا اور جو نوٹ دیتا ہے وہ یقینا جانتا ہے کہ میں نے روپے لے کر نوٹ اپنی ملک سے خارج کر دیا اور نوٹ لینے والا اسے روپوں اشرفیوں پیسوں کی طرح اپنا مال اور اپنی جمع سمجھتا ہے اور اسے جوڑ کر رکھتا ہے اور ہبہ کرتا ہے اور

اس میں وصیت کرتا ہے اور تصدیق کرتا ہے تو وہ بیچ ہی سمجھتے ہیں اور بیع ہی کا قصد کرتے ہیں اور لوگوں کے معاملات وہی سمجھے جائیں گے جو ان کے مقصود ہیں اور اعمال کا مدار نیت ہی پر ہے۔

اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی تو ایسے یقین سے ثابت ہے جس کے گرد شبہہ کو اصلا بار نہیں کہ نوٹ لوگوں کے نزدیک قیمت والا مال ہے جو محفوظ رکھا جاتا ہے جمع کیا جاتا ہے اس کی طرف رغبت ہوتی ہے بیچا جاتا ہے اور مول لیا جاتا ہے اور جو مال میں جاری ہے سب اس میں جاری ہوتا ہے۔

(فتاوی رضویہ ج:۱۲،ص:۷۰۰ تا ۷۰۱ کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدارہم امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

مزید تحقیقات کے بعد فرماتے ہیں: ''تو کھل گیا کہ ایک ورق کاغذ ہی کی قیمت اس کی تحریر کے باعث دس ہزار کو پہنچ گئی: اس میں کیا تعجب ہے کہ اس لکھائی کے سبب نوٹ کی قیمت دس یا زائد کو پہنچ جائے جس کے باعث لوگوں کی رغبتیں اس کی طرف کھینچ گئیں اور شرع سے اس پر کون سی روک ہے، اس کے بعد آپ نے اقول کہہ کر مال کی چار قسمیں فرمائیں:

قسم اول:

اوّل وہ کہ ہر حال میں ثمن ہی ہے اور وہ سونا چاندی ہے کہ ہمیشہ ثمن ہی رہیں گے اس لیے کہ چاندی سونا ثمن ہونے کے لیے ہی بنائے گئے اور اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز بدلی نہیں جاتی۔

قسم دوم:

وہ جو ہر حال مبیع ہے جیسے کپڑے، چوپائے۔

قسم سوم:

وہ جن کی ذات میں کوئی کا ایسا وصف ہے جس کے سبب بھی ثمن بھی مبیع ہوتے ہیں۔

قسم چہارم:

وہ یہ کہ حقیقۃ کوئی متاع ہو اور اصطلاحا ثمن جیسے پیسے تو وہ جب تک چلتے ہیں ثمن ورنہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جائیں گے اور اصلا شبہہ نہیں کہ اہل اصطلاح جب کسی چیز کو ثمن کرنا چاہیں تو انہیں ان کے اندازہ میں ثمن پیدائشی کی طرف رجوع کرنے ناگزیر ہے کہ عرضی چیز کا قیام تو ذاتی ہی سے ہوتا ہے تو (۶۴) ہندی پیسے یا (۲۱) عربی ہللے ایک روپے کے قرار دیتے ہیں یوں ہی اس کے ماسوا میں، اور اختیار ہے جیسے چاہیں اصطلاح مقرر کریں کیونکہ اصطلاح میں کوئی روک ٹوک نہیں۔

مال کی چار قسمیں ارقام فرمانے کے بعد آپ نے نوٹ کی حقیقت متعین فرمائی کہ نوٹ کس قسم کا مال ہے آپ فرماتے ہیں: جب یہ معلوم ہولیا تو نوٹ چوتھی قسم سے ہے، اصل میں یہ ایک متاع ہے اس لیے کہ ایک پرچہ کاغذ ہے اور اصطلاح میں ثمن ہے اس لیے کہ اس کے ساتھ ثمن کا سا معاملہ کیا جاتا ہے اور یہ رقمیں کہ اس پر مرقوم ہیں یہ اس کی ثمنیت کا ثمن اصلی سے اندازہ ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا تو یہ ایک اصطلاح ہے اس میں کچھ مضائقہ نہیں نہ اس کی وجہ تو جیہ دریافت کی جائیگی، بحمد اللہ القدیر اس تقریر سے نوٹ

کی حقیقت واضح ہوگئی اور تمام احکام اسی پر مبنی تھے۔

(فتاوی رضویہ ج:۱۲،ص:۷۰۲ تا۷۰۳ کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدارہم امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

اس مسئلہ کی کامل تحقیق کے بعد آپ نے فرمایا: الحمد للہ کلام اپنے منتھیٰ کو پہنچا اور تحقیق مسئلہ ذروہ اعلیٰ کو تیس سال ہوئے کہ اس کا سوال فقیر سے ہوا اور مسئلہ بالکل حادث تازہ اور اپنی بے بضاعتی کا خوف اندیشہ لہذا آغاز جواب ان لفظوں سے کیا، ظاہر ہے کہ نوٹ ایک ایسی حادث چیز ہے جسے پیدا ہوئے بہت قلیل زمانہ گزرا فقہائے مصنفین کے وقت میں اس کا وجود اصلا نہ تھا کہ ان کے کلام میں اس کا جزئیہ بالتصریح پایا جائے مگر اس وقت جہاں تک خیال کیا جاتا ہے نظر فقہی میں صورت مسئولہ کا جواز ہی معلوم ہوتا ہے، اور عدم جواز کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی اور انتہا ان لفظوں پر کہ ”ہذا ما ظہر لی واللہ سبحنہ و تعالٰی اعلم“ پھر بفضل رب قدیر عز جلالہ برابر اس کے مؤیدات ظاہر ہوتے رہے۔ (فتاوی رضویہ ج:۱۲،ص:۷۸۰)

اس کے بعد آپ نے چار تائیدیں پیش فرمائیں اور اپنی خداداد قوت اجتہاد سے اس مسئلہ کی حقیقت واضح فرمانے کے بعد اپنی عاجزی وانکساری کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بالجملہ جہاں تک نظر کی جاتی ہے آسمان فیض مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متواتر تائیدوں کا نزول ظاہر ہے وللہ الحمد بایں ہمہ حاشا فقیر مجتہد ہے نہ ائمہ مجتہدین کے ادنیٰ غلاموں کا پاسنگ ان کی خاک نعل کے برابر بھی منہ نہیں رکھتا۔ نہ معاذ اللہ شرع الٰہی میں اپنی عقل قاصر کے بھروسے پر کچھ بڑھا سکتا۔ اس فتوی اور ان دونوں رسالوں (کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم اور کاسر السفیہ الواہم فی ابدال قرطاسا لدارھم) میں جو کچھ ہے جہد المقل ہے یعنی ایک بے نوا محتاج کی اپنی طاقت بھر کوشش، اگر حق ہے تو محض میرے مولا پھر اس کے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کرم ہے اور اسی کے وجہ کریم کے لیے حمد اور اس کے فضل سے امید ہے کہ ان شاء اللہ الکریم ضرور حق ہے اس کے گھر کی برکات دلکشا اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کرم جانفزا نے اپنے گدائے بیقدر پر یہ فیضان کیے ہیں ورنہ کہاں یہ عاجز اور کہاں ڈیڑھ دن سے کم میں یہ رسالہ تصنیف کر دینا، پھر اس کے شہر کریم کے اکابر علمائے کرام نے اس درجہ پسند فرمایا یہ بفضلہ عز وجل سب آثار قبول ہیں اور اگر شاید یہاں علم الٰہی میں کوئی دقیقہ ایسا ہے جس تک نہ میری نظر پہنچی نہ ان علماء کرام بلد اللہ الحرام کی تو میں اپنے رب عز وجل کی طرف انابت کرتا اور ہر مسئلہ میں اس پر اعتقاد رکھتا ہوں جو اس کے نزدیک حق ہے اور وہ کہتا ہوں جو میرے امام اعظم حضور سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”فان یک صوابا فمن اللّٰہ تعالی وان یک خطافمنی ومن الشیطان واللّٰہ ورسولہ برئیان“۔

(فتاوی رضویہ، ج:۱۲،ص۷۸۱ تا۷۸۲، رسالہ”کاسر السفیہ الواھم فی ابدال قرطاسالدارھم“ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

یہ وہ روشن شواہد وحقائق ہیں جو امام احمد رضا قدس سرہ کی قوت استنباط واستخراج اور جودت اجتہاد پر شاہد عدل ہیں اور اس بات کا اذعان وایقان فراہم کرتے ہیں کہ آپ مجتہد فی المسائل کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں جو مجتہد مطلق کے تابع ہوتے ہیں اور ان کے وضع کردہ اصولوں کی روشنی میں ایسے مسائل کا استنباط کر سکتے ہیں جن کے بارے میں ائمہ مذہب کی روایت نہیں ملتی نہ کہ صرف مجمل

کی تشریح اور محتمل کی متعین مثالوں کے حوالے سے کر سکتے ہیں جس کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

زیادہ علم اسے ہے جسے زیادہ فہم ہے اوران شاء اللہ العزیز زمان بندگان خدا سے خالی نہ ہوگا جو مشکل کی تسہیل، معضل کی تحصیل، صعب کی تذلیل مجمل کی تفصیل سے ماہر ہوں۔ بحر سے صدف، صدف سے گوہر، بذر سے درخت، درخت سے ثمر نکالنے پر باذن اللہ تعالیٰ قادر ہوں۔ (فتاوی رضویہ ج: ۴ ص: ۵۲۶)

سراج الفقہاء مولانا سراج احمد قدس سرہ مفتی سراج العلوم خان پور آپ کے انہیں کمال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مولوی نظام الدین فقیہ احمد الوری وہابی جو تفقہ میں اپنے ہم عصر علمائے دیوبند وغیرہ سے اپنے آپ جیسا فائق کسی کو جانتا تھا فتاویٰ رشیدیہ کے اس فتوی پر کہ حدیث صحیح کے مقابل قول فقہاء پر عمل نہ کرنا چاہیے میں نے رسالہ ''الفضل الموہبی فی معنی اذا صح الحدیث فہو مذہبی'' مصنفہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی اوراق منازل حدیث کے سنائے تو کہا۔

یہ سب منازل فہم حدیث مولانا کو حاصل تھے افسوس کہ میں ان کے زمانہ میں رہ کر بے خبر و بے فیض رہا پھر چند مسائل فقہ کے جوابات، سائل رضویہ سے سنائے تو کہنے لگا علامہ شامی اور صاحب فتح القدیر مولانا کے شاگرد ہیں یہ (شخص) تو امام اعظم ثانی معلوم ہوتا ہے (سوانح سراج الفقہاء، ص: ۲۴)

جامعہ اشرفیہ مبارکپور

****

امام احمد رضا کا فکری اعتدال

مفتی ڈاکٹر ارشاد احمد ساحل شہسرامی [علیگ]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی ذات گرامی، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ اور قدرت کی ایک نشانی ہے اور سنیت کی شناخت ہے۔ آپ نے اسلام اور سنیت کی اس فکری روایت کی ترجمانی، نمائندگی، اور تحفظ کا فریضہ انجام دیا جو مشکاۃ نبوت سے مستنیر، صحابہ واہل بیت اور جملہ ائمہ اہل سنت سے متواتر منقول ہے۔ یہ اسلام کہ ایسی معتدل شاہراہ ہے جسے قرآن حکیم میں صراط المستقیم' فرمایا گیا، جو ہر قسم کی انحراف اور ژولیدگی سے پاک صاف، شفاف، متوازن اور معتدل شاہراہ فکر واعتقاد ہے۔

اسلام وہی ہے جو اعتدال اور توازن رکھتا ہے جس کا بیان متعدد آیات اور احادیث مبارکہ میں ملتا ہے، اسلام وہ سنیت کے علاوہ جتنی فکریں، معتقدات، مذاہب ومکاتب سبھی غیر معتدل اور کج رو ہیں۔ اسی لیے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ کو امت وسط سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے: "وجعلنا کم امۃ وسطا لتکون شھداء علی الناس" [البقرۃ: ۱۴۳] ہم نے تمہیں کیا سب امتوں میں افضل کہ تم لوگوں پر گواہ ہو۔ وسط کی تفسیر میں افضل اور معتدل دونوں قول وارد ہے۔ دیکھیے [بخاری شریف میں یہ آیت کریمہ کے تحت] تفسیر بغوی میں ہے: "عن الکلبی انہ قال [وسط] یعنی اھل دین وسط بین الغلو والتقصیر لانھما مذمومان فی الدین" [تفسیر بغوی: ۱/ ۱۲۲] یعنی ایسی امت بنایا جو افراط وتفریط، غلو اور تقصیر وتنقیص کے درمیان معتدل کردعمل والی ہے، کیوں کہ غلو اور تقصیر دین میں مذموم ہیں۔ اسی میں ہے کہ اللہ کے نبی ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا: اللہ کی سیدھی راہ یہی ہے، پھر اس کے دائیں بائیں اور لکیریں کھینچ کر فرمایا: ان تمام راہوں پر شیطان ہے جو اپنی طرف بلا رہا ہے۔

یہ وسطیت اور اعتدال اسلام کا طرۂ امتیاز ہے، اسی لیے یہ امت سب سے افضل اور بہتر ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ اسی سچے ستھرے کامل دین اسلام کے ترجمان، داعی، مبلغ اور مجدد تھے، اس لیے ان کی فکر میں، ان کے طرز عمل میں غایت درجے کا توازن اور کامل ایمانی اعتدال تھا ان کے فکری اعتدال پر ان کی تحریریں، تصانیف، فتاویٰ، مجموعۂ استفتاء اور ان کے حالات زندگی شاہد عدل ہیں۔ شریعت، طریقت، عقلیات، فلکیات، عرضیات، سماجیات اور دیگر روحانی علوم اور موضوعات پر امام احمد رضا کے ذرنگار قلم نے جو استہات پیش فرمائے ہیں ہر جگہ آپ کی فکری اعتدال کی دھنک جلوہ ریز ہے یہ ایسا بسیط موضوع ہے کہ اگر اعلیٰ حضرت کی تصنیفات مبارکہ سے اس کے شواہد جمع کیے جائیں تو ایک مبسوط کتاب تیار ہو جائے گی اسلامی افکار کی پیش کش میں جن بزرگوں کے یہاں نظر آتے ہیں، ان میں حضرت شیخ عبد الحق محدث قادری، حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدست اسرارہم ممتاز نظر آتے ہین۔

عقائد، احکام اور تشریع فروعی مسائل میں سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے فکری اعتدال کے چند نظائر کی

پیش کش ہے، اس مختصر سے مقالہ میں اکتفا کرتا ہوں۔

فضیلت سید المرسلین:

ہمارے حضور سارے نبیوں کے سردار اور سب سے افضل ہیں لیکن فضائل کے باب میں جب بیان ہوتا ہے تو عموماً انسان افرط و تفریط کا شکار ہوجاتا ہے لیکن اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی کہ ہمارے حضور کی فضیلت اس طور سے بیان کی جائے دوسرے انبیائے کرام کی تنقیص کا پہلو نکلے۔ حضرت قاضی عیاض مالکی قدس سرہ نے ''الشفا بتعریف حقوق المصطفی'' سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کے حقوق، آداب بہت تفصیل سے بیان کیے ہیں خود قرآن حکیم کا تیسرا پارہ، فضیلت انبیا کے باب سے ہی شروع ہوتا ہے ارشاد باری ہے: ''تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض'' [البقرۃ: ۲۵۳] یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا، ان میں سے کسی نے اللہ سے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا [کنز الایمان] یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ فضائل مصطفوی پر بے شمار کتابیں ائمہ اسلام نے لکھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ ان میں حضرت امام جلال الدین سیوطی کی ''الخصائص الکبریٰ'' کو خاص شہرت حاصل ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی تو پوری زندگی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ الہ وسلم کی حرمتوں کی پاسداری، ان کے فضائل و کمالات کے بیان اور ان کے عشق کی خوشبو سے دنیا کو معطر کرنے ہی میں گزری ہے۔ لیکن خاص فضیلت مصطفے کے باب میں آپ رسالہ مبارکہ ''تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین'' رقم ہوا جس میں دس آیات کریمہ اور ایک سو احادیث مبارکہ سے اپنے آقا کی سارے انبیائے کرام پر فضیلت کا ثبوت پیش فرمایا ہے۔ اس کے آغاز میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا افضل المرسلین وسید الاولین والآخرین ہونا قطعی، ایمانی، یقینی، اذعانی، اجماعی، ایقانی مسئلہ ہے جس میں خلاف نہ کرے گا مگر گمراہ بد دین بندۂ شیاطین، والعیاذ باللہ رب العالمین'' [تجلی الیقین، ص: ۱۷]

آپ نے بیان فضائل میں کہیں ایسا پیرائۂ تعجر اختیار نہ فرمایا جس سے دیگر انبیا کی اہانت شان کا شائبہ بھی جھلکتا ہو۔ میں یہاں اعلیٰ حضرت کے چند نعتیہ اشعار پیش کرتا ہوں جن میں حضور کی فضیلت بہت خوبصورت موازنہ کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔ فرماتے ہیں:

ملک کونین میں انبیا ءتاجدار تاجداروں کا آقا ہمارا نبی
انبیا سے کروں عرض کیوں ملکو کیا تمہارا نبی ہے ہمارا نبی
جیسے سب کا خدا یک ہے ویسے ہی ان کا ان کا تمہارا ہمارا نبی
رسول، ملک پہ درود ہو، وہی جانے ان کے شمار کو مگر ایک ایسا دکھا تو دو جو شفیع روز شمار ہے
نہ حجاب چرخ ومسیح پر، نہ کلیم وطور نہاں مگر گیا ہے عرش سے بھی اُدھر، عرب کا ناقہ سوار ہے

ایسا خوبصورت اور دلکش موازنہ کہ محبوب اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل بھی بیان ہو جائیں اور دیگر انبیائے کرام

کے حرمتوں پر آنچ بھی نہ آئے ،فکر رضا کی معتدل پیش کش کا ہی نتیجہ ہے۔

فضیلت شیخین:

حضرات خلفائے راشدین میں سیدنا صدیق اکبر و سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ساری امت میں بالترتیب سب سے افضل ماننا اہل سنت کا اجماعی مسئلہ ہے۔ الفضیول اور فضیلوں سے امتیاز کی نمایا شناخت ہے۔اس سلسلے میں افراط وتفریط سے امت میں بہت سے انتشار پیدا ہوئے ،کئی فرقے وجود میں آئے لیکن اہل حق ہمیشہ جادۂ اعتدال پر گامزن رہتے ہیں،اہل حق کے امام سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری ترک سری کے دور میں بھی یہ فتنہ عروج پر تھا،اور آج بھی یہ فضیلت پھیل رہا ہے،اعلیٰ حضرت اس موضوع پر کئی ضخیم رسائل و کتب تحریر فرمائیں۔ان میں [مطلع القمریم فی ابانته سبقته العمرین] اور الزلال الانقی کا شہرت رکھتی ہیں۔ مطلع القمرین کو پڑھتے جایئے اور اعلیٰ حضرت کے کمال اعتدال فکری اور جولانی علم وعشق کا دلکش امتزاج دیکھنے چاہئے۔خلفائے راشدین کے فضائل وکمالات کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

ان چار ارکان قصر ملت و چار انہار باغ شریعت کے خصائص و فضائل کچھ ایسے رنگ پر واقع ہیں۔کہ ان میں سے جس کسی کے مناقب پر تنہا نظر کیجئے ،یہی معلوم ہوتا ہے، کہ جو کچھ ہیں، یہی ہیں اور ان سے بڑھ کر کون ہوگا ؟

بہر گلے کہ ازیں چار باغ می نگرم بہار دامن دل می کشد کہ جا ایں جا [ص ۴۳]

تبصرہ سابعہ میں اہل سنت کے مسلک اعتدال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔کہ ہم حضرات شیخین کی فضیلت کے بھی قائل ہیں،اور دونوں داماد رسول سے سچی الفت و محبت بھی رکھتے ہیں۔رقم طراز ہیں؛

سنیت،اس صراط مستقیم کا نام ہے جس میں؛لم یجعل له عوجا؛[اس میں اصلا کجی نہ رکھی]

طرفین افراط وتفریط کی طرف میلان بحمد اللہ حرام ہے۔لہذا ہم جس طرح تبصرات میں اپنے مخالف اول یعنی فرقہ تفضیلیہ کے خیالات باطلہ واوہام عاطلہ کی بیخ کنی کرتے ہیں،واجب کے کچھ دیراء پر سے باگ پھیر کر دو چار باتیں ان حضرات سے بھی کر لی جائیں،جنہوں نے محض متاخرین ہند کے محض کلمات زور آزمائی دیکھ کر ہدایت عقل وشہادت نقل کو بلائیں طاق رکھا اور حضرات شیخین یا جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفضیل من جمیع الوجوہ کا دعویٰ کر دیا کے جس طرح وہ فرقہ متفرقہ ہمارے طریق مراد میں سنگرا ہے،ان لوگوں کی خلش بھی چشم انصاف میں خار دامان نگاہ ہے، جب ترفین کے شبہات کا علاج ہو جائے گا تو ہم انشاء اللہ تعالیٰ اپنے نزدیک جو معنی تفضیل ہیں،ان کے چہرہ تحقیق سے اٹھائینگے [مطلع القمرین،ص ۶۸]

حضرت مولیٰ علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما:

حضرت مولائے کائنات اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان ہونے والی تاریخی جنگ اور پھر یزید لعین کی ناکردنی نے حضرت امیر معاویہ کے تعلق سے جزبات کو کس قدر حساس بنا دیا ہے، وہ ہر واقف کار جانتا ہے۔لیکن اسلام جزبات کو سیدھی راہ پے چلاتا ہے، بے ہنگمی سے بچاتا ہے، افراط وتفریط سے نکال کر درمیانی روش پر گامزن کرتا ہے۔اسی ذیل میں بھی اعلیٰ حضرت امام

احمد رضا قادری قدس سرہ نے اسلام وسنیت کے معتدل موقف کو بہت واضح انداز میں پیش فرمایا ہے۔اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں،

فرق مراتب بے شمار مگر اور حق بدست حیدر کرار
معاویہ بھی ہمارے سردار طعن ان پر بھی کارفجار

جو معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حمایت میں عیاذ باللہ اسد اللہ رضی اللہ عنہ کے سبقت ،اولیت وعظمت واکملیت سے آنکھ پھیر لے وناصبی یزیدی ،اور جوعلی کی محبت میں معاویہ کی صحابیت ونسبت بارگاہ حضرت رسالت ﷺ بھلادے وہ شیعی یزیدی۔یہی روش آداب بحمد اللہ تعالیٰ ہم اہل توسط واعتدال کو ہرجگہ ملحوظ رہتی ہے[فتاوی رضویہ،جدید،۱۰ر ۲۰۴]

فضیلت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

سرکار غوثیت مآب سیدنا شیخ ابو محمد عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولیائے امت میں فضیلت مطلقہ اہل اللہ کے درمیان مسلم ہے۔مشہور عارف کا شعر ہے:

غوث اعظم درمیان اولیاء چوں محمد درمیان انبیاء

اور مشہور عاشق رسول عارف باللہ حضرت شیخ عبد الحلیم آسی غازی پور علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

پوچھتے کیا ہو شہ جیلاں کے فضائل آسی ہر فضیلت کے وہ جامع ہیں نبوت کے سوا

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کا عشق غوثیت مآب تو شہرۂ آفاق اور ضرب المثل ہے۔حضور کے بعد ان کا سب کچھ نسبت قادریت ہے۔خود فرماتے:

قادری بودن رضارا مفت باغ خلد داد من نمی گویم کہ آقا سایہ غفراں توئی

آپ کی تحریریں نثر ونظم محبت مصطفیٰ اور مدحت غوث الوریٰ سے لبریز ہے۔لیکن آپ فضائل قادریت، عقیدت کی ترنگ اور عشق کے غلو میں ڈوب کر نہیں بیان فرماتے بلکہ جو مراتب عالیہ عظمیہ دریاءرب العزت سے ترکاءغوثیت مداء کو ہوئیں، ان کا واقعی اظہار عشق اور ادب کی حریم میں پناہ لے کر فرماتے ہیں، اور دیگر سلاسل کے مشائخ کرام بھی بہت ہی غیاز مندی ،نمایت احترام اور عزم احتیاط کے ساتھ ذکر فرماتے ہیں۔

بعض سلاسل طریقت کے افرادسلسئہ قادریہ اور سرکار غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خداداد فضائل کے ذکر سے کچیں بہ جبیں ہوتے ہیں۔اسی طرز کا ایک سوال سیدنا قطب الاقطاب سید کبیر رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان رفیع کے سلسلے میں اعلیٰ حضرت سے ہوا جس کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے مستقل رسالہ تصنیف فرمایا:''طرد الافاعی عن حی هاد رفع الرفاعی ''[۱۳۳۶] (سانپوں ر،موذیوں کواس سبزہ زار چراگاہ سے دور رکھنا جوحضرت رفاعی کی شان منزلت کی جانب رہنمائی فرماتی ہے)

اس رسالہ کا آغاز دوقرآنی نصیحتوں سے فرماتے جواس طرح کے جذباتی معاملات کی مکمل بیخ کا سامان لیے ہوئے ہیں۔ہمارے موجودمعاشرے میں بھی عرصہ سے جو مشربی بے ہنگم وقلمونی رائج ہے،اس کے مضراثرات کوختم کرنے کے لیے یہ قرآنی نصیحتیں بہت

اکسیر ہیں اور اسلام کے اسی معتدل فکری کے داعی اور ترجمان ہیں اور جو دین محمدی کا خاصہ ہے۔اسی وسطیت ،اعتدال اور توازن کی ترجمانی کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ عزوجل فرماتا ہے:''قل ان الفضل بید اللّٰہ یؤتیہ من یشاء'' [النساء:۷۳] تم فرمادو کہ فضیلت اللہ کے ہاتھ ہے جسے چاہے عطا فرمادے۔اس آیۃ کریمہ سے مسلمانوں کو دو ہدایتیں ہوئیں:ایک یہ کہ مقبولان بارگاہ احدیت میں اپنی طرف سے ایک کو افضل اور دوسرے کو مفضول نہ بتائے کہ فضل تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے جسے چاہے عطا فرئے۔

دوسرے یہ کہ جب دلیلِ مقبولیت سے افضلیت ثابت ہوئی تو اس میں اپنے نفس کی خواہش،اپنے ذاتی علاقہ نسب یا نسبت شاگردی یا مریدی وغیرہ کو اصلا دخل نہ دے کہ فضل ہمارے ہاتھ نہیں کہ اپنے آباء واساتذہ ومشائخ کو اوروں سے افضل ہی کریں، جسے خدا نے افضل کیا وہی افضل ہے،اگر چہ ہمارا ذاتی علاقہ اس سے کچھ نہ ہو اور جسے مفضول کیا وہی مفضول ہے اگر چہ ہمارے علاقے سب اس سے ہوں۔یہ اسلامی شان ہے مسلمانوں کو اسی پر عمل کرنا چاہیے۔اکابر خود رضائے الٰہی میں فنا تھے۔جسے اللہ عزوجل ان سے افضل کیا،کیا وہ اس پر خوش ہوں گے کہ ہمارے متوسل ہمیں اس سے افضل بتائے،حاش للہ!اور سب سے پہلے اس پر ناراض اور سخت غضب ناک ہوں گے تو اس سے کیا فائدہ کہ اللہ عزوجل کی عطا کا بھی خلاف کیا جائے اور اپنے اکابر کو بھی ناراض کیا جائے۔

حضرت عظیم البرکت سیدنا سید احمد کبیر رفاعی قدسنا اللہ تعالیٰ برہ الکریم بے شک اکابر اولیا واعاظم محبوبان خدا سے ہیں،الخ''
[فتاویٰ رضویہ،ج:،ص:۳۶۸/۳۶۹]

اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل اور افضلیت مطلقۃ اکابر اولیاے کرام کی زبان سے بیان فرمائے،ان میں خود حضرت امام رفاعی قدس سرہ بھی ہیں۔رسالہ مبارکہ کے اخیر میں بہت دردمندانہ نصیحت فرماتے ہیں، اور کسی قسم کی بے ہنگمی کے امکانات باقی نہیں رہتے سیدنا اعلیٰ حضرت رقم طراز ہیں:

''اے برادر!مقتضائے محبت اتباع وتصدیق ہے نہ کہ نزاع وتکذیب سچا محبت حضرت احمد کبیر کے ارشادات کو بالائے سر لے گا اور جس بارگاہ ارفع کو انہوں نے سب سے ارفع بتایا اور ان کا قدم اقدس اپنے سر مبارک پر لیا انہیں کو ارفع اعظم مانے گا۔عبد الرزاق محدث شیعی تھا مگر حضرات عالیہ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضرت امیر المؤمنین مولیٰ علی کریم اللہ وجہہ سے افضل کہتا اس سے پوچا جاتا تو جواب دیتا''کفی بی ازراءان احب علیاً ثم اخالفہ''،یعنی امیر المومنین نے خود حضرات شیخین کو اپنے نفس کریم سے افضل بتایا ہے۔مجھے یہ گناہ بہت ہے کہ عمل سے محبت رکھوں پھر ان کا خلاف کروں۔

واقعی تکذیب ومخالفت اگر چہ بزعم عقیدت ومحبت ہو اعلیٰ درجہ کی عداوت ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ،اللہ عزوجل اپنے محبوبوں کا حسن ادب روزی کرے اور انہیں کی محبت پر خاتمہ فرمائے اور انہیں کے گروہ پاک میں اٹھائے آمین آمین بجاہم عندک یا ارحم الراحمین''[فتاویٰ رضویہ جدید،ص:۴۰۱]

یہی توازن،اعتدال،حسن ادب،پاس مراتب سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی ساری تحریروں میں ملتا ہے۔فقہی مذاہب

میں امام احمد رضا حنفی مذاہب کے پیروکار تھے۔ پوری زندگی تائید مذہب نعمان اور فقہ حنفی کی تقویت میں گزری لیکن آپ کا قلم افرط، جوش عصبیت مذہب اور شائبۂ تنقیص ائمہ سے کہیں غبار آلود نہیں پورا ''فتاویٰ رضویہ'' اس کی کھلی شہادت ہے۔

تصوف:

تصوف کے معاملے میں بھی عرصہ سے تین گروہ رہے ہیں:

(۱) منکرین تصوف جو سرے سے اسے مانتے ہی نہیں، صرف ظاہری علوم میں یقین رکھتے ہیں، باقی اسرار تصوف کو خیال کا واہمہ اور ذہن کا فتور سمجھتے ہیں۔

(۲) متصوفہ تصوف کی حقیقت سے نا آشنا، شریعت سے پرے ایک الگ خیالی دنیا میں مگن رہتے ہیں اور اپنی نادانی کے سبب بہت سی واہی تباہی میں گرفتار رہتے ہیں۔

(۳) حقیقی صوفیہ جو جادۂ شریعت پر پورے طور سے گامزن رہتے ہیں اور روح کے تذکیہ، نفس کی تطہیر، قرب الٰہی کی تلاش اور اسرار الٰہیہ سے سرفرازی کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ یہی جادۂ اعتدال کے داعی صراط مستقیم کے راہی اور سچے سیدھے اسلام و سنیت کے ترجمان ہیں۔ دیگر اکابرین اسلام کی مانند اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے بھی اسی مسلک حق، فکر معتدل کی ترجمانی اپنی تحریروں میں فرمائی ہے۔ منکرین تصوف کی بھی خبر لی ہے متصوفۂ جہال پر بھی دار گیر کی ہے اور حقیقی صوفیا کے افکار کی بھرپور مدلل، متوازن اور قلب روح میں اتر جانے والی ترجمانی فرامائی ہے۔ اس ذیل میں آپ کے رسائل تصوف: مقال العرفاء باعزاز شرع وعلی، الیاقوتۃ الواسطۃ فی قلب مقتد الرابطۃ فتاویٰ افریکہ وغیرہ کو دیکھا جا سکتا ہے۔ میں یہاں صرف دو مختصر اقتباس فتاویٰ رضویہ سے پیش کرتا ہوں۔ ایک تو حقیقی تصوف معتدل کا ترجمان ہے اور دوسرے میں متصوفہ کی جہالت کا بطلان ہے۔ اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں:

''شریعت مطہرہ ایک ربانی نور کا فانوس ہے کہ دینی عالم میں اس کے سوا کوئی روشنی نہیں، اس کی روشنی بڑھنے کی کوئی حد نہیں۔ زیادت چاہنے، افزائش پانے کے طریقے کا نام طریقت ہے۔ روشنی بڑھ کر صبح، پھر آفتاب اور پھر اس سے بھی غیر متناہی درجوں زیادہ تک ترقی کرتی ہے جس سے حقائق اشیا کا انکشاف ہوتا اور نور حقیقی تجلی فرماتا ہے۔ یہ مرتبۂ علم میں معرفت اور مرتبۂ تحقیق میں حقیقت ہے تو حقیقت میں وہی ایک شریعت ہے کہ باختلاف مراتب اس کے مختلف نام رکھے جاتے ہیں'' [امام احمد رضا اور بدعات ومنکرات، ص:۲۰۸]

مزید آگے فرماتے ہیں:

''شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت میں باہم اصلاً کوئی تخالف نہیں۔ اس کا مدعی اگر بے سمجھے کہے تو نرا جاہل ہے اور سمجھ کر کہے تو گمراہ بد دین۔ شریعت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال ہیں اور طریقت حضور کے افعال اور حقیت حضور کے احوال اور معرفت حضور کے علوم بے مثال'' صوفی وہ ہے کہ اپنے ہویٰ کو تابع شرع کرے، نہ وہ کہ ہویٰ کی خاطر شرع سے دست بردار

ہو‘‘[امام احمد رضا اور بدعات ومنکرات،ص:۲۱۱]

اسی طور سے مراسم اہل سنت عرس، نذر و نیاز محرم، بارہویں، گیارہویں کی محافل وغیرہ کے انعقاد کے سلسلے میں جہاں منکرین وہابیہ کا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے زبردست رد فرمایا اور ان مراسم اہل سنت کے جواز کو دلائل اسلامیہ سے ثابت فرمایا، وہیں ان پاکیزہ محافل میں درآنے والی بدعات وخرافات، بے ہنگم رویات، تعظیمی سجدات، زن ومرد کے بے محابا اختلاط پر سخت شرعی محاسبہ فرمایا ہے۔ اس ذیل میں ان کے رسائل کا دیدہ وری کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہیے خاص کر’’ الذبدة الزكية تحريم سجود التحية، هادى الناسفى رسوم الاعراس، جمل النورفى نهى النساء عن زيارة القبور، سبيل الاصفياء فى حكم الذبح للاولياء، بركات الامداد لاهل الاستمداد، اعالى الافادة فى تعزية الهندو البنجالة وغيره ‘‘اجمالی طور سے ان نقوش ہدایت کے جلوے دیکھنا چاہیں تو حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ کی تالیف کردہ کتاب’’امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات‘‘ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

فضلیت نسب:

انسانوں کے درمیان نسب اور نسل، رنگ وقوم، زبان اور علاقہ کی تفرقات موجود ہیں۔ گو اسلام نے اس کی حوصلہ افزائی نہ فرمائی۔ یہ امتیازات قدرت نے اپسی شناخت، باہمی تعارف، اور اپنی قدرت کاملہ کی نشانیوں کی طور سے متعارف کرائے ہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے:

قبیلے’’ياايهاالناس انا خلقناكم من ذكر و انثى وجعلناكم شعوبا وقبائل لتعارفوا، ان اكرمكم عند الله اتقاكم‘‘[الحجرات: ۱۳] اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا کہا اپس مین پہچان رکھو بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ قربت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔

[علاقہ]’’من اٰيته ان خلقكم من تراب ثم اذاانتم بشر تنتشرون‘‘[الروم: ۲۰] اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ تمہیں پیدا کیا مٹی سے پھر جبھی تم انسان ہو دنیا میں پھیلے ہوئے۔

[رنگ ونسل]’’ومن اٰيته خلق السمٰوت و الارض واختلاف السنتكم والوانكم‘‘[الروم: ۲۲] اور اس کی نشنیوں سے ہے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف۔[کنز الایمان]

لیکن انسانی گروہ عموما ان قدرتی امتیازات کو اس رنگ میں نہیں استعمال کرتا جس کے لیے قدرت نے اسے یہ تنوع، بوقلمونی اور گلہائے رنگا رنگ کی صورت دی ہے۔ بلکہ اسے وہ تجبر، ترفع، غرور، دوسروں کی تذلیل، اپنی بالادستی اور تبقات کی محدودیت کے لیے استعمال کرتا چلا آیا ہے۔ اسلام نے اس عصبیت جاہلیت کی حوصلہ شکنی کی ہے اور باہمی رواداری جذبۂ مساوات وہمدردی اور انسانیت کی تکریم کی تلقین فرمائی ہے اور معیاری فضیلت قرب خدا ورسول کو قرار دیا ہے۔’’ان اكرمكم عند الله اتقاكم‘‘ اس کا واضح اعلانیہ ہے لیکن ان سب کے باوجود اسلام دین فطرت ہے تو فطری امتیازات، فضائل کی جہات اور خداداد انعامات کی قدر افزائی کی یکسر نفی نہیں کرتا۔ جادۂ اعتدال درمیان کی راہ ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ اسی موقف حق

اور مسلک اعتدال کی ترجمانی اپنے رسالۂ مبارکہ ''ارادۃ الادب لافضل النسب'' میں فرمائی ہے اور اس حساس جذباتی مسئلے کا سلامی حل پیش فرمایا ہے جو آج کی دنیا کے بیشتر مسائل کی جڑ ہے، تفصیل کے لیے تو مکمل رسالہ مبارکہ مطالعہ کرنا چاہیے۔ میری ترجمہ کردہ کتاب ''فضائل سادات'' میں بھی اس حساس مسئلہ پر تشفی بخش گفتگو موجود ہے۔ میں یہاں اعلیٰ حضرت کے رسالہ کے متعلقہ اقتباسات پیش کرتا ہوں۔ سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں: ''تحقیق مقام ومقال بکمال اجمال یہ ہے کہ مدار نجات فتویٰ پر ہے علیٰ تباین مراتبہا وثمراتہا'' [فرق مراتب اور اس کے نتائج کے لحاظ سے]، نہ کہ محظ نسب، ومایضاھیہ من الفضائل مھوبا ومکسوباتھا [اور جو اپنی اور کسی فضائل نسب کے مشابہ ہوں]۔ لہٰذا محض تقویٰ بس ہے اگر چہ شرف نسب وتکمیل علوم سمیہ [عالیہ] نہ ہوا اور مجرد شریف القوم یا ملا صاحب کہلانا کافی نہیں جب کہ تقویٰ اصلا نہ ہو۔

''ان الزبانیہ اسرع الیٰ فسقۃ القرائ منھم الیٰ عبدۃ الاوثان'' [کنز العمال] بے شک عذاب کے فرشتے فاسق علما کی جانب اس سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ بڑھیں گے جتنے وہ بتوں کے پجاریوں کی جانب بڑھ رہے ہوں گے۔

حدیث: ''من أبطاء بہ عملہ لم یسرع بہ نسبہ'' [سنن ابی داؤد] (جس کا عمل سنت ہو، اس کا نسب اسے آگے نہیں کر سکتا) کہ یہی معنی ہیں، نہ یہ کہ فضل نسب شرعاً محض باطل ومھجور وہباء منشور یا شرافت یا سیادت نہ دنیاوی احکام شریعہ میں وجہ امتیاز نہ آخرت میں اصلا نافع باعث اعزاز حاش ایسا نہیں شرع مطہر میں متعدد مقام فرق نسب کو معتبر رکھا ہے اور سلسلۂ طاہرہ ذریت عاطرہ میں انسلاک وانتساب ضرور آخرت میں بھی نفع دینے والا ہے۔ کتاب النکاح میں سارا باب کفاءت تو خاص اسی اعبار تفرقہ ومزیت پر مبنی ہے''

مشاہدہ اور شاہد اور تجربہ گواہ ہے کہ شریف قومیں بحیثیت مجموعی دیگر اقوام سے حیا، حمیت، تہذیب، مروت، سخاوت، شجاعت، بسیر چشمی، فتوت، حوصلہ، ہمیت، صفائے قریحت وغیرہا بکثرت اخلاق حمیدہ، موہوبہ مکسوبہ میں زائد ہوتی ہیں اور سب کا آدم وحوا علیہما الصلاۃ والسلام ایک ماں، باپ سے ہونا جس طرح تفاوت افراد کا نافی نہیں۔ ایک آدمی لاکھ برابر ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہین: ''لیس شئ خیرا من الف مثلہ الا الانسان، اخرجہ الطبرانی فی الکبیر و الضیاء فی المختاررۃ عن سلمان الفارسی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ'' [المعجم الکبیر، ۲۳۸/۲] انسان کے سوا کوئی چیز ایسی نہیں جو اپنے ہم جنس میں سے ہی ایک ہزار سے زیادہ بہتر ہو [یعنی انسانوں کی اور مخلوق میں نہیں پایا جاتا]

یونہی تفاوت اصناف واقوام کا منافی نہیں، قریش کی جراءت، شجاعت، فتوت، قوت، شہامت اسلام وجاہلیت دونوں میں شہرۂ آفاق رہی ہے اور ان میں بالخصوص بنی ہاشم، یونہی جاہلیت میں بنی باہلہ خست ودناءت سے تھے''

صالحین سے نسبی اور غیر نسبی دنیا اور آخرت میں افادیت کی احادیث مبارکہ درج کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ تحریر پر فرماتے ہیں:

''جب عام صالحین کی صلاح، ان کی نسل، اولاد کو دین ودنیا وآخرت میں نفع دیتی ہے تو صدیق وفاروق وعثمان وعلی وجعفر و عباس وانصار کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اصلاح کا کیا کہنا جن کی اولاد میں شیخ صدیقی وفاروقی وعثمانی وعلوی وجعفری وعباسی وانصاری ہیں،

کیوں نہ اپنے نسب کریم دین و دنیا و آخرت میں نفع پائیں گے، پھر اللہ اکبر! حضرات عالیہ سادات کرام اولا د امجاد حضرت خاتون جنت بتول زہراء کہ حضور پرنور سید الصالحین سید العالمین سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں کہ ان کی شان تو ارفع و اعلیٰ و بلند و بالا ہے''

اخیر میں تحریر فرماتے ہیں:

''بالجملہ تفاضل انساب بھی یقیناً ثابت اور شرعاً اس کا اعتبار بھی ثابت اور انساب کریمہ کا آخر میں نفع دینا بھی جزماً ثابت اور نسب کو مطلقاً محض بے قدر و ضائع و برباد جاننا سخت مردود و باطل، خصوصاً اس نظر سے کہ اس اک عموم عرب، بلکہ قریش، بلکہ بنی ہاشم، بلکہ سادات کرام کو بھی شامل''

ہاں نسب پر فخر جائز نہیں، نسب کے سبب اپنے آپ کو بڑا جاننا، تکبر کرنا جائز نہیں، نسب کو کسی کے حق میں عار یا گالی سمجھنا جائز نہیں، اس کے سبب کسی مسلمان کا دل دکھانا جائز نہیں۔ احادیث جو اس باب میں آئیں، انہیں معانی کی طرف ناظر ہیں'' ملخصا [فتاویٰ رضویہ جدید، ج:۲۳،ص:۲۰۵/۲۵۵]

اگر انسان خاص کر مسلمان، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی پیش کردہ اس معتدل اسلامی فکر کو اپنا لے تو سماج کے بہت سے بے ہنگم اور غیر متوازن مسائل خود بخود حل ہو جائیں۔

رد بدمذہباں:

رد بدمذہباں کا باب ایسا ہے جس میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کو شدت پسند Agnassive باور کرا جاتا ہے حالاں کہ وہ اس باب میں بھی پورے طور سے اعتدال پسند، محتاط اور صراط مستقیم پر مضبوطی کے ساتھ گامزن ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی اس اعتدال پسندی کو سمجھنے کے لیے اسلام کے چند اصولوں کی وضاحت ضروری ہے۔

قرآن حکیم کا ارشاد ہے:'' یاایھاالذین اٰمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ'' [البقرۃ:۲۰۸]

اے ایمان والو! اسلام میں پورے داخل ہو۔

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:'' محمد رسول اللّٰہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم'' [الفتح]

محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔

تیسری جگہ ارشاد ربانی ہے:'' اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم والا الضالین'' [الفاتحۃ:۷/۸]

ہم کو سیدھا راستہ چلا ان کا جن پر تو نے احسان کیا نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا [کنزالایمان]

ان تینوں آیات کریمہ کا مجموعی مفاد یہ ہے کہ اسلام اعتدال و استقامت بھرا اکہرا پن چاہتا ہے۔ اسلام سب کی رضا نہیں، اللہ اور رسول کی یکسو رضامندی کی طلب کا داعی ہے اور اکہری وابستگی کا تقاضہ کرتا ہے۔ اس کا لازمی اثر یہ ہے کہ جو عناصر، طبقات یا افکار

اسلام کے منافی یا متحاسب ہیں، ان سے یکسر کنارہ کش رہا جائے وہ بھی ان سے علاحدگی، بے زاری اور وحشت کے جذبات کے ساتھ۔

حدیث پاک: ''الحب فی اللّٰہ و البغض فی اللّٰہ''

میں اسی اعتدالی فکر اسلام کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ''غیر المغضوب علیھم والا الضالین'' اسی معتدل طرز فکر اعلامیہ ہے جس میں منعمین کی رفاقت اور مغضوبین سے علاحدگی اور وحشت کی عرضی لگائی جا رہی ہے اور یہی اس راہ اعتدال اور صراط مستقیم کی تشریح و تعبیر ہے جسے اسلام کہتے ہیں جو دین فطرت ہے، جو فکر معتدل ہے جس کی امتیازی شان وسطیت ہے۔ اسکی شان اعتدال کا تقاضہ ہے کہ خیر کا ساتھ دیا جائے اور شر کو کنارے لگا دیا جائے، انجام کی جانب آپ کا جائے اور غضب سے کوسوں دور رہا جائے، محمد یوں کے ساتھ نرم نرم برتاؤ رکھیں اور یارانہ اور دشمنان مصطفیٰ سے برسر پیکار رہیں اقبال کے لفظوں میں آؤ حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم۔ از حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن۔ خیر و شر کی یکجائی کیسے قابل قبول ہو سکتی ہے، خیر کو بھی اپنایا جائے اور شر سے بھی یارانہ کریں، مظلوم کا بھی ساتھ دیں اور ظالم کو بھی سراہیں، انجام کی بھی للک ہو اور غضب کی بھی چاہ کریں، یہ باتیں کیسے قرینے عقل ہو سکتی ہیں، نظام عدل اسے کیسے قبول کر سکتا ہے، عدل جو اعتدال کی روح ہے، وہ اس غیر متوازن راہ کیسے کر سکتا ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ اسی اسلامی وسطت، فکری اعتدال اور صراط مستقیم کے ترجمان ہیں اور یہ ترجمانی قرآن حکیم، سنت مصطفیٰ، اسوۂ صحابہ اور آثار بزرگاں سے مستفاد ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کو اسی دور میں اعتقادی سطح پر جن فتنوں کا سامنا رہا ان کا ایمانی جزبے کے ساتھ آپ نے خوب مقابلہ اجتناب فرمایا۔

اور دین مصطفیٰ کا یہ شفاف چہرے کو غبار آلود ہونے سے بچائے رکھا۔ اس ذیل میں آپ کے متعدد رسائل بے شمار پیش کرتا ہوں جن سے ملت کے تئیں آپ کا سوز دل، اخلاص قلب، فکری اعتدال، حزم و احتیاط اور مصلحانہ جذبوں کا خوب اندازہ ہوگا۔ تفصیل کے لئے ان دونوں رسالوں کا پوری توجہ سے مطالعہ کرنا چاہئے جس سے باب عقائد میں امام احمد رضا کی محتاط اور معتدل روش کا معیار اور پیٹرن pattern۔ سمجھ میں آجائے گا، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قرآن و حدیث کی روشنی میں معیار ایمان ذات مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا

کو ٹھہراتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

رسالہ مبارکہ، تمہید ایمان؛ کا آغاز ہی اسی نقط سے ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت رقم طراز ہیں: [سورہ احزاب کی ۲۳ ر ایں آیت نقل کرنے کے بعد] مسلمانو، دیکھو دین اسلام بھیجے، قرآن مجید اتارنے کا مقصد دو ہی تمہارا مولیٰ تبارک و تعالیٰ باتیں بتاتا ہے، اول یہ کہ اللہ و رسول پر ایمان لائیں۔ دوئم یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کریں۔

سوئم یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ مسلمانوں ان تینوں جلیل باتوں کی جمیل ترتیب تو دیکھو۔ سب میں پہلے ایمان کو فرمایا اور سب میں

پیچھے اپنی عبادت کو اور بیچ میں اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کو۔ اس لئے کہ بغیر ایمان تعظیم کار آمد نہیں۔ بہترے نصاریٰ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم اور حضور پر سے دفع اعتراضات کافران لئیم مین تصنیفیں کر چکے، لیکچر دے چکے مگر جب کہ ایمان نہ لائے، کچھ مفید نہیں کہ ظاہری تعظیم ہوئی، دل میں حضور اقدس صلیٰ اللہ علیہ وسلم کی سچی عظمت ہوئی تو ضرور ایمان لاتے پھر جب تک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی تعظیم نہ ہو عمر بھر عبادت الٰہی میں گزارے، سب بے کار و مردود ہے۔ بہتیرے جوگی اور راہب ترک دنیا کر کے اپنے طور پر ذکر و عبادت الٰہی مین عمر کاٹ دیتے ہین بلکہ ان مین بہت وہ ہیں کہ، لا الٰہ الا اللہ، کا ذکر سیکھتے اور ضربیں لگاتے ہیں مگر ازانجام محمد رسول اللہ صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم نہیں، کیا فائدہ، اصلاً قابل قبول بارگاہ الٰہی نہیں۔

مسلمانو؟ کہو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم مدار ایمان و مدار نجات و مدار قبول اعمال ہوئی یا نہیں؟ کہو ہوئی اور ضرور ہوئی [تمہید ایمان، ص ۲، ۷] اب جو اس معیار ایمان سے یکسر منحرف ہوتا ہے، اسے اسلام یکسر مسترد کر دیتا ہے اور اپنے دائرہ سے خارج اسی لئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری فرماتے ہیں ؎

وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

اسی فکر معتدل اور صراط مستقیم کی دعوت دیتے ہوئے اس کج آو طبقے کو بہت سوز دل کے ساتھ پکارتے ہیں؛

وہابی سماج! مسلمان بننا چاہتے ہو تو حضور پر نور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت دل کے اندر جماؤ، جو ان کی جناب عالم مآب میں گستاخی کرے اگر تمہارا باپ بھی ہو الگ ہو جاؤ، جگر کا ٹکڑا ہو دشمن بناؤ بہزاء زمانہ صد ہزار دل اس سے تبری کرو، محاشی کر، اس کے سایہ سے نفرت کرو، اس کے نام محبت پر لعنت کرو۔ ورنہ اگر دوسرا تمہیں اللہ ورسول سے زیادہ عزیز ہے تو اسلام کا نام لیے جاؤ، حقیقت اور چیز ہے۔

وائے بے انصافی اگر کوئی تمہارے باپ کو گالی دے تو اس کے خون کے پیاسے رہو، صورت دیکھنے کے روادار نہ ہو، بس پاؤ تو کچا نگل جاؤ، وہاں نہ تاویلیں نکالو، نہ سیدھی بات ہیر پھیر میں ڈالو اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت وہ کچھ سنورا آنکھ میلی نہ کرو، بلکہ اس کی امامت و دوستی کا دم بھرو، ولی جانو، امام مانو، جو اسے برا کہے الٹی اسی سے دشمنی ٹھانو، بدلگام کی بات میں سو سو طرح کے بیچ نکالو، رنگ رنگ کی تاویلیں ڈھالو، جیسے ہمیں اس کی بگڑی سنبھالو، اس کی حمایت میں عظمت مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پس پشت ڈالو، یہ کیا ایمان ہے، جیسا اسلام ہے، کیا اسلام اسی کا نام ہے [فتاویٰ رضویہ جدید، ج:ص: ۲۰۲ / ۲۰۳]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کا نورانی قلب، شفاف ذہن اور متعدد فکر، انھیں ان کے اظہار ہے میں بھی ہر مقام پر متوازن اور شفاف رکھتی ہے۔ وہ تنقید و رعاقب کے باب میں بھی دو اعتدال سے تجاوز نہیں کرتے تنقید کے ستر ہ اسلوب اپناتے ہین وہ حریفان سنیت پر کاری ضرب لگاتے ہیں، لیکن تنقید ملیح کے ساتھ، وہ نقد و نظر کے باب میں بھی کہیں سوقیانہ لب و لہجہ

نہیں اپناتے۔لفظوں کا برتاؤ تو ان کے یہاں شفاف اور اسلوب اس قدر پاکیزہ ہے کہ۔۔ع: وہ کہیں اور سنا کرے کوئی، کوثر وتسلیم میں دھلی ہوئی زبان امام احمد رضا کی شناخت ہے، خاص کر فضائل ومناقب کے باب میں آپ کی نثر ہو یا نظم، دونوں اردو کے معلیٰ کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ یہ آپ کے اسی فکری توازن، مزاج کی شفافیت، دل کے گزار اور لہجے کی نورانیت کا عکس جمیل ہے جو آپ کی ساری تحریروں میں اوراق حیات میں دھنگ کی مانند پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔

ایسے متوازن، محتاط اور معتدل فرد امت پر شدت پسندی اور بے جا داور گہر کا الزام کس قدر غلط ہے، یہ ہر صاحب فکر اور سنجیدہ ذہن رکھنے والا انسان محسوس کر سکتا ہے۔ یہ الزام حداصل ان حریفان سنیت کا دیا ہوا ہے جن کی غیر معتدل فکروں کا امام احمد رضا نے اسلامی تعقب اور دینی احتساب کیا ہے۔حریف جب دلائل کی جنگ ہار جاتا ہے تو الزام تراشی پر اتر آتا ہے، اس الزام بے جا اور ستم رانی پو خود امام احمد رضا نے احتجاز درج کیا ہے۔فرماتے ہیں اسمٰعیل دہلوی کو بھی جانے دیجیے۔یہی دشنامی لوگ جن کفر پر اب فتویٰ دیا ہے، جب تک ان کی صریح دشنامیوں پر اطلاع نہ تھی، مسئلہ امکان کذب کے باعث ان پر اٹھہتر [۷۸] وجہ سے لزوم کفر ثابت کر کے ''سبحان السبوح'' میں یہی لکھا کہ حاشا اللہ حاشا اللہ ہزار، ہزار حاش للہ میں ہرگز ان کی تکفیر پسند نہیں کرتا۔ان مقتدیوں یعنی مدعیان جدید کو تو ابھی تک مسلمان ہی جانتا ہوں اگر چہ ان کی بدعت وضلالت میں شک نہیں اور امام الطائفہ [اسماعیل دہلوی] کے کفر پر بھی حکم نہیں کرتا کہ ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہل لا الٰہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے جب وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہو جائے اور حکم اسلام کے لیے اصلاً کوئی ضعیف ساضعیف محمل بھی باقی نہ رہے فان الاسلام یعلو ولا یعلی

مسلمانو مسلمانو! تمہیں اپنا دین وایمان اور روز قیامت حضور بارگاہ رحمٰن یاد دلا کر استفسار ہے کہ جس بندۂ خدا کی دربارۂ تکفیر یہ شدید احتیاط یہ جلیل تصریحات، اس پر تکفیر تکفیر کا افترا کتنی بے حیائی، کیسا ظلم کتنی گھنونی ناپاک بات، مگر محمد رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اور جو کچھ فرماتے وقطعاحق فرماتے ہیں: اذالم تستحی فاصنع ماشئت، جب تجھے حیا نہ رہے تو جو چاہے کر۔۔

ع: بے حیاباش وآنچہ خواہی کن۔۔۔

الٰہی اسلامی بھائیوں کو قبول حق کی توفیق عطا فرما اور ضد ونفسانیت یا تیرے اور تیرے حبیب کے مقابل زید وعمرو کی حمایت سے بچا صدقہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وجاہت کا آمین آمین آمین [تمہید ایمان، ص: ۶۲/ ۶۴]

ایسے محتاط اور متوازن فکر رکھنے والے بزرگ مجدد کے تعارف مین ہمیں بھی وہی معتدل متوازن اور ہموار طرز اور شفاف لب ولہجہ اختیار کرنا چاہیے جو ہمارے امام کا خاصہ ہے۔ ہمارا بے ہنگم لہجہ اور غیر متوازانداز بھی غیروں یا یتیم غیروں کے لیے بہت شبہات پیدا کرتا ہے یا غیر کے پیدا کردہ شبہات کو تقویت دیتا ہے۔

ع: صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے۔

شہسرام
سابق استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور

امام احمد رضا فقاہت کا درشاہوار

مفتی قاضی فضل احمد مصباحی

علوم اسلامیہ میں فقہ کو جو مقام اور حیثیت حاصل ہے وہ آفتاب سے بھی زیادہ روشن اور واضح ہے اس لیے کہ یہ علم زندگی سے مربوط اور انسانی شب وروز سے متعلق اہم رشتہ ہے۔ بالفاظ دیگر اسلام کا نظام قانون بنیادی طور پر جن پاکیزہ عناصر سے مرکب ہے وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہیں اور یہی اسلامی شریعت کے مرکزی مصادر و مآخذ ہیں۔ فقہ کی جامعیت وافادیت مسلم ہے، اس کا دائرۂ عمل پیدائش سے لے کر میراث تک اور عقائد سے لے کر معاملات وسیاست وغیرہ امور تک محیط ہے بلکہ یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ فقہ طریقۂ زندگی کا رہنما ہے۔ اس لیے تاریخ کے ہر دور میں اس فن پر زمانہ کی بہترین اور اعلی ترین ذہانتیں صرف ہوتی رہیں۔

فقہ کی اہمیت وافادیت انسانی زندگی کے ایک ایک لمحہ سے عیاں ہے اور اس کا تفوق نہ صرف یہ کہ دیگر علوم اسلامیہ پر ہی ہے بلکہ اس کا مقام ومرتبہ عبادت سے بھی بڑھ کر ہے۔ جیسا کہ حدیث نبوی میں ہے: ”فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد“ [مشکوٰۃ المصابیح]

ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد کے زیادہ بھاری ہے۔

یوں تو بہت سے فقہی مکاتب وجود میں آئے لیکن مستقل حیثیت ان میں سے چار ہی کو حیثیت حاصل رہی اور آج پوری دنیا میں انہیں چار ائمہ کے مقلدین پائے جاتے ہیں، ان میں بھی اولیت فقہ حنفی کو حاصل ہے۔ کیونکہ دوسرے ائمہ ومجتہدین اور ان کے اجتہاد کو بھی امام اعظم ابوحنیفہ کے اجتہاد ہی کا ایک حصہ کہا جا سکتا ہے۔

فقہ وفتاوی میں امام احمد رضا کی مہارت:

ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے زوال اور سامراجی طاقتوں کے غلبہ وتسلط کے بعد فقہ وفتاوی کا کام دینی مدارس اور ان سے متعلق علما انجام دیتے رہے۔ ماضی قریب میں فقہ وفتاوی کے سلسلہ میں مدارس اسلامیہ کے پروردہ علما مفتیان کرام مثلاً علامہ نقی علی خاں، علامہ فضل رسول بدایونی، علامہ عبدالقادر بدایونی، امام احمد رضا فاضل بریلوی، حجۃ الاسلام حامد رضا بریلوی، صدر الشریعہ علامہ امجد علی، مفتی اعظم ہند علامہ مصطفی رضا بریلوی، ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری وغیرہم نے عظیم خدمات انجام دیں۔ اور ان حضرات کے فقہ وفتاوی نے مسلمانان عالم برصغیر بلکہ عالم اسلام تک کو فائدہ پہونچایا۔ خصوصیت کے ساتھ امام احمد رضا قدس سرہ کے فتاوی عالمگیر شہرت کے حامل ہیں ۔ گزشتہ دو تین صدی سے عالم اسلام میں ایسا کوئی فقیہ نظر نہیں آتا جو امام احمد رضا قدس سرہ کے فقہ وفتاوی کی نظیر بن سکے۔

فقہ وفتاوی میں امام احمد رضا کی غیر معمولی خدمات:

فقہ وفتاوی میں امام احمد رضا قدس سرہ کی خدمات اس قدر وسیع ہیں کہ ان کے صحیح تجزیہ کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ فتاوی رضویہ ہی کو لے لیجئے یہ درحقیقت فقہ حنفی کے مطابق جاری کردہ ہزاروں فتاوی جات کا مجموعہ ہے۔ اس علمی اور فقہی ذخیرہ کو فقہ حنفی کا انسائکلو پیڈیا کہا جاتا ہے۔ اس کا پورا نام ''العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ'' ہے۔ یہ غواص بحر فقہ کے لیے آکسیجن کا کام دیتا ہے۔ جدید ترتیب کے حساب سے ۳۰ جلدیں ہیں۔ اور جہاں تک میری معلومات ہے اس کی روشنی میں اردو زبان میں دنیا کے ضخیم ترین فتاوی ہیں جو تقریبا بائیس ہزار صفحات پر چھ ہزار آٹھ سو سینتالیس سوالوں کا جوابات اور دو سو چھ رسائل پر مشتمل ہیں جب کہ ہزار ہا مسائل ضمناً زیر بحث آئی ہیں۔ ہر فتوی میں دلائل کا سمند موجزن ہے۔ قرآن وحدیث، فقہ واصول فقہ، منطق وکلام میں آپ کی وسعت نظری کا اندازہ آپ کے فتاوی کے مطالعہ سے بخوبی ہوجاتا ہے۔

حاشیہ جد الممتار جو علامہ ابن عابدین شامی کی کتاب رد المحتار پر ہے۔ یہ بھی امام احمد رضا قدس سرہ کا ایک عظیم علمی شاہکار ہے۔

امام احمد رضا کی فقہی بصیرت اور علمی جولانیت اور فنی مہارت کا اعتراف اپنوں کے ساتھ غیروں نے بھی کیا ہے جس سے یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ آپ اپنے وقت میں فقہ وفتاوی کے امام اور مرجع خواص وعوام تھے۔ برصغیر کے ممتاز حنفی مذہبی اسکالر اور مورخ مولانا کوثر نیازی امام احمد رضا قدس سرہ کو امام ابوحنیفہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:''فقہ حنفی میں دو کتابیں مستند ترین ہیں ان میں ایک فتاوی عالمگیریہ ہے جو دراصل چالیس علما کی مشترکہ خدمت ہے۔ جنھوں نے فقہ حنفی کا ایک جامع مجموعہ ترتیب دیا۔ دوسرا ''فتاوی رضویہ'' ہے جس کی انفرادیت یہ ہے کہ جو کام چالیس علمانے مل کر انجام دیا وہ اس مرد مجاہد نے تن تنہا کر کے دکھایا اور یہ مجموعہ ''فتاوی رضویہ'' فتاوی عالمگیریہ سے زیادہ جامع ہے۔ اور میں نے آپ کو امام ابوحنیفہ ثانی کہا ہے تو وہ صرف محبت یا عقیدت میں نہیں بلکہ فتاوی رضویہ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات کہہ رہا ہوں کہ آپ اس دور کے امام ابوحنیفہ ہیں''۔ [امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۳ء منعقد اسلام آباد میں خطاب کیا]

امام احمد رضا قدس سرہ کی شخصیت عالم اسلام میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ فقہ حنفی اور عال اسلام کے لیے ان کی علمی خدمات آسمان علم وفن کی فضاؤں میں بادل بن کر چھائی ہوئی ہے۔ امام ممدوح نے اپنی پوری زندگی عقائد اسلام اور ناموس رسالت کی پہرہ داری میں گزاری۔ ان کا قلم تا م اعتقادی فتنوں کا تعاقب کرتا رہا اسلام کی عزت وحرمت کے مقابل وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ان کے بے لاگ فتاویٰ اور علمی تنقید آفت ان کی غیرت ایمانی اور عشق رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا مظہر ہے۔ جس کا اعتراف آپ کے مخالفین نے بھی کیا ہے۔

فقہ میں قواعد کی بڑی اہمیت ہے اور فقیہ کو جس قدر ان قواعد کا احاطہ ہوگا اسی قدر اس کی فقاہت مسلم ہوگی اور جزئی وفرعی مسائل کا حکم بیان کرنے میں اسی قدر آسانی ہوگی۔ علامہ ابن نجیم مصری حنفی رقم طراز ہیں:''معرفۃ القواعد لتی تردد الیھا وفرعو الاحکام علیھا وھی اصول الفقہ فی الحقیقۃ وبھا یرتقی الفقیہ الی درجۃ الاجتھاد ولو فی الفتوی''[الاشباہ والنظائر مع الحموی

ص:۴۹۷]

ان قواعد کی معرفت جن کی طرف جزئیات لوٹائے جاتے ہیں اور احکام انہیں پر متفرع ہوتے ہیں یہ دراصل فقہ کے اصول ہیں اور انہی کے ذریعہ فقیہ درجۂ اجتہاد پر فائز ہوتا ہے اگرچہ فتوی میں ہو۔

امام احمد رضا قدس سرہ اپنے فتاوی میں عموما پہلے قواعد اصول ذکر کرتے ہیں پھر اس کے تحت جزئیات کثیرہ پیش کرتے ہیں۔ ان سب کے شواہد امام ممدوح کے فتاوی میں بکثرت ملیں گے۔ فتاوی رضویہ سے کچھ شواہد درج ذیل ہیں۔

لا طاعة لاحد فی معصیة اللّٰہ:

اللہ کی معصیت میں کسی کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ سے سوال ہوا کہ ایک شخص کا باپ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔ زنا، چوری، داڑھی منڈانا، وغیرہ فسق میں مبتلا ہے۔ لڑکا اپنے باپ سے معصیت سے باز رہنے کی تلقین کرتا ہے اور وہ باز نہیں آتا۔ ایسی صورت میں باپ کی اطاعت کی جائے گی یا نہیں؟ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: ''اطاعت والدین جائز باتوں میں فرض ہے اگرچہ وہ خود مرتکب کبیرہ ہوں، ان کے کبیرہ کا وبال ان پر ہے۔ ان کے سبب یہ امور جائز ہیں ان کی اطاعت سے باہر نہیں ہوسکتا۔ ہاں اگر وہ کسی ناجائز بات کا حکم کریں تو اس میں ان کی اطاعت جائز نہیں ''لا طاعة لاحد فی معصیة اللّٰہ'' ماں باپ اگر گناہ کرتے ہوں ان سے بہ نرمی وادب گزارش کرے اگر مان لیں بہتر ورنہ سختی نہیں کرسکتا بلکہ غیبت میں ان کے لیے دعا کرے''۔ [فتاوی رضویہ جلد نہم نصف آخر ص: ۹۵،۹۶]

الاحکام تبنی علی الغالب ولا یعتبر النادر:

حکم شرعی کی بنا غالب احوال پر ہوتی ہے۔ نادر کا اعتبار نہیں ہوتا۔ ایسا یتیم خانہ جس میں وہابی، دیوبندی، رافضی سب منظم ہیں۔ سنی مسلمانوں کو اس یتیم خانہ میں شمولیت جائز ہے یا نہیں؟ اس یتیم خانہ میں زکوۃ کی رقم صرف کرنے سے زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اس سوال کے جواب میں امام احمد رضا قدس سرہ رقمطراز ہیں: ''اس میں احتمالا دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ یتیموں کی تعلیم وتربیت کا تمام انتظام صرف اہل سنت کے ہاتھوں میں رہے۔ کسی بدمذہب کا اس میں دخل نہ ہو نہ ان کی صحبت بچوں کو رہے کہ وہ انہیں اغوا کرسکیں۔ صرف بالائی باتوں میں ان کی شرکت ہو، دوسرے یہ کہ ان امور میں بھی انہیں مداخلت دی جائے یا کم از کم صحبت بد رہے جس سے بچوں کی گمرہی کا مظنہ ہو۔ صعرت ثانیہ تو مطلقا قطعا حرام وبدخواہی اسلام ہے اور اس میں چندہ دینا موجب عذاب وآثام اور صورت اولی شاید ایک محض خیالی ہو، واقع کبھی نہ ہو کہ جب وہ برابر کے شریک ہیں، ہر کام میں برابر کی شرکت چاہیں گے کیا وجہ ہے کہ وہ نرے غلام بن کر رہنے پر راضی ہوں اور بفرض باطل اگر ایسا بھی ہو تو ان کی صحبت بد سے کیوں کر مفر، اور علما تصریح فرماتے ہیں ''ان الاحکام تبنی علی الغالب ولا یعتبر النادر فضلا عن الموهوم''۔ [فتاوی رضویہ جلد نہم نصف آخر ص: ۹۶،۹۷]

درء المفاسد اهم من جلب المصالح:

مفاسد کو دور کرنا مصالح کی تحصیل سے اہم ہے۔ جب امام فاسق وفاجر ہو اور کوئی دوسرا امامت کے قابل نہیں تو فاسق کے

پیچھے نماز پڑھے گا یا تنہا نماز پڑھے گا؟ اس سوال کے جواب میں امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں۔: ''اگر علانیہ فسق وفجور کرتا ہے اور دوسرا کوئی امامت کے قابل نہ مل سکے تو تنہا نماز پڑھیں۔ ''فان تقدیم الناس اثم والاصلوٰۃ خلفہ مکروۃ تحریما والجماعۃ واجبۃ فھمافی درجۃ واحدۃ ودرءالمفاسداھم من جلب المصالح''[فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۲۵۳]

ماحرم فعلہ حرم التفریح علیہ:

جس کا کام کرنا حرام ہے اس پر تماشائی بننا بھی حرام ہے۔

جو شخص مروجہ تعزیہ داری دیکھنا جائز سمجھتا ہے بچوں کو بھی تماشہ کے خیال سے دکھاتا ہے اور بغرض تفریح بچوں کے ساتھ جاتا ہے، ایسے شخص کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟ اور بچوں کو تماشائی بنانا درست ہے یا نہیں؟۔ امام احمد رضا قدس سرہ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

''تخت، علم، تعزئے وغیرہ سب ناجائز ہیں اور ناجائز کام کو بطور تماشہ دیکھنا بھی حرام ''لان ماحرم فعلہ حرم التفرح علیہ'' اور بچوں کو دکھانے کا گناہ بھی اس پر ہے کمافی الاشباہ وغیرھا''[فتاویٰ رضویہ، ج: نہم نصف آخر، ص:۳۵]

الامور بمقاصدھا:

امور شرع مقاصد ہی کے متعین ہوتے ہیں۔ اگر مقصد صحیح ہے تو جائز ورنہ ناجائز۔

مساجد کی دیواورں میں کتابت قرآن کریم کا کہیں کہیں رواج ہے۔ لیکن اگر قرآن کریم کی آیتیں اتنی نیچے ہوں کہ خطیب کے خطبہ کہتے وقت آیات قرآنیہ نیچے ہوجاتی ہیں تو بے ادبی سے بچنے کے لیے سمینٹ وغیرہ سے چھپادیں تو شرعا کوئی حرج ہے یا نہیں؟ اس تعلق سے امام احمد رضا قدس سرہ راقم ہیں:

''دیواروں پر کتابت قرآن عظیم میں رجحان جانب ممانعت ہے اور اگر منبر پر کھڑے ہونے میں اس طرف امام کی پیٹھ ہوتی ہے تو ضرور خلاف ادب ہے اور اگر پاؤں یا مجلس سے بلا سائر نیچے ہیں تو اور زیادہ سوء ادب ہے۔ ان حالتوں میں ان کا سمینٹ یا چونے کسی پاک چیز سے بند کردینا حرج نہیں رکھتا بلکہ بہ نیت ادب محمود ہے اور اگر نہ نیچے ہیں نہ پیچھے جب بھی اگر اس قول راجح کے لحاظ سے یا اس لئے کہ محراب میں کوئی شئی شاغل نظر نہ ہونی چاہیئے بند کرنے میں حرج معلوم نہیں ہوتا۔''فان الامور بمقاصدھا وانما لکل امرئ مانوی''[فتاویٰ رضویہ، ج: نہم نصف آخر، ص:۷۳]

ماحرم اخذہ حرم اعطاہ:

جس چیز کا لینا حرام اس کا دینا بھی حرام۔

تبرکات شریفہ کی زیارت کرانے والے اگر اس کے عوض میں کچھ اجرت مانگیں یا اجرت لینا دینا مشہور ومعروف ہو تو زیارت پر اجرت یا نذر لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس سوال کے جواب میں فقیہ اعظم امام احمد رضا خان قدسرہ رقم طراز ہیں:

''اگر کسی بندۂ خدا کے پاس کچھ آثار شریفہ ہوں اور وہ انھیں بہ تعظیم اپنے مکان میں رکھے اور جو مسلمان اس کی درخواست

کرے محض لوجہ اللہ اسے زیارت کرادیا کرے کبھی کسی نذرانہ کی تمنا نہ رکھے، پھر اگر وہ آسودہ حال نہیں اور کوئی مسلمان بطور خود قلیل یا کثیر بنظر اعانت اسے کچھ دے تو اس کے لے لینے میں اس کو کچھ حرج نہیں باقی گشتی صاحبوں کو عموما اور مقامی صاحبوں میں خاص ان کو جو اس امر پر اخذ نذور کے ساتھ معروف ومشہور ہیں شرعا جواز کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی مگر ایک وہ کہ خدائے تعالیٰ ان کو توفیق دے، نیت اپنی درست کریں اور اس شرط عرفی کے رد کے لئے صراحۃ اعلان کے ساتھ ہر جلسے میں کہہ دیا کریں کہ مسلمانو! یہ آثار شریفہ تمھارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا فلاں ولی معزز ومکرم کے ہیں کہ محض خالصا لوجہ اللہ تعالیٰ تمھیں ان کی زیارت کرائی جاتی ہے ہرگز ہرگز کوئی بدلہ یا معاوضہ مطلوب نہیں، اس کے بعد اگر مسلمان کچھ نذر کریں تو اسے قبول کرنے میں کچھ حرج نہ ہوگا، فتاوی قاضی خاں وغیرہ میں ہے:''ان الصریح یفوق الدلالۃ'' اور اگر زیارت کرانے والوں کو اس کی توفیق نہ ہو تو زیارت کرنے والوں کو چاہئے خود ان سے صاف صراحۃ کہہ دے کہ نذر کچھ نہیں دی جائے گی خالصا لوجہ اللہ اگر آپ زیارت کراتے ہیں کرائے اس پر اگر وہ صاحب نہ مانیں ہرگز زیارت نہ کرے کہ زیارت ایک مستحب ہے اور یہ لین دین حرام، کسی مستحب شئی کے حاصل کرنے کے واسطے حرام کو اختیار نہیں کرسکتے، الاشباہ والنظائر وغیرہا میں ہے:''ماحرم اخذہ حرم اعطاؤہ'' [فتاویٰ رضویہ، ج: نہم نصف آخر، ص: ۳،۴]

الضرورات تبیح المحظورات:

ضرورتیں ممنوع کو جائز کردیتی ہیں۔

مسجد میں نماز سے فراغت کے بعد مصافحہ تو جائز ومستحسن ہے مگر پاؤں پڑنا اور پاؤں کو بوسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اس سوال کے جواب میں امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

''پاؤں پڑنا بایں معنی کہ پاؤں پر سر رکھنا ممنوع ہے۔ اور پاؤں کو بوسہ دینا اگر کسی معظم دینی کی تعظیم دینے کے لئے ہو تو جائز بلکہ سنت ہے، احادیث کثیرہ اس پر ناطق ہیں ''کمابیناھا فی فتاونا'' اور اگر کسی مالدار کی دنیوی تعظیم کے لئے ہو تو مطلقاً ناجائز ہے۔ فی الملتقط والھندیۃ والدر وغیرھا التواضع لغیر اللّٰہ تعالٰی حرام۔ مگر جب کہ صحیح مجبوری شرعی ہو کہ اس کے ترک میں ضرر پہنچنے کا صحیح اندیشہ ہو تو اپنے بچاؤ کے لئے اجازت ہوگی ''فان الضرورات تبیح المحظورات'' مگر قلب میں اس کی کراہت رکھنا لازم ہے'' [فتاویٰ رضویہ، ج: نہم نصف آخر، ص: ٦٩]

اس طرح کے بے شمار فقہی شواہد ہیں جن میں امام احمد رضا قدس سرہ نے قواعد شرعیہ کی روشنی میں مسائل فقہیہ کا استخراج کیا ہے بطور نمونہ یہ چند مثالیں ہیں۔ اس طرح کے فقہی نکات سے امام ممدوح کا فقہی مجموعہ بھرا ہوا ہے جس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہ صرف ایک فقہی نہیں بلکہ درشہوار بھی ہیں۔

بنارس، یوپی

حسان الہند اوران کی شاعری

مولانا شاکر اصغر رضوی پورنوی

اپنی لیاقت، اپنی صلاحیت اور اپنی بساط کے مطابق پہلے کسی معزز ہستی، محترم شخصیت اور مبارک ذات کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔خواہ فہم وادراک عاجز آجائے یا فکر ونظر حیران ہوجائے۔تب جاکے صفات پر توجہ مرکوز کرنی چاہئے۔حسان العرب کی داستان عشق ہے تو عرب وعجم کا کوچہ کوچہ واقف ہے۔مگر حسان الہند کی حکایت عشق سے بہت سے کوچے ابھی تک نابلد ہیں۔

حسان الہند کی ذات۔آپ ہندوستان کے مشہور شہر بریلی یوپی میں ۱۵ر شوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴رجون ۱۸۵۶ء بروز شنبہ بوقت ظہر۔وقت کے مایۂ ناز عالم دین حضور مفتی نقی علی خان ابن عارف شاہ رضا علی خان علیہما الرحمہ کے گھر پیدا ہوئے۔آپ کا نام نامی اسم گرامی عبدالمصطفٰی محمد احمد رضا اور تاریخی نام المختار تجویز ہوا۔آپ کے آباواجداد قندھار کے قبیلہ بڑھیچ کے پٹھان تھے۔وہاں سے منتقل ہوکر لاہور۔دہلی ہوتے ہوئے۔بریلی آکر بس گئے۔آقائے کائنات روحی وجسدی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول کے مطابق کہ: ان اللہ یبعث لھذہ الامت علی رائس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھادینھا۔

بے شک اللہ عزوجل اس امت کیلئے ہر صدی کے اختتام پر ایسا شخص بھیجے گا جو امت کیلئے اس کا دین تازہ کرے گا (مشکوۃ شریف)۔

آپ چودھویں صدی ہجری کے مجدد اعظم ہوئے۔اوراس کا اعلان سب سے پہلے مشہور زمن علامہ عبدالمقتدر بدایونی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔

حسان الہند کے صفات:

حسان الہند۔جس نے ۸رسال کی عمر میں ہدایۃ النحو کی شرح تصنیف فرمائی، جس نے ۱۵رسال کی عمر میں مسلم شریف پر حاشیہ چڑھایا، جس نے ۱۴رسال کی عمر میں دستار فضیلت حاصل کی اور اُسی سال سے فتویٰ نویسی شروع فرمادی، جس نے مرزا غلام قادر بیگ، مولانا عبدالعلی رام پوری، سید شاہ ابوالحسین نوری مارہروی اور اپنے والد ماجد علامہ مفتی نقی علی خان (علیہم الرحمہ) سے شرف تعلیم حاصل کیا اور جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ پر کامل مہارت حاصل کرلی، جس نے پچاس سے زائد علم وفنون پر تقریباً ایک ہزار کتابیں تصنیف فرماکر امت مرحومہ کو عطا فرمادیں، خاص کر الدولۃ المکیہ۔حسام الحرمین اور فتوی رضویہ تو اہل سنت وجماعت کو ایک انمول دولت لازوال کے طور پر عنایت فرمایا۔

ہاں وہ حسان الہند:

جس نے علوم وفنون کا بحر ذخار بن کر موجوں کو بھی ساحل سے سر پھوڑنے پر مجبور کردیا، جس نے ایمان وعقیدہ پر شبخون

مارنے والوں کا پنجہ مروڑ کر رکھ دیا، جس نے زبان کی بے لگاموں کو بھی لگام دی اور قلم کی آوارگی کو بھی قید کیا، جس نے اپنی فولادی طاقت سے وقت کے ابلیسوں کے چھکے چھڑا دیئے، جس نے اپنے ہاتھ کے ہتھوڑے سے عفاریت زمانہ کے دندان توڑ ڈالے، جس کے انقلابی نعروں سے راتیں بھی دھواں دھواں رہیں اور صبحوں کے چہرے بھی اُترے اُترے رہے، جس نے دل عشاق کی دھڑکنوں کو عشق کی آنچ لگا کر تیز کر دیا۔ جس نے سنتوں کے بجھے چراغوں کو پھر سے روشن کر دیا، جس نے زندگی کو جینے کا سلیقہ سکھایا اور سلیقہ کو بھی شعور و آگہی بخشی، جس نے جہان وفا میں عشق کے انگاروں پر لپٹنا اور عشق کے شعلوں کی چادر اوڑھنا سکھایا، جس نے رضائے مولی کی خاطر ایمان کی قربانگاہ پر نقد جان و دل پیش کرنے کا جذبہ عطا فرمایا، جس نے حرمت محبوب کی دیکھ ریکھ میں دلوں کے چین اور راتوں کی میٹھی نیندیں تک تج دینے کا روحانی جوش عنایت فرمایا۔ دراصل احمد رضا نام ہے سرور کونین کی سچی محبت کا، والہانہ شیفتگی کا، رنگین دوانگی کا، کیفیت مسلسل کا، ایک جذبہ بے اختیار کا، ایک مکتبہ فکر کا، ایک ہمہ گیر تحریک کا، ایک عظیم انجمن علم وفن کا۔

ناظرین سوچتے ہونگے کہ بات حسان الہند کی ہے تو کلام حسن زبان و بیان پر ہونا چاہئے، کہ جذبۂ مجاہدانہ پر مزاج قلندرانہ پر ہمت مناظرانہ پر اور جرأت عالمانہ پر۔ میں کہوں گا یہی تو میرا اصلی مدعا ہے کہ میرے حسان الہند اپنے سینے میں جو سوز دروں رکھتے ہیں۔ اپنے دل و دماغ میں مقدس جزبات رکھتے ہیں، اپنی فکر و نظر میں جو پاس شریعت رکھتے ہیں وہ کسی اور کے پاس نہیں یہی وجہ ہے کہ چرخ تخیلات میں ہزاروں پرندے اڑتے ہیں مگر آپ توجہ صرف انہیں پرندوں پر ڈالتے ہیں جو آداب شرعی کے مطابق اڑان بھرتے ہیں۔ اور جو ایسا نہیں کرتے وہ تو پھنس گئے الجھ گئے، دھوکا کھا گئے اور برباد ہو گئے۔

کہا جاتا ہے (الشعراء کذاب والشعر من مزامیر الشیطان) شعرا جھوٹے ہیں اور شعر شیطان کے باجوں میں سے ایک باجہ ہے۔ شعراء زبان و قلم کی آزادی اور دین و فکر کی آوارگی پر راہ حق سے بھٹک جاتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسانیت و مذہبیت کو خطرناک ناسور لگ جاتا ہے۔ شاعری یقینا ایک ادق فن ہے اور اس کی سنگلاخ زمینوں پر چلنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ یہ وہ نازک رہ گزر ہے کہ ذرا آگے بڑھے تو خطرہ پیچھے ہٹے تو خطرہ۔ اور فن شاعری میں نعت گوئی کو سب سے اہم مسئلہ ہے۔ راہ نعت گوئی کی پگڈنڈیوں پر صحیح طور سے وہی چل پاتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوتا ہے، جس پر انبیا اولیا کے فیوض و برکات اترتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں دنیا کا اصلی سچ اور جھوٹ یعنی اصلی نقلی چہرہ پہچاننے کا یہ ایک کارگر زاویہ ہے۔ مثلا کوئی کہتا ہے۔ ''میں یہاں ہوں میرا دل مدینے میں ہے'' تو اگر واقعی اس کا دل مدینے میں ہے تو سچا ہے ورنہ سب سے بڑا جھوٹا ہے۔ اس میں کوئی دورائے نہیں کہ میرے حسان الہند رب ذوالجلال کی بارگاہ کے انعام یافتہ ہیں۔ جو بولتے ہیں سچ بولتے ہیں۔

ارے اے خدا کے بندوں کوئی میرے دل کو ڈھونڈو
میرے پاس تھا ابھی تو ابھی کیا ہوا خدایا ۔۔ نہ کوئی گیا نہ آیا۔ نہ کوئی گیا نہ آیا
ہمیں اے رضا تیرے دل کا پتا چلا بمشکل
در روضہ کے مقابل وہ ہمیں نظر تو آیا ۔۔ یہ نہ پوچھ کیسا پایا۔ یہ نہ پوچھ کیسا پایا

میں پھر سے کہتا ہوں کی یہ انعام حسان الہند امام احمد رضا کو اس لئے ملا کہ تا حد نظر خوب صورت الفاظ ایمان سوز پریاں بن کر جھلملانے لگتے ہیں مگر آپ انہیں جلال نگاہ سے خاکستر کر دیتے ہیں اور انہیں الفاظ کو انتخاب میں لاتے ہیں جو بارگاہ شریعت میں دست بستہ غلام بن کر ادب سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محفوظ بے جا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

حسان الہند امام احمد رضا کی یہی امتیازی شان ہے اس لئے آپ فرماتے ہیں۔

یہی کہتی ہے بلبل باغ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں نہیں ہند میں واصف شاہ ہدی مجھے شوخئ طبع رضا کی قسم

جی ہاں خوب سمجھئے۔ سنبھل کر میکدے میں پاؤں رکھنا شیخ جی صاحب۔ یہاں پگھڑی اچلتی ہے اسی میخانہ کہتے ہیں۔

جو نہ سنبھل سکے اس کا حال دیکھئے

کبھی اپنوں سے کبھی غیروں سے شناسائی ہے بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہرجائی ہے (اقبال)

ہرجائی شان الوہیت کے منافی

سیماب کس نے عرش سے آواز دی مجھے کہہ دو کہ انتظار کرے آ رہا ہوں میں (سیماب)

انتظار کرے۔ الوہیت پر تحکم

میر کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو کہ اس نے قشقہ کھینچا دہر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا (میر تقی میر)

ترک اسلام۔ مذہب سے بیزاری

جس میں لاکھوں برس کی حوریں ہوں ایسی جنت کو کیا کرے کوئی (غالب)

ایسی جنت۔ جنت اور حوران جنت کی تحقیر

ذات احمد تھی یا خدا تھا سایہ کیا میم تک جدا تھا (محسن کاکوری)

سایہ کیا میم۔ ذات نبی میں حلول خدا

ایک فرصت گناہ ملی وہ بھی چار دن دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگار کے۔ (فیض احمد فیض)

حوصلے پروردگار کے۔ قدرت خداوندی پر حرف

اللہ رے گمرہی بت و بت خانہ چھوڑ کر مومن چلا ہے کعبے کو ایک پارسا کے ساتھ (مومن)

بت خانے چھوڑ کر۔ کعبہ کے مقابل بت خانہ کی تعظیم

امام احمد رضا حسان الہند اس لئے ہیں کہ آپ کی زبان کوثر کی دھلی ہوئی زبان ہے۔ قلب غمزدہ کے واردات اور جان سوختہ کے کیفیات کو اس فصاحت و بلاغت اور حلاوت و ملاحت کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں کہ ان پر ہمیشہ تازگی ہی تازگی اور شگفتگی ہی شگفتگی

رہتی ہے اسی بنا پر آپ کے کلام کو امام الکلام کہا جاتا ہے۔نعت گوئی میں انہوں نے قرآن کریم کی عطر بیزی کی ہے۔کلام خدا اور فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گل و یاسمین کی خوشبو بسائی ہے۔اس کے علاوہ دوسرے فنون کے جوہر پارے اس طرح سجائے ہیں کہ اہل فن داد و تحسین کے بغیر نہیں رہ سکتے حالانکہ نعت جیسا سنجیدہ فن ایسے ادق مضامین کی متحمل نہیں ہوتا مگر امام احمد رضا کی فکر و آگہی نے گویا پتھروں میں پھول کھلائے ہیں اور ریگستان میں گل ونسرین کا گلشن سجایا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ فاضل بریلوی کا قلم سنگلاخ زمینوں میں پھول اگاتا ہے۔ان کا ذہن بے پناہ اندھیروں سے روشنی کی کرن ڈھونڈ لاتا ہے اور ان کی فکری بصیرت جدید نسلوں کو باریک بینی، وسعت نظری اور عقیدت و محبت کی دعوت دیتی ہے۔وقت کے تنگ و تاریک گوشے میں نئے آہنگ۔نیا مزاج،عزم و حوصلہ اور شرعی پاس کا احساس دلاتی ہے۔شعر بھی ہو اور پاس شرع بھی،حسن خیال بھی،حسن بیان بھی،غرض کہ متنوع اور رنگارنگی کا حسین گلدستہ ہو۔یہ پیکر عشق و محبت آستانہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح مزاج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں (شخص وعکس)

''فاضل بریلوی اپنے علم وفن میں امامت کا درجہ رکھتے ہیں ان کا علمی ادراک سمندر کی گہرائی اور وسعت صحرا لئے ہوئے ہے۔انہیں الفاظ و معانی پر حاکمانہ قدرت اور زبان و بیان پر انہیں کی حکمرانی ہے۔الفاظ کی نبض پر ان کا ہاتھ رہتا ہے اور معانی کی دھڑکنوں پر انکی انگلی۔بندش الفاظ میں قدرت اور ترکیب میں اچھوتا پن اور معانی میں کمال حسن''۔(شخص وعکس)

فاضل بریلوی نے اپنے محبوب و معشوق کی بارگاہ بےکس پناہ میں جو نذرانہ سلام پیش کیا ہے۔وہ کائنات عشق و وفا کا سب سے بڑا سرمایہ ہے''بہر کیف یہ سلام جو عالم تنہائی میں پڑھا جاتا ہے اور روحانی کیف و سرور کی محفل سجائی جاتی ہے مذہبی تقریبات میں پڑھا سنا جاتا ہے۔اور اہل عقیدت جھومنے لگتے ہیں۔مسلم ممالک کے نشریہ پر سنا جاتا ہے اور وجد کی کیفیت طاری ہونے لگتی ہے حتی کہ آج سلام کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ بین الاقوامی فضاؤں میں اس کا نغمہ رچا بسا ہے۔ہر عقیدت مند پڑھتا ہے اور مستی میں جھومتا ہے ہر صاحب شوق سنتا ہے اور کیف و مستی کے سمندر میں ڈوب جاتا ہے یہ امام احمد رضا خان قدس سرہ کی وارفتگی شوق کی خوشبو ہے جو فضاؤں میں پھیلی ہوئی ہے یہ عشق رسول کی حلاوت ہے جو دلوں میں رس گھول رہی ہے یہ ایمان وعرفان کا پاکیزہ گلدستہ ہے جو جذبات واحساسات کو لالہ زار بنا رہا ہے امام احمد رضا فاضل بریلوی کا یہ خراج سلام ۱۷۱ اشعار پر مشتمل ہے اس طوالت کے باوجود گرمی زبان و بیان میں فرق محسوس نہیں ہوتا۔غرض کہ یہ سلام ان گنت خوبیوں اور اداؤں کا ایک حسین ولطیف مرقع ہے فاضل بریلوی کے اس انداز و بیان کی ندرت پر سہل ممتنع کا گمان ہوتا ہے اس سلام کا مطلع۔مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' کی ترکیب اتنی خوبصورت اور اچھوتی ہے کہ شاعر اپنے دیوان کو اس مصرع پر نذر کر سکتا ہے''۔شخص وعکس۔

حسان الہند فاضل بریلوی نے اپنے کلام کو ہزلیات ولغویات سے مکمل پاک رکھا ہے گلشن شعر وسخن کی ہر ہر ڈالی پر نظر ڈالی ہے۔آپ کے دل میں جب عشق رسول کا سمندر موجزن ہوتا ہے تو آنکھوں سے پھوٹتے آبشاروں کو نغمہ وترنم عطا ہوتا ہے۔

جان ہے عشق مصطفی روزفزوں کرے خدا جسکو ہو دردکا مزا ناز دوا ٹھائے کیوں
اے عشق ترے صدقے جلنے سے چھٹے سستے جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگا ئی ہے

آپ نے دامن شریعت کومضبوطی سے تھام کرشعروسخن کے تمام اوصاف میں طبع آزمائی فرمائی ہے۔

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نورکا صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نورکا ---قصیدہ
اے رضاوصف رخ پاک سنانے کے لئے نذردیتے ہیں چمن مرغ غزل خواں ہم کو ---غزل
اللہ کی سرتابقدم شان ہیں یہ انسانہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن توایمان بتاتاہےانہیں ایمان یہ کہتاہےمری جان ہیں یہ ---رباعی
تراقدم مبارک گلبن رحمت کی ڈالی تجھے بوکر بنااللہ نے رحمت کی ڈالی ہے
جوگدادیکھو لئے جاتاہےتوڑانورکا نورکی سرکار ہے کیااس میں توڑانورکا ---تجنیس مماثل

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا		ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستا بتایا ، تجھے حمد ہے خدا یا	مستزاد
وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں		یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے دھواں نہیں	صنعت طباق وتضاد
لم یات نظیرک فی نظرمثل تونہ شد پیدا جانا		جگ راج کوتاج توڑے سرسو ہے تجھے شہہ دوسرا جانا	صنعت تلمیع
فرشتے حذم ،رسول ہشم ،تمام امم ، غلام کرم		وجودوعدم حدوث وقدم جہاں میں عیاں تمہارے لئے	تنسیق الصفات
دندان ولب وزلف ورخ شہہ کے فدائی		ہیں در عدن لعل یمن مشک ختن پھول	لف ونشرمرتب

حسان الہند،امام احمد رضانے دل حزیں کےسکون اورروح بے تاب کی تسلی کے لئےفن شاعری میں نعت گوئی کا سہارالیا ہےاور یہ امرمستحسن بھی ہے، کیوں کہ ''کامل التواریخ'' کی عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ شاعری کی ابتدا حضرت آدم نبینا علیہ السلام سے ہوئی۔حضرت سلیمان علیہ السلام کی مثنوی ''نشیدالانشاء میں بھی اشعار پائے جاتے ہیں۔آقائے کائنات ﷺ نے اگرچہ شعر ارشادنہیں فرمایامگرشعر پراصلاح ضرورفرمائی جیسا کہ ''خزائن عامرہ'' میں مرقوم واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔بخاری شریف میں درج شدہ واقعہ سےثابت ہوتاہےآپ نے بھی شعرارشادفرمایا ہے چنانچہ ابوسفیان نے ایک ٹیکرے پر چڑھ کرمسلمانوں سے کہا۔''اعلیٰ ہبل اعلی ہبل (بروزن دومفتعلن'') سرکارنے جواب میں فرمایا''اللہ اعلیٰ واجل بروزن دومفتعلن'' (یہ دونوں بحرآجز کے مربع ہیں) پھرابوسفیان نے کہا''العزلناولاعزی لکم بروزن مفعولن مفاعلن مستفعلن ،آپ نے فرمایا''اللہ مولاناومولالکم'' بروزن سہ مستفعلن ۔

اب میں قارئین کی افادیت کے لئے چنداصطلاحات عروضیہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرر ہاہوں۔وزن۔اصطلاح میں دویم عددکلمات میں حرکت وسکون کی مطابقت کو کہتے ہیں جیسے اب،تب۔دوحرفی کلمے کوعروض کی اصطلاح میں سبب کہتے ہیں اگر پہلاحرف متحرک اور دوسراساکن ہوتونسب خفیف کہلاتا ہے جیسے بس،کل اوراگر دونوں متحرک ہوتو سبب خفیف کہلاتا ہے جیسے بس،

کل ۔ اور اگر دونوں متحرک ہوں تو سبب ثقیل کہلاتا ہے جیسے گلِ ،اب ۔ سہ حرفی کلمے کو وتد کہتے ہیں اگر پہلے دو حرف متحرک اور آخر ساکن ہو تو وتد مجموع جیسے کرم ۔خدا اور اگر تینوں متحرک ہوں تو وتد مفروق جیسے کرم خدا۔ چہار حرفی اور پنج حرفی کلمے کو دو حرفی + دو حرفی ۲ + ۳ یا ۲ الفاظ میں منقسم کیا جا سکتا ہے عربی عروض میں وزن کے تعین کے لیے فعولن، فاعلن ،مفاعلن ،وغیرہ ۱۰ دس ارکان ہیں ۔

ہر رکن ۔سبب اور وتد سے بنتا ہے ۔ کسی رکن میں سبب پہلے اور وتد بعد میں اور کسی میں وتد پہلے اور سبب بعد میں ۔ اور کسی میں دو سبب پہلے اور ایک وتد بعد میں ۔ اور کسی رکن میں ایک وتد پہلے تو دو سبب بعد میں آتے ہیں ۔مثلاً فاعلن میں فا۔سبب ہے اور علن وتد اور اس کی ترتیب ہے ۔ ۲ + ۳ اسی طرح فعولن میں فعو سہ حرفی کلمہ ہے اس لیے وتد ہے اور لن دو حرفی اس لیے سبب ہے کہ اس کی ترتیب ہے ۳ + ۲ ۔ اسی طرح رکن مفاعیلن میں مفا ۳ + عی ۲ + لن ۲ رکلمات ہیں وتد + سبب + سبب ۔انھیں ارکان کے الٹ پھیر سے بحریں بنتی ہیں ۔ اسی صورت میں بحر کی رعایت سے انھیں اوزان بحور کہا جاتا ہے ۔مصرع اولیٰ کے پہلے رکن کو اصطلاح میں صدر اور آخری رکن کو عروض کہتے ہیں اسی طرح مصرع ثانی کے پہلے رکن کو ابتداء اور آخری رکن کو ضرب کہتے ہیں ۔صدر ابتداء اور عروض ضرب کا فرق مصرع اول و آخر کے اعتبار سے ہوتا ہے ۔ بحر میں صدر و عروض اور ابتداء اور ضرب کے درمیان جو ارکان آتے ہیں انھیں اصطلاح میں حشو کہا جاتا ہے ۔

مصرع اول ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مصرع ثانی

بحر ۔مفاعیلن فعلاتن مفاعلن فعلن ۔۔۔پھر مفاعیلن فعلاتن مفاعلن فعلن

صدر +حشو + عروض ۔۔۔ابتداء + حشو+ضرب

جس بحر میں مفاعیلن اور اس کے زحافات ہوں تو اسے بحر ہزج کہا جاتا ہے ۔جس بحر میں فاعلاۃ اور اس کے زحافات ہوں تو اسے بحر رمل اور جس میں فعولن اور اس کے زحافات ہوں تو اسے بحر متقارب کہتے ہیں ۔

زحاف ۔ کسی رکن میں کسی حرف کو رکن ساکن ۔ساکن کو متحرک یا ابتداء یا آخر یا درمیان میں سے کسی حرف کو کم کرنے سے اگر کوئی نیا رکن بنے تو اس نیے رکن کو زحاف کہتے ہیں ۔(مستفاد از ڈاکٹر عصمت جاوید بحوالہ سال اولین نمبر اسباق پونہ)

کلام جس بحر میں بھی ہوا گر آپ کے ذوق کو کچھ شک لگے کہ کسی رکن کی کمی بیشی یا سکتہ واقع ہو تو تقطیع کر کے دیکھ لیں مثلاً

رضائے خستہ جوش بحر عصیاں سے نہ گھبرانا		کبھی تو ہاتھ آجائے گا دامن ان کی رحمت کا
رضائے خس ۔تہ جوش بح ۔رعصیاں سے ۔نہ گھبرانا		کبھی تو ہا ۔تھ آجائے ۔گا دامن ان ۔کی رحمت کا
مفاعیلن ۔ مفاعیلن ۔ مفاعیلن ۔ مفاعیلن		مفاعیلن ۔ مفاعیلن ۔ مفاعیلن ۔ مفاعیلن

اب اخیر میں اپنے حسان الہند امام احمد رضا کی شان میں منقبت پیش کر رہا ہوں جس کا مصرع اس طرح استاذ گرامی معین ملت حضرت علامہ معین الدین علیہ الرحمہ نے دار العلوم محمدیہ علائیہ گلبرگہ سے عنایت فرمایا تھا۔مصرع تھا۔

’’کتنی دلکش اے رضا تھی زندگانی آپ کی‘‘

نتیجۂ فکر بر مصرع طرح۔ ''کتنی دلکش اے رضا تھی زندگانی آپ کی''

مدحت آ قا میں وہ ہے گل فشانی آپ کی		زندگی جس سے بنی ہے جاویدانی آپ کی
عشق وعرفاں فیض ورحمت سب کے مظہر آپ تھے		کتنی دلکش اے رضا تھی زندگانی آپ کی
دست اقدس میں قلم ہے یا کوئی تلوار ہے		کرگئی تلوار سب کو پانی پانی آپ کی
خرمن دشمن پہ بجلی گر رہی ہے آج تک		کس قدر ہے یہ غضب اور قہرمانی آپ کی
مفتی اعظم کو پاکر ہم نے پایا آپ کو		کر چلے وہ ہر ادا سے ترجمانی آپ کی
عاشقوں کی راہ میں پلکیں بچھائیں آپ نے		اللہ اللہ کیا مبارک میزبانی آپ کی
بارگاہ رضویت میں لائق تحسین ہے		جذبہ الفت میں اصغرؔ نغمہ خوانی آپ کی

موبیہ، بائسی، پورنیہ، بہار

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا مقام اجتہاد

مفتی فیضان المصطفیٰ قادری

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من یرد اللہ بہ خیراً یفقہ فی الدین، اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کا فقیہ بنا دیتا ہے۔ ساری امت بشمول فقہاے کرام دو طبقے میں منقسم ہے: مجتہد اور مقلد۔ مجتہد پر لازم ہے کہ وہ ضرورت کے مسائل اصول شرع سے اخذ واستنباط کریں، اور مقلد پر لازم کہ وہ کسی کی تقلید کرے۔ دونوں کا دائرۂ کار الگ الگ ہے، یوں مجتہد کو منع ہے کہ کسی کی تقلید کریں اور مقلد کو منع ہے کہ خود ہی دلائل شرعیہ سے مسائل کو اخذ کر کے فتویٰ دے۔ اس لحاظ سے جب فقہاے کرام اپنے اکابر فقہاے ممیزین بلکہ مذہب کے ائمہ مجتہدین سے مسائل نقل کرتے ہیں، اور بیان مسائل وعمل میں ان کے تقلید کرتے ہیں۔

مثلاً امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل، امام اوزاعی جیسے ائمہ کرام نہ اصول وقواعد میں کسی کی تقلید کرتے ہیں نہ فروغ ومسائل میں۔ اور مثلاً امام ابن نجیم مصری، وامام حسن بن عمار الشرنبلالی وعلامہ ابن عابدین الشامی جیسے جلیل القدر فقہاے امت اپنی تمام تر علمی جولانیت اور فقہی بصیرت کے باوجود مکمل طور پر ائمہ حنفیہ کے پورے پورے مقلد نظر آتے ہیں۔ فقہاے امت کے یہ دو طبقے تو بہت واضح ہیں لیکن فقہاے امت کا ایک تیسرا طبقہ بھی ہے جو حلِ مسائل میں نقل واجتہاد دونوں کو کام مکمل میں لاتا ہے۔ کبھی یہ حضرات ناقل اور مقلد نظر آتے ہیں اور کبھی کسی امام مجتہد کی تقلید کیے بغیر کتاب وسنت اور اصول شرع سے استنباط کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ طبقہ بہت وسیع اور کئی طبقات میں بٹا ہوا ہے۔ اب ایسے فقہا کو مجتہد مانا جائے یا مقلد؟ یہ ایک مشکل ہو سکتی تھی، جس کا حل بہت بعد کے ایک فقیہ حضرت علامہ ابن کمال پاشا نے یہ نکالا کہ فقہاے کرام کو سات طبقات میں منقسم کیا ہے، جو یہ ہیں: مجتہدین فی الاصول، مجتہدین فی المذہب، مجتہدین فی المسائل، اصحاب تخریج، اصحاب ترجیح، اصحاب تمیز، عام فقہا۔

اگرچہ علامہ ابن کمال پاشا کی یہ تقسیم ایسی تقسیم نہیں جس سے سارے سوالات حل ہو جائیں، اسی وجہ سے بعض اہل فن نے اس تقسیم سے اتفاق نہیں کیا، لیکن چونکہ اس تقسیم سے بہت ساری الجھنیں دور ہو جاتی ہیں اس لیے ان کے بعد کے فقہا نے عموماً بلا ردو قدح اس سات طبقات کو نقل کر دیا ہے، اور نقل بلا تنقید دلیل تعویل ہے۔ علامہ شامی نے بھی اپنی شرح العقود میں ان طبقات کو اسی طرح بیان کیا ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ کے مقام اجتہاد کی تعیین کا معاملہ:

امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی فقہی بصیرت کی تو پوری دنیا معترف ہے، لیکن موضوع کی نزاکت کے سبب اب تک مقام کی تحدید میں کوئی خاص پیش رفت نہ ہو سکی۔ چنانچہ ہمارے اکابر علما اعلیٰ حضرت کی اجتہادی شان تو ذکر کرتے ہیں، لیکن اعلیٰ حضرت

کا مقام اجتہاد متعین کرنے میں یا تو ان کی طرف سے اب تک التفات نہ ہو سکا یا قصداً سکوت اختیار کیا گیا۔ بعض لوگوں نے تعیین کی ہے۔ اور آپ کو ''مجتہد فی المذہب'' یا ''مجتہد فی المسائل'' قرار دیا لیکن یہ تعیین خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے اصحاب سے منقول ہوتی تو پھر یہ کوئی ایسا مسئلہ نہ ہوتا جس میں ہمیں دقتوں کا سامنا ہوتا، یا بعد والوں کی رائیں مختلف ہو جاتیں۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا مقام اجتہاد طے کرنا ہمارے نزدیک اس وجہ سے بھی مشکل ہو رہا ہے کہ ان سات طبقات میں طبقۂ اولی اور طبقۂ ثانیہ کی حد تک تو معاملہ بہت واضح ہے کہ فلاں فلاں فقہاے کرام پہلے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور فلاں فلاں فقہاے کرام دوسرے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں لیکن تیسرے طبقے سے چھٹے طبقے کے فقہاے کرام کی پہچان اس طور پر بہت مشکل ہے کہ ان کا مقام متعین کر دیا جائے۔ اور تعیین بھی یوں کہ جس طبقے سے منسوب کیا جائے وہ تحقیقات سے خوب واضح ہو۔ ان طبقات کی جو تعریف و تحدید کی جاتی ہے وہ تو بہت سارے ان فقہا پر بھی صادق آتی ہے جنھیں کسی دوسرے طبقے سے منسلک کیا گیا ہے۔ خود اصحاب ترجیح اور اصحاب تخریج میں تمیز مشکل کام ہے، اور ان کی فہرست تیار کرنا اور مشکل کام ہے۔ اسی وجہ سے اس طبقہ بندی پر ایرادات بھی کیے گئے ہیں۔ ہمارے پاس یہ معلومات کہ فلاں فقیہ فلاں طبقۂ فقہا سے تعلق رکھتے ہیں محض اس طور پر حاصل ہیں کہ جن مشائخ نے ان سات طبقات فقہا کا ذکر کیا ہے انھوں نے بطور تمثیل ان فقہا کا نام پیش کر دیا ہے، ورنہ ان کی فقہی خدمات کے بیان کے ساتھ حد بندی کارے دارد۔

کہنا یہ ہے کہ جب شروع کے دو طبقے مجتہد فی الاصول و مجتہد فی المذہب کے علاوہ باقی طبقات کے فقہا کی تعیین مشکل امر ہے، اور خوب واضح ہے اعلیٰ حضرت کا تعلق طبقۂ اولیٰ اور طبقۂ ثانیہ کے بعد ہی کسی طبقے سے ہے۔ پھر آپ کے مقام اجتہاد کی تعیین کس قدر مشکل ہوگی اس کا اندازہ اہل فن ہی لگا سکتے ہیں۔

جن حضرات نے ان کو مجتہد فی المسائل کے طبقے سے مانا ہے وہ کچھ حد تک درست قرار دیے جا سکتے ہیں مگر اس پر سب سے بڑا اشکال یہ ہوگا کہ مجتہد فی المسائل پر تو ایسے مسائل میں جو ائمۂ مذہب سے منقول نہ ہوں کسی کی تقلید ممنوع ہونی چاہیے۔ کیا یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہ ائمۂ مذہب کے بعد کے فقہا یعنی متاخرین فقہاے مذہب کی تقلید نہیں کرتے؟ فتاوی رضویہ شریف کا مطالعہ کریں تو اندازہ ہو جائے گا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز جگہ جگہ تمام طبقات کے فقہا کی عبارات خواہ وہ ائمۂ تخریج ہوں یا اصحاب تمییز مقام افتا میں نقل کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور یہ نقل بھی برائے استشہاد ہوتا ہے نہ کہ محض اپنی تائید یا الزام خصم کے لیے۔

دوسری مشکل یہ پیش آئے گی کہ ''مجتہد فی المسائل'' قرار دینے کے لیے مثالیں پیش کرنے میں پسینہ چھوٹ جائے گا۔ ایسے مقام پر لوگ مثالیں ایسی پیش کرتے ہیں جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے عبارات فقہا کی اولاً تاصیل پھر تفصیل فرمائی مثلاً من ارض کے کتنے عناصر ہیں جن سے تیمم جائز ہے فقہا نے جس قدر گنائے اعلیٰ حضرت نے ان کی تفصیل کرتے ہوئے اتنے اضافے کیے جن کی نظر علمی دنیا میں نہیں مل سکتی، اس طرح کے مباحث طہارت کے بیان میں وافر ہیں لیکن اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی تحقیقات

زیادہ تر ائمۂ کرام کی عبارتوں کی تفصیل وتفریع اور تشریح وتوضیح ہیں نہ کہ اصول شرع سے استنباط وتخریج۔ اور ہمیں نصوص فقھیہ سے الحاق فرمایا تو صاف کہہ دیا کہ نصوص سے الحاق خاصہ مجتہد نہیں۔

ایک مشکل یہ بھی ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے اصحاب کا دور گزر چکا، اب جو بھی رائے قائم کی جائے گی وہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تصنیفات اور فنی تحقیقات کے پیش نظر ہوئی، اور اس دور کے فاضلین کے فقہی مدارک اتنے بلند نہیں کہ امام احمد رضا کی فقہی تحقیقات کی قرار واقعی حیثیت کا ادراک کر لیں، اس لیے اس میں مختلف رائے سامنے آسکتی ہے۔ اور ہم جس نتیجے تک پہنچے ہیں وہ بھی ان کی تصنیفات وتحقیقات کے مطالعہ پر مبنی ہے، اور ظاہر ہے کہ امام کی تمام تحقیقات کے مطالعہ کے لیے ہماری پوری زندگی ناکافی ہے۔ اس لیے ممکن ہے مطالعہ جوں جوں آگے بڑھے ہماری رائے میں بھی تبدیلی آجائے، اس لیے فی الحال جو رائے ہم پیش کر رہے ہیں وہ اس احساس کے ساتھ پیش کر رہے ہیں کہ ابھی خود کو حتمی رائے دینے کی پوزیشن میں نہیں پاتے۔

ہم اس کا حل اپنے طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ اجتہاد کو متجزی مانا جائے۔

اجتہاد کی قسمیں:

اجتہاد دو قسم پر ہے: اجتہاد مطلق اجتہاد متجزی۔ مطلق یہ کہ فقیہ تمام ابواب فقھیہ میں اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہو۔ اور تجزیہ کہ فقیر کو فقہ کے چند ابواب میں اہلیت نظر ہو۔ فواتح الرحموت میں ہے: ثم المجتهد على قسمين مجتهد مطلق أى من له قدرة الاجتهاد فى كل حادثة اتفقت و مجتهد فى البعض. [فواتح الرحموت، ۴۰۵/۲]

ترجمہ: مجتہد کی دو قسمیں ہیں، مجتہد مطلق یعنی جسے پیش آنے والے ہر واقعے میں اجتہاد کرنے کی قدرت ہو اور مجتہد فی البعض۔

واضح رہے کہ تاریخ اسلام میں جتنے فقہا گزرے ہیں ان میں مجتہد مطلق تو گنتی کے ہیں، زیادہ تعداد مجتہد فی البعض کی ہے۔

مجتہد فی البعض کا مطلب یہ کہ اجتہاد متجزی ہے، کہ فقیہ کو بعض ابواب فقہ میں اہلیتِ نظر اور استنباطِ مسائل کی قدرت ہو۔

اجتہاد کے متجزی ہونے کے بارے میں علماے اصول کا اختلاف ہے، اور حق یہی ہے کہ اجتہاد متجزی ہے، یہی قول امام حجۃ الاسلام امام غزالی کا ہے۔ اور یہی قول امام ابن ہمام صاحب فتح القدیر امام کمال الدین ابن الہمام کا ہے۔

چنانچہ علامہ محب اللہ بہاری اور بحر العلوم علامہ عبد العلی فرنگی محلی نے مسلم الثبوت اور اس کے حاشیہ فواتح الرحموت میں اس موضوع پر مستقل کلام فرمایا ہے، اور اجتہاد کے تجزی کو ہی راجح موقف قرار دیا، اور اسی موقف کے دلائل نقل کیے اور اس پر ایرادات کے جوابات دیے۔

چنانچہ مسلم الثبوت اور فواتح الرحموت میں ہے:

مسألة: اختلف فى تجزى الاجتهاد: بأن يكون مجتهداً فى بعض المسائل دون بعض، (ويتفرع عليه اجتهاد الفرضى) أى من له معرفة فى نصوص فرائض السهام والآثار الواردة فيها (فى الفرائض) يجتهد (فقط) دون غيرها من

الاحکام، (فالا کثر) قالوا (نعم) یتجزی الاجتهاد، ومنهم الامام حجة الاسلام (الغزالی) قدس سره من الشافعية (و) الشيخ (ابن الهمام) رحمه الله منا ويلوح رضا صاحب البدايع به ايضا (وهو الاشبه) بالصواب، (وقيل لا) يتجزى۔۔۔ [فواتح الرحموت، ۲/۴۰۵]

ترجمہ: اجتہادی چوری کے متعلق اختلاف ہے کہ مجتہد بعض مسائل میں مجتہد ہوں نہ کہ باقی مسائل میں، اس پر علم المیراث کا اجتہاد متفرع ہے۔یعنی مقدارِ حصص کی نصوص اور آثار کی معرفت حاصل ہو وہ صرف انھیں میں اجتہاد کرے، دیگر احکام میں نہ کرے۔تو اکثر علماے اصولیین اجتہاد کی تجزی کے قائل ہیں، جن میں شافعیہ میں سے حجۃ الاسلام امام غزالی قدس سرہ ہیں، اور حنفیہ میں سے تین امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں، اور صاحب بدائع بھی اسی موقف کو پسند کرتے ہیں، اور یہی زیادہ درست بات ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اجتہاد متجزی نہیں۔ الخ

علامہ شامی شرح العقود میں فرماتے ہیں:

وقدمنا عن التحرير: ان المجتهد فی بعض المسائل على القول بتجزی الاجتهاد وهو الحق. يلزمه التقليد فيما لا يقدر عليه أی فيما لا يقدر على الاجتهاد فيه لا فی غيره [شرح العقود، صفحه: ۲۰۵]

ترجمہ: ہم نے تحریر کے حوالے سے پہلے بیان کیا کہ اجتہاد متجزی کے قول کے مطابق جو کہ برق ہے ایسے مجتہد کو جو بعض مسائل میں مجتہد ہے اسے لازم ہے کہ جن مسائل میں مجتہد نہیں کسی مجتہد کی تقلید کرے۔یعنی جن مسائل میں اجتہاد پر قدرت نہیں ان میں، نہ کہ دیگر میں۔

جب یہ بات واضح ہوگئی تو اب غور کیا جائے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی فقہی مقام کیا ہے؟

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے مقام اجتہاد سے متعلق ہمارا موقف:

حضور اعلیٰ حضرت قدس سرہ عملاً تمام مسائل شرعیہ عملیہ میں امام اعظم ابوحنیفہ قدس سرہ العزیز کے ''خالص مخلص مقلد'' ہیں، اور تفقہاً فقہ کے تمام ابواب میں وسیع النظر اور صاحب تمیز فقیہ ہیں، اور بعض ابواب میں آپ مقام ''اجتہاد فی المسائل'' پر فائز ہیں۔ من جملہ آپ کی فقہی حیثیت اصحاب تمیز سے شروع ہو کر مجتہد فی المسائل کے درجے تک پہنچتی ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے:

ہم نے عملاً آپ کو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاص مقلد اس لیے قرار دیا کہ آپ ان کی تقلید سے سرمو انحراف پسند نہیں کرتے اور بآں مدارک عالیہ امام کے قول کے مقابل اپنی کوئی تحقیق پیش کرنا کجا، کسی کی تحقیق (کسے باشد) کی حمایت نہیں کرتے بلکہ ایک مقام پر فرماتے ہیں، ''ہم حنفی ہیں نہ کہ یوسفی یا شیبانی''۔[الملفوظ: ۲/۲۴]

اور خاص اس موضوع پر آپ نے ایک مستقل رسالہ ''اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقاً علی قول الامام'' اعلیٰ حضرت تو مذہب حنفی کے مجتہدین کے لیے بھی مقام افتا میں قول امام کی پابندی کے قائل ہیں، اس کی تفصیل آپ کے اسی رسالے میں دیکھی جا سکتی ہے۔آپ کے نزدیک اسباب ستہ یعنی ضرورت، حرج، تعامل، عرف، مصلحت شرعیہ کا حصول، اور دفع مفسدہ کے سوا قول امام

سے عدول کرنے کی کسی کو اجازت نہیں، خواہ وہ مذہب حنفی کے مجتہد ہی کیوں نہ ہوں، خواہ نظر مجتہد میں امام کی دلیل کمزور ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ کسی مجتہد کے نزدیک امام کی دلیل کمزور ہے اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ حقیقتاً بھی کمزور ہو، اسی لیے جب قول امام مل جائے توہمیں دلائل سے کچھ کام نہیں۔ یہی طریق ارباب فتویٰ کا رہا ہے، بلکہ متون وشروح نے اس پر مشی فرمائی، اور کئی مقامات پر دیگر کسی قول کا نام تک نہ لیا، ہاں باحثین نے بطور بحث ذکر کیا، بلکہ کبھی قول دیگر کی تقویت اور قول امام کی تضعیف کی طرف بھی اشارہ کیا مثلاً شفق کے مسئلے میں جمہور ائمہ کرام نے شفق احمر پر اتفاق واجماع کرلیا پھر بھی مفتی بہ اور راجح قول قولِ امام شفق ابیض ہی رہا۔ مدت رضاعت کا ڈھائی سال ہونا یا رضاعی باپ یا رضاعی بیٹے کی منکوحہ کی حرمت پر مشائخ کو کوئی دلیل نہ ملی، بلکہ امام ابن ہمام نے تضعیف کی طرف اشارہ بھی کیا، پھر بھی فقہائے کرام نے امام ابن ہمام کے قول کو محض ایک بحث قرار دے دیا، اور راجح قول قولِ امام ہی رہا۔ اس طرح کے چند مسائل ذکر کر کے امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں اپنا الگ موقف ذکر کیا، اور وہ چونکہ اہل نظر اور مجتہد فقیہ ہیں تو ان کے اس طریق سے فقہانے تعرض تو نہ کیا، مگر ان کی ان ابحاث کو بنظر استحسان بھی نہ دیکھا۔ چنانچہ انھیں کے تلمیذ رشید امام قاسم بن قطلو بغا نے فرما دیا کہ ہمارے شیخ کی وہ بحثیں جو خلافِ مذہب ہیں معتبر نہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے اس رسالے کا مطالعہ کریں تو یہ امور سامنے آئیں گے۔

ہاں تفقہ کے اعتبار سے اور میدان بحث وتحقیق میں من جملہ اعلیٰ حضرت کے فقہی مقام ومرتبہ کے تعلق سے یہ کہنا مناسب لگتا ہے کہ کچھ ابواب میں آپ اصحاب تمیز سے ہیں اور کچھ میں اصحاب تصحیح وترجیح سے، بلکہ کچھ ابواب میں آپ کو مجتہد فی المسائل کے طبقے سے ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ یہ ترتیب بطور تفصیل ہم نے ادون سے اعلی کے طور پر بیان کی، ورنہ جس فقیہ کو اجتہاد فی المسائل جیسا بلند ترین مقام حاصل ہے اسے ترجیح وتصحیح کا مقام تو لازماً حاصل ہوگا کہ یہ اس سے ادون ہیں، اور اسی طرح تمیز کی اہلیت بھی خود ہی ثابت ہو جائے گی۔

کسی فقیہ کو کسی خاص باب میں سند مانا جائے نہ کہ تمام ابواب میں ایسا ممکن بلکہ واقع ہے، چنانچہ اہل فن جانتے ہیں کہ افتا میں در بارۂ عبادات قول امام کو مطلقاً ترجیح حاصل ہوتی ہے، لیکن قضا وشہادات اور اوقاف میں امام ابو یوسف کے قول کو ترجیح حاصل ہے۔ اور علم فرائض جیسے کچھ ابواب میں قول امام محمد پر فتویٰ ہوتا ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ کے مقام اجتہاد کا مدار ومبنیٰ:

اعلی حضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کے متعدد رسائل وفتاویٰ میں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کا مقام اصحاب تمیز سے بھی اوپر ہے۔ مثلاً اگر "حاجز البحرين الواقي عن جمع الصلاتين" تجزیہ کیا جائے تو یہی ایک رسالہ بتا دے گا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کا فقہی مقام اصحاب ترجیح وتصحیح سے کم نہیں، اس رسالہ میں اعلیٰ حضرت کے مباحث کی جولانیت قابل دید ہے۔ پورے رسالے میں جزئیات فقہیہ کی بجائے قول امام کی حمایت میں قرآن وحدیث کے نصوص صریحہ سے استدلال کیا گیا ہے۔

رسالہ ''تقبیل الابھامین'' کے مباحث دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ جس مسئلے میں ائمہ مذہب سے کوئی قول صریح مذکور نہیں امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے کس طرح اس کو اصول فقہ واصول حدیث کے مباحث سے ثابت کیا ہے۔

اذان خطبہ کے مسئلے پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے مباحث پر نظر کریں تو بھی ان کے مقام اجتہاد کو پہچانا جاسکتا ہے، کیوں کہ آپ کا ابتدائی استلال تو فقہ کے مشہور جزئیہ ''لا یؤذن فی المسجد'' سے ہے، مگر فریق مخالف کی طرف سے جب ''بین یدی المنبر یا بین یدی الخطیب'' والے جزئیات پیش کیے گئے تو آپ نے بحث کو نصوص شرعیہ تک پھیلا دیا، اور اب حدیث شریف سے استدلال کیا کہ ''بین یدی المنبر'' سے مراد کیا ہے۔ فریق مخالف نے لا یوذن فی المسجد کے عموم سے ''بین یدی المنبر'' کے کلمات کی بنا پر اذان خطبہ کی تخصیص کی، اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے ''بین یدی المنبر'' کے وسیع مفہوم کی تخصیص ابوداؤد شریف کی روایت ''علی باب المسجد'' سے کر دی تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا اصل استدلال تو ابوداؤد شریف کی روایت یعنی حدیث پاک سے ٹھہرا، جس کا حاصل یہ ہے کہ حضور اقدس ملی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اذان خطبہ منبر کے سامنے مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ ادلہ اربعہ سے استدلال مجتہد کا کام ہے۔

فتاوی رضویہ شریف میں کچھ ایسے فتاویٰ ہیں جن پر استدلال نصوص شرعیہ سے ہے یعنی قرآنی آیات اور احادیث طیبہ سے مسئلہ مستنبط کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر رسالہ ''نابغ النور علی سوالات جبلفور'' دیکھیں، یوں ہی رسالہ مبارکہ ''المحجۃ المؤتمنۃ فی الآیۃ الممتحنۃ'' دیکھیں، تو اس کے مباحث خالصۃً نصوص شرعیہ قرآن وحدیث پر مشتمل ملیں گے۔

نوٹ: اس مقام پر پہنچ کر ہم چاہتے تھے کہ فتاویٰ رضویہ سے کچھ دقیق بحثیں پیش کریں جن سے ہمارا مدعا واضح ہو سکے، مگر اس کے لیے وقت درکار اور یہ مجموعۂ مقالات پریس جانے کے لیے منتظر ہے، مجبوراً ہم اسی قدر پر اقتصار کرتے ہیں، فرصت ملی تو اس کی تکمیل اور مزید تفصیل کی جائے گی، واللہ خیر موفق۔

لکھنؤ، یوپی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور معاصر سیاسی تحریکات

ڈاکٹر محمد سجاد عالم رضوی مصباحی

گاہے گاہے باز خواں این دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را

(تاریخ نگاری ایک تخلیقی عمل ہے۔جن افراد نے اپنی جماعتی شناخت کو تاریخ کے اوراق میں درج کیا ان کی شناخت تحریف وتبدیلی کا شکار نہ ہوسکی۔مگر جو لوگ تاریخ نگاری سے بے التفاتی برتتے ہیں ان کے وجود اور شناخت کے نشانات مٹا دیے جاتے ہیں۔اور پھر ان کی صدائے احتجاج کہ ان کے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے صدا بہ صحرا ثابت ہوتی ہے۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہی ''ناانصافی اور ناقدری'' نئی نسل کے لیے ''تاریخ'' بن جاتی ہے جس میں اپنوں کی کوتاہی اور غیروں کی جانبداری کا کلیدی اور مرکزی کردار ہوتا ہے۔میں شکر گزار ہوں حضرت مولانا مسعود رضا قادری قبلہ، حضرت مفتی مبشر رضا ازہر مصباحی اور مولانا احمد رضا صاحبان کا جنہوں نے ''امام احمد رضا سمینار'' کے لیے مجھے اس ''دفتر پارینہ'' یعنی امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان کے عہد کے مذہبی اور سیاسی منظر نامہ کے مطالعہ کی دعوت دی اور مطالعہ کے ماحصل کو قلم بند کرنے کا حکم دیا۔زیر نظر مضمون میں اسی کو پیش کیا جارہا ہے۔)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان (ولادت: ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ/۱۴ جون ۱۸۵۶ء۔وفات: ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ/ ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱) پورے عالم اسلام میں علمی وفکری، اصلاحی وتجدیدی اور فقہی وروحانی خدمات کے لیے معروف ومشہور تاریخ ساز شخصیت کا نام ہے۔آپ بیک وقت ایک باعمل عالم، باکمال صوفی، صاحب نظر فقیہ اور قادر الکلام شاعر تھے۔آپ بہت سے نقلی وعقلی علوم وفنون میں مہارت رکھتے تھے۔قرآن فہمی، حدیث دانی، فقہ وفتاوی کی جانکاری، علوم اسلامیہ اور علوم جدیدہ و قدیمہ پر ان کی حیرت انگیز دسترس ان کی شائع شدہ تصانیف سے ابھر کر سامنے آتی ہے۔یہ تصانیف ان کی قدآور شخصیت کو مزید اجاگر کرتی ہیں۔برصغیر پاک وہند کے علاوہ دنیا کے متعدد اداروں میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان پر تحقیقی کام ہوئے ہیں اور اب بھی ہو رہے ہیں۔اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے دینی اور علمی کارناموں کی بدولت وہ شہرت اور مقبولیت حاصل کی ہے کہ علم کے شائقین نے ان کی نگارشات کو اپنی اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔بہت سے ارباب علم ودانش نے آپ کے علمی وادبی کارناموں اور مختلف علوم وفنون پر بے پناہ صلاحیتوں کا اعتراف کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ''قدیم وجدید علوم'' میں آپ کے علمی جواہر پارے دنیائے علم ودانش سے خراج تحسین حاصل کر رہے ہیں۔غیر جانب دار محققین نے یہ اعتراف کیا ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی ایک عبقری شخصیت کے حامل تھے۔اس کی وجہ یہ ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو فراست اور فکر وتدبر کی صلاحیت سے نوازا

تھا۔جس کو اہل فکر و قلم نے ''علم لدنی'' سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ مولانا کوثر نیازی (جو امام احمد رضا کے عقیدت مندوں میں نہیں تھے) نے لکھا ہے: ''برصغیر میں یوں تو کئی جامع الصفات شخصیات گزری ہیں مگر جب ایک غیر جانبدار مبصر ان سب کا جائزہ لیتا ہے تو جیسی ہمہ صفت موصوف شخصیت امام رضا کی نظر آتی ہے ویسی کوئی دوسری نظر نہیں آتی۔[۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔] سب سے پہلے تو اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ امام احمد رضا پالٹیشین نہیں اسٹیٹس مین تھے۔ سیاسی لیڈر نہ تھے، مدبر تھے۔ پالیٹیشین اور سیاسی لیڈر عوام کی خواہشات کے تابع ہوتے ہیں۔ جب کہ اسٹیٹس مین اور مدبرین پیش بینی کر کے حالات کا رخ متعین کرتے ہیں۔'' (مولانا کوثر نیازی، امام احمد رضا: ایک ہمہ جہت شخصیت، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، بارہمولہ، کشمیر ۲۰۰۴، ص: ۱۵ اور ص: ۲۵)۔انیسوین اور بیسویں صدیوں میں ہندوستان کے سیاسی حالات کے تناظر میں جب ہم اعلی حضرت امام احمد رضا کے افکار و نظریات اور ان کے موقف اور عمل کا جائزہ لیتے ہیں تو مولانا کوثر نیازی صاحب کی اس رائے کی صداقت عیاں ہو جاتی ہے۔

ہندوستان میں مذہب و سیاست کے حوالے سے انیسویں صدی کے نصف آخر اور بیسویں صدی کے نصف اول کا زمانہ بہت ہی ''ہنگامہ خیز ثابت ہوا۔جس میں مختلف افکار و تحریکات نے اپنی پوری قوت و طاقت کے ساتھ ہندوستانی مسلمانوں پہ یلغار کی اور ان کے اثرات آج بھی برصغیر ہند و پاک اور بنگلہ دیش کے طول و عرض میں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں۔ان افکار و تحریکات پر اہل علم و قلم اپنے فکر و مزاج اور معیار کے مطابق بحث و مطالعہ کرتے رہتے ہیں اور اس طرح سے گاہے بگاہے نئی نئی کتابیں منظر عام پر آتی رہتی ہیں۔جن حالات سے یہ پر آشوب دور گزرا اس میں اچھے اچھوں کے قدم جادۂ حق اور راہِ اعتدال سے دور ہو گیے تھے۔ اور یہ اس دور کا سب سے افسوسناک اور تشویشناک پہلو ہے کہ بعض مشاہیر علما اور مسلم قائدین جنہیں ملت اسلامیۂ ہند اپنا رہنما اور نجادہ دہندہ سمجھتی تھی ان کے قدم بھی لغزش کھا گئے۔ جب کہ ایسے ہی نازک حالات میں مومنانہ فہم و فراست کا امتحان ہوتا ہے اور بصیرت و استقامت کی صحیح پرکھ ہوتی ہے۔موجودہ دور میں بھی کم و بیش وہی حالات ہیں۔امت مسلمہ کو داخلی اور خارجی سطح پر مسائل اور مشکلات درپیش ہیں۔اتحاد و اتفاق کا فقدان ہے۔ملکی اور عالمی سطح پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف منظم اور مسلسل سازشیں ہو رہی ہیں اور پیہم اشتعال انگیزی اور شر انگیزی کا سلسلہ جاری ہے۔امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کے عہد میں امت مسلمہ کی جو حالت تھی، آج بھی اس سے بہتر نظر نہیں آتی جس کا انہیں شدید احساس تھا۔امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کے وصال پر ایک صدی گزرنے کے بعد بھی ان کے افکار خیالات کی موزونیت اور معنویت آج بھی اسی طرح باقی ہے۔ بلکہ بعض پہلوؤں سے تو ان کی افادیت میں مزید اضافہ نظر آتا ہے۔ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کے افکار و نظریات قرآن و حدیث سے ماخوذ تھے جن پر حوادثِ روزگار کا اثر نہیں ہوتا۔ دین و مذہب، سیاست و صحافت، معیشت و معاشرت، تعلیم و تجارت، وہ ہر میدان میں مسلمانوں کی سرخروئی اور کامیابی چاہتے تھے۔اس سلسلے میں انہوں نے امت مسلمہ کو رہنما اصول و خطوط عطا کیے اور ان پر چل کر بدلتے زمانے میں اپنی حالت میں مناسب تبدیلی لانے کی دعوت دی۔اہل علم و فکر کے بیداری لانے اور ان کو اپنی منصبی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی تلقین کی

اور اس سلسلے میں خود ایک قابل تقلید عملی مثال بھی قائم کی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اپنے عہد میں برصغیر پاک و ہند میں دینی پیشوا اور ملی رہ نما تھے۔ اسلام اور سنیت کا تحفظ اور فروغ، امت مسلمہ کا اتحاد اور اس کی صلاح و فلاح اور نجات آپ کی فکر و عمل کا خاص محور تھا۔ ''وہ عشق مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے کو مرکز اتحاد مانتے تھے اور اسی پر عالمِ اسلام کو ہم قدم اور ہم فکر کرنا چاہتے تھے۔

امام احمد رضا کے عہد میں ہندوستان کے سیاسی حالات:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ و الرضوان کے عہد میں سیاست اور مذہب کے پس منظر کو نگاہوں میں رکھیں اور پھر افکارِ رضا کی معنویت اور موزونیت کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ آپ نے جس مومنانہ فراست اور بصیرت سے حالات کا تجزیہ کیا تھا اور جن خطرات کی پیش بینی فرمائی تھی ان کے مظاہر موجودہ دور کے بدلتے منظرنامے پر دکھائی دے رہے ہیں۔ اس کے لیے پہلے عہدِ رضا میں ابھرتے سیاسی حالات کا پس منظر ملاحظہ کریں۔

انقلاب اٹھارہ سو ستاون کے بعد ہندوستان کا سیاسی نقشہ بدل گیا اور برطانوی نظام حکومت پوری نافذ ہوگیا۔ اس کے مظالم کے شکار زیادہ تر مسلمان ہوئے۔ ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کا قیام عمل میں جس کے محرکات، اسباب اور مقاصد پر مؤرخین میں کافی اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ ابتدائی دور میں اس کا مطالبہ تھا کہ برطانوی نظام حکومت میں ہندوستانیوں کو مناسب نمائندگی ملے اور بعد کے ادوار میں اس نے جدوجہدِ آزادی کی ایک قومی تحریک ہونے کا دعوی کیا۔ ۱۶/جون ۱۹۰۵ء کو استعماری حکومت نے وائس رائے لارڈ کرزن کے ''تقسیمِ بنگال'' کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے بنگال پریسیڈینسی کو دو حصوں میں بانٹ دیا۔ مغربی بنگال ہندوؤں کو اور مشرقی بنگال مسلمانوں کو دیا گیا۔ انڈین نیشنل کانگریس کے لوگوں نے اسے ''ہندوستانی قومیت'' کے لیے ایک چیلنج سمجھا اور مذہبی بنیاد پر تقسیم بنگال کی مخالفت کی۔ کیونکہ اس کی رو سے مشرقی بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت ہوتی اور مغربی بنگال میں ہندوؤں کی۔ مغربی بنگال کے مسلمانوں نے احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ بہار اور اڑیسہ کی شمولیت کی وجہ سے اب وہ اقلیت میں آجائیں گے۔ ہندوؤں نے اس کو ''بانٹو اور حکومت کرو'' کی پالیسی پر محمول کیا۔ اس تناظر میں سودیشی تحریک کا آغاز ہوا۔ انڈین نیشنل کانگریس نے اس میں شمولیت اختیار کی اور ہندوستانیوں کے لیے خودمختار حکوت کا مطالبہ کیا۔ اس کا ایک نتیجہ تو یہ ہوا کہ کنگ جارج پنجم نے ۱۹۱۱ء میں تقسیم بنگال کے فیصلے کو منسوخ کردیا اور بنگال پھر سے ایک متحدہ جغرافیائی اکائی بن گیا۔ تقسیم بنگال کے حوالے سے مسلمانوں کے خیالات مختلف تھے۔ کچھ لوگوں نے اس کی مخالف کی جبکہ کچھ دوسروں نے اس کی حمایت کی۔ مگر سودیشی تحریک میں ہندو مذہبی علامات، استعارات اور مخصوص اصطلاحات کے استعمال نے انتظامی اور تعلیمی اداروں میں مسلمانوں کی نمائندگی کے سلسلے میں اور انڈین نیشنل کانگریس کے کچھ ممبران کے قول و فعل کے بارے میں مسلم لیڈروں کے ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا کردیے۔ اس طرح سے ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ میں ''آل انڈیا مسلم لیگ'' کا قیام عمل میں آیا۔ جس کا مقصد برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ اور انتظامی اور تعلیمی اداروں میں مسلمانوں کی سیاسی نمائندگی کو یقینی بنانے کے لیے جدوجہد کرنا تھا۔

۱۹۰۹ء کے دی انڈین کاؤنسل ایکٹ یا مورلے۔منٹو ریفارمس(The Indian Councils Act 1909, or The Morely-Minto Reforms) کو برطانوی پارلیامنٹ نے منظور کیا۔ اس کی رو سے برٹش انڈیا کی حکومت میں ہندوستانیوں کی شرکت میں محدود اضافہ ہوا۔اس ایکٹ نے لیجسلیٹیو (قانون ساز) کاؤنسل کے لیے انتخاب کے عمل کو متعارف کرایا اور سیکریٹری آف اسٹیٹ فار انڈیا، وائسرائے آف انڈیا اور بمبئی اور مدراس کے انتظامی کاؤنسلز (Councils) میں ہندوستانیوں کے داخلہ کی راہ ہموار ہوئی۔ اسی کے ساتھ آل انڈیا مسلم لیگ کے مطالبے پر مسلمانوں کے لیے جداگانہ الیکٹوریٹس (حلقہائے انتخاب) کو بھی منظوری دی گئی۔اس ایکٹ کی رو سے چند اصلاحات ہوئیں تاہم وہ تشفی بخش نہیں تھیں۔ کیونکہ برٹش انتظامیہ کو قانون سازی پر ویٹو کا حق حاصل تھا۔ انڈین نیشنل کانگریس کے سیلف گورنمنٹ کے مطالبے کو قبول نہیں کیا گیا۔انڈین نیشنل کانگریس کے لیڈروں نے مسلمانوں کے لیے جداگانہ الیکٹوریٹس کو سامراجی اور استعماری حکومت کا ''بانٹو اور حکومت کرو'' کا اصول قرار دیا۔

پہلی عالمی جنگ (۱۹۱۱۔۱۹۱۸) کے دران ہندوستانیوں نے برطانوی مفادات کا ساتھ دیا اور اسی وجہ سے حکومت سے ان کی توقعات بھی بڑھ گئی تھیں۔ اس لیے ان کے مطالبات میں بھی اضافہ ہوا جس کی وجہ سے مزید اقدامات (جیسے ۱۹۱۷ء کے مونٹیگو۔چیمسفورڈ ریفارمس اور ۱۹۱۹ کا دی گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ) کیے گیے۔ جس کی رو سے دوہری حکومت (diarchy) کا اصول اپنایا گیا۔اس کے مطابق کچھ انتظامی شعبہ جات (زراعت، لوکل گورنمنٹ، صحت اور تعلیم) کے لیے صوبہ جاتی کاؤنسل کو ذمہ دار بنایا گیا جب کہ دوسرے شعبہ جات وائسرائے کے دائرۂ اختیار ہی میں رہے۔ تاہم انڈین نیشنل کانگریس نے اس ایکٹ کو مسترد کر دیا۔مگر اس کے کچھ لیڈروں (اینی بیسنٹ، جی۔ ایس۔ کھاپردے، بپین چندرا پال، سریندر ناتھ بینر جی اور تیج بہادر سپرو) نے اس ایکٹ کو قبول کر لیا اور حکومت کے ساتھ تعاون کے لیے تیار ہوگیے اور کانگریس سے الگ ہو گئے۔ سریندر ناتھ بینر جی اور تیج بہادر سپرو نے انڈین لبرل فاؤنڈیشن قائم کیا۔ اس لیے ان کو ''لبرلس'' (Librals) کہا جاتا ہے۔ مدن موہن مالویہ نے ان اصلاحات کی تائید کی۔ محمد علی جناح انڈین نیشنل کانگریس سے اس وقت مستعفی ہوگیے جب کانگریس نے ستیہ گرہ شروع کرنے کا فیصلہ لیا۔ کیونکہ محمد علی جناح کے خیال میں اس کی وجہ سے سیاسی لاقانونیت پیدا ہوسکتی تھی۔

اسی دوران ۱۹۱۶ میں لکھنو میں آل انڈیا نیشنل کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ کے مشترکہ اجلاس میں ایک معاہدہ ہوا جس کو دی لکھنو پیکٹ (معاہدۂ لکھنو) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کے مطابق دونوں تنظیموں کے درمیان صوبائی قانون ساز اداروں میں مذہبی اقلیتوں کو نمائندگی دینے کے مطالبات پر اتفاق رائے ہوا۔ اس معاہدہ نے قومی سیاسی منظرنامے پر بظاہر ہندو مسلم اتحاد اور یک جہتی کا ایک قصیر المیعاد تاثر دیا اور اس نے ۱۹۲۰ء میں تحریکِ خلافت اور گاندھی کی تحریکِ عدمِ تعاون کے درمیان مفاہمت اور باہمی تعامل کی رہ ہموار کی۔ دراصل اس معاہدہ کا پس منظر یہ تھا کہ پہلی عالمی جنگ میں برطانوی کوششوں کو ہندوستانیوں کی طرف سے ملنے والی حمایت کے بدلے میں وائسرائے لارڈ چیمسفورڈ نے حکومت میں اصلاحات کے سلسلے میں ہندوستانیوں سے تجاویز طلب کی تھیں۔ اس لیے دونوں تنظیموں نے دستوری اصلاحات کے مطالبے میں زور پیدا کرنے کے لیے متحدہ آواز کو بلند کرنے کا فیصلہ کیا

تھا۔محمد علی جناح اس وقت دونوں تنظیموں کے ممبر تھے اور اس کی کوششوں کی وجہ سے سروجنی نائیڈو نے اس کو ''ہندو مسلم اتحاد کے سفیر'' کا خطاب دیا تھا۔

اس کے بعد ایک طرف تحریکِ خلافت (۱۹۱۹۔۱۹۲۲) شروع ہوئی جس کا مطالبہ تھا کہ ترکی کی سلطنت عثمانیہ کے انتشار کو روکنے کے لیے ہندوستانی مسلمان برطانوی حکومتِ ہند پر دباؤ بنائیں۔اس تحریک کے لیڈروں میں مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور مولانا ابوالکلام آزاد اور حکیم اجمل خان کے نام سرفہرست ہیں۔انڈین نیشنل کانگریس نے سیاسی مفاد کے لیے گاندھی کی قیادت میں اس تحریکِ خلافت کی حمایت کی تھی۔اور گاندھی ہی کی ایما پر تحریکِ خلافت کے رہنماؤں نے انڈین نیشنل کانگریس کی تحریکِ عدم تعاون (۱۹۲۰ء۔۱۹۲۲ء) میں شمولیت اختیار کر لی اور اس کو ہندو مسلم اتحاد اور یک جہتی کا نام دیا گیا۔ دراصل تحریکِ عدم تعاون سوراج کی طرف ایک پیش قدمی تھی جس کا پس منظر یہ تھا کہ ۱۹۱۹ء کے رولٹ ایکٹس کو شدید ہندوستانی احتجاج کے باوجود منظوری دے دی گئی تھی۔اس میں سیاسی قیدیوں کے حقوق کو منسوخ کر دیا گیا تھا۔اس لیے اس کی مخالفت کے لیے ہندوستانیوں نے احتجاجی جلسے شروع کیے۔اس احتجاج کو روکنے کے لیے برطانوی حکومت نے جبر و تشدد کا سہارا لیا۔جس کی وجہ سے ۱۹۱۹ء میں امرتسر کے جلیانوالہ باغ کے ''قتل عام'' کا واقعہ رونما ہوا۔اس کے ردِعمل میں تحریک خلافت اور تحریکِ عدم تعاون نے ایک ساتھ مل کر کام کرنے کا منصوبہ بنایا۔اس کے مطابق حکومت سے تعاون کرنے سے باز رہنے کی دعوت دی گئی۔سرکاری ملازمت ترک کرنے اور حکومت کے انتظامی اور تعلیمی اداروں کے بائیکاٹ کرنے کی مہم چلائی گئی۔تحریکِ خلافت کے لیڈروں نے ہندوستان کے دارالحرب ہو جانے کا اعلان کر کے تحریکِ ہجرت کا آغاز کر دیا۔مگر چوری چورا کے مشہور واقعے کے رونما ہونے کے بعد گاندھی نے اچانک تحریکِ عدم تعاون ختم کر دی۔تحریکِ خلافت کے رہنماؤں نے اس کے بعد الگ الگ راستے اپنائے۔سید عطاء شاہ بخاری نے مجلس احرارِ اسلام کی بنیاد رکھی، مولانا آزاد اور حکیم اجمل خان گاندھی اور کانگریس کے حمایتی رہے، اور علی برادران دھیرے دھیرے مسلم لیگ کی طرف مائل ہو گیے۔

اس طرح سے ہم دیکھتے ہیں کہ کانگریس، مسلم لیگ اور تحریکِ خلافت کے رہنماؤں میں وقتی مصالحت اور مفاہمت تو ہوئی مگر وہ دیرپا ثابت نہیں ہو سکی۔اس کی بنیادی وجہ پروفیسر مشیر الحسن کی رائے میں یہ تھی کہ یہ جماعتیں مذہبی احیائی تحریکات کے رویوں اور فرقہ رجحانات کے مسائل کو حل کرنے میں ناکام ثابت ہوئیں۔مثال کے طور پر انڈین نیشنل کانگریس جو سارے ہندوستانیوں کی نمائندہ جماعت ہونے کا دعویدار تھی اس کے ممبران میں بہت سے ایسے لوگ تھے جو کانگریس کے سیکولر نظریہ سے اتفاق نہیں رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ افراد کانگریس میں شامل رہنے کے باوجود گاؤکشی، شدھی تحریک اور ہندی زبان کے سلسلے میں فرقہ پرستانہ ذہنیت کی حمایت بھی کرتے تھے۔(تفصیل کے لیے دیکھیں: "Communal and Revivalist Trends in Congress" Social Scient, Feb, 1980, Vol. 8, No. 7, pp. 52-66)

تاہم تحریک خلافت کے لیڈروں نے اس کے برخلاف ہندو مسلم اتحاد کے نام پر بہت سے ایسے اقدامات بھی کیے جو شرعی طور پر قابل

مواخذہ تھے اور ہندو فرقہ پرستانہ مطالبات کے سامنے جھکنے اور مراعات دینے کے مترادف تھے۔ ان لیڈروں نے ''اتحاد اور یک جہتی'' کے نام پر موالات بالکفار اور مداہنت میں شرعی نصوص کی نئی تعبیر و تشریح پیش کی تھی۔ جس پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے گرفت فرمائی تھی اور معاملات اور موالات کے باریک فرق کو واضح فرمایا تھا۔

جہاں تک اس دور کے مذہبی منظرنامہ کی بات ہے تو انیسویں صدی کے نصف آخر اور بیسویں صدی کے نصف اول میں ایک طرف ہندوؤں کی کئی احیائی اور اصلاحی تحریکیں سرگرم عمل تھیں جب کہ مسلمانوں میں بھی کئی تحریکیں کام کر رہی تھیں۔ جہاں تک ہندو تحریکوں کی بات ہے تو ذیل میں بہت ہی اختصار میں ان کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

آریہ سماج:

۱۸۷۴ء مین دیانند سرسوتی نے آریہ سماج نامی ایک تنظیم قائم کی تھی۔ اس تنظیم نے اپنے نظریات کی بنیاد ویدوں پر رکھی تھی۔ اس کے ماننے والے زیادہ تر مغربی اور شمالی ہندوستان میں پائے جاتے تھے مگر اس کا نیٹ ورک مقامی، صوبائی اور آل انڈیا سطحوں پر کام کرتا تھا۔ اس نے اصنام پرستی، جانوروں کی قربانی، شردھا (موت کے بعد کی مخصوص رسم)، چھوت چھات، بچپنے کی شادی، تیرتھ یاترا، مذہبی پیشوائی، اور مندروں میں نذر و نیاز کی مخالفت کی تھی۔ اس تنظیم سے وابستہ افراد ذات پات کے نظام کو اہلیت ولیاقت (میرٹ) کی بجائے پیدائش پر مبنی مانتے تھے۔ یہ لوگ ویدوں ہی کو مستند سمجھتے تھے۔ کرما، سمسار (موت اور پنر جنم)، گائے کے تقدس، سمسار (انفرادی تبرک یا خیر و برکت)، آگ کی پرستش کے ویدک نذر و نیاز کی افادیت کے معتقد اور سماجی اصلاح کے نظریات کی حامل تھے۔ اس تنظیم کی تنقید بھی کی گئی ہے کہ یہ تنظیم انتہا پسند تھی جس کا اظہار اسلام اور عیسائیت کے ماننے والوں کے لیے ان کی جارحانہ عدم برداشت کی پالیسی میں نظر آتی ہے۔ اس سلسلے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ پہلی ہندو تنظیم تھی جس نے تبلیغ اور تبدیلی مذہب پر زور دیا۔ اور شدھی تحریک کی بنیاد ڈالی جس کا مقصد یہ تھا کہ جن ہندوؤں نے دوسرے مذاہب قبول کر لیے تھے، ان کو دوبارہ واپس ہندو دھرم میں داخل کیا جائے۔ شدھی تحریک میں نمایاں رول شردھانند کا تھا۔ یہ ہندی زبان کے استعمال کے حامی تھے۔ اس کے علاوہ اس تحریک کے لیڈرز اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جارحانہ اور گستاخانہ بیان کے کے لیے بھی جانے جاتے ہیں۔ اسی لیے عبدالرشید نامی ایک شخص نے شردھانند کا قتل کر دیا تھا اور اس کی پاداش میں وہ خود پھانسی کی سزا کے مستحق ہوئے۔ انڈین نیشنل کانگریس کے سرگرم رکن لالہ لاجپت رائے اس تحریک سے وابستہ تھے۔

راما کرشنا مشن:

یہ مشن ہندوؤں کی ایک مذہبی سوسائٹی ہے۔ اس کی بنیاد ۱۸۹۷ء میں وویکانند نے کولکاتا کے قرب و جوار میں رکھی تھی۔ اس کے اغراض و مقاصد میں سنت رام کرشنا کے فکر و عمل کی روشنی میں ویدانت کی تعلیمات کو فروغ دینا اور ہندوستانی لوگوں کی سماجی زندگی کو بہتر بنانا تھا۔ رام کرشنا نے ہندو دھرم، عیسائیت اور اسلام کا مطالعہ کیا تھا اور اس کے نتیجے میں اس نے ''وحدت ادیان'' کے فلسفہ پر عمل کیا اور یہ دعویٰ کیا تھا کہ سارے مذاہب ایک ہی منزل کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

ہندو مہا سبھا:

۱۹۱۵ء ہندو مہا سبھا کا قیام عمل میں آیا۔ یہ ایک پریشر گروپ تھا جو برطانوی حکومت کے سامنے اور کانگریس کے اندر ہندو مفادات کے تحفظ کے لیے دباؤ بناتا تھا۔ یہ سبھا ہندوؤں کی شیرازہ بندی اور ہندو سماج میں سماجی اصلاح پر زور دیتی تھی۔ ہری دوار کے کمبھ میلا میں گاندھی اور شردھا نند اس کے قیام کی تقریب میں شریک ہوئے تھے۔ انڈین نیشنل کانگریس کے چار بار صدر رہ چکے مدن موہن مالویہ (بنارس ہندو یونیورسٹی کے بانی) اور پنجاب کے لیڈر لالہ لاجپت رائے کے نام اس سبھا کے ممبران کی فہرست میں شامل ہیں۔ مالویہ کی سربراہی میں مہا سبھا ہندوؤں کے سیاسی اتحاد، تعلیمی اور معاشی استحکام اور مسلمانوں کو ہندو دھرم میں شامل کرنے پر زور دیتی تھی۔ ویناٹک دامودر ساورکر نے ۱۹۳۰ء کی دہائیوں میں ہندوتوا کی سوچ کو پروان چڑھایا اور انڈین نیشنل کانگریس کی سیکولر قومیت کے سخت مخالف ہوگیے۔ کہا جاتا ہے کہ اس مہا سبھا نے گاندھی کی ۱۹۳۰ء کی ''سول نافرمانی کی تحریک'' اور ۱۹۴۲ء کی ''بھارت چھوڑ و تحریک'' کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ اس سبھا نے دوسری عالمی جنگ میں انگریزوں کی کی حمایت کی تھی۔ مگر موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آل انڈیا مسلم لیگ اور دوسری پارٹیوں کے ساتھ گٹھ جوڑ سے بھی پرہیز نہیں کرتی تھی۔ اسی لیے ۱۹۴۳ء میں مہر چند کھنّہ نے حکومت سازی کے لیے مسلم لیگ کے سردار اورنگ زیب خان کا ساتھ دیا تھا۔ اور شیاما پرساد مکھرجی نے اے۔ کے۔ فضل الحق کی کرشک پرجا پارٹی کے ساتھ بنگال میں حکومت بنائی تھی۔ اسی سبھا کے ایک ممبر ناتھورام گوڈسے نے موہن داس کرم چند گاندھی کا قتل کردیا اور اس کے نتیجے میں یہ مہا سبھا پردۂ خفا میں چلی گئی اور اس کی جگہ بھارتیہ جن سنگھ نے لے لی۔

دوسری طرف ہندوستانی مسلمانوں میں چند نئی تحریکات جنم لے رہی تھیں یا سرگرمی کے ساتھ کام کررہی تھیں۔ ان کا تحریکوں کا مطالعے اور تجزیے سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ یہ نومولود جماعتیں بھی سیاسی مفادات کے لیے دین و مذہب کی نئی تعبیر اور نئی تشکیل پر زور دیتی تھیں۔ ان میں شاہ اسماعیل دہلوی کی تحریک وہابیت،، صلح کلیت (تحریک ندوۃ العلما)، جمعیۃ علمائے ہند، مرزائیت وقادیانیت اور رافضیت وتفضیلیت کے نام نمایاں طور پر لیے جاسکتے ہیں۔ چوں کہ قارئین ان کے افکار ونظریات سے کم و بیش واقفیت رکھتے ہیں اس لیے بہ خوف طوالت ان کی تفصیل کے بیان سے ہم پہلو تہی کرتے ہیں۔

یہ تھا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی کے عہد یعنی انیسویں صدی کے نصف آخر اور بیسویں صدی کے نصف اول میں ہندوستان کا سیاسی اور مذہبی منظر نامہ۔ اس دور میں انہوں نے امت مسلمہ کی رہنمائی فرمائی۔ لائحۂ عمل عطا فرمایا اور عملی اقدامات بھی کیے۔ ان کی نگارشات کا مطالعہ کسی بھی قاری کو ان بصیرت اور فراست کے اعتراف پر مجبور کرتا ہے۔ ان کی فکر اور ان کے عمل کا محور دین و مذہب کی حقانیت کا اثبات تھا اور ان کی تعبیر و تشریح میں قرآن وحدیث اور اجماع امت پر اعتماد فرماتے تھے۔ جدیدیت اور عقلیت کے نام پر دین و مذہب کی ''تشکیل جدید'' اور ''تعبیر نو'' میں اہل مغرب کے منہاجیاتی اصول کے استعمال کے سخت خلاف تھے۔ دنیاوی اور سیاسی مفاد کے لیے تعلیمات اسلام کی تحریف کی کوششوں کو ناپسند فرماتے تھے اور ان کا رد بلیغ فرماتے تھے۔ اور یہی صفت ہوتی ہے ایک عالم ربانی کی۔ اسلام کے مقابلے میں جب کبھی کفر سینہ سپر ہوا اور حق کے خلاف جب کبھی باطل نے سر ابھارا تو

اہل اسلام اور اہل حق نے پوری جرأت و استقامت کے ساتھ ان کا چیلنج قبول کیا اور تاریخ کے نازک ترین لمحات میں بھی انہوں نے تاحدِ امکان کسی بھی صورت میں حق وصداقت کا پرچم سرنگوں نہ ہونے دیا۔اس راہ میں انہوں نے بڑی سے بڑی قربانی دے کر اپنے خونِ جگر سے شجرِ اسلام کی آبیاری کی ۔آنے والی نسل کو یہ پیغام دے کر وہ اس جہاں سے رخصت ہوئے کہ شریعت واحکامِ شریعت ہر حال میں سارے دنیاوی تقاضوں پر مقدم ہیں اور ہمارا مطلوب ومقصود ہر حال میں یہی شریعت واحکام شریعت ہیں ۔اسی احساس و شعور اور جذبۂ حق کے ساتھ علمائے حق نے باطل افکار وتحریکات کے مقابلے میں قافلۂ حق وصداقت کی قیادت اور پیشوائی کا گراں قدر فریضہ انجام دیا۔سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت کو انہوں نے ہر حال میں صراط مستقیم پر گامزن رکھا۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی کسی دنیاوی حرص وطمع کے شکار نہیں ہوئے ۔انہوں نے ہمیشہ اپنے دین پر نظر رکھی اور اپنی شریعت کو رہنما بنایا۔اپنے آپ کو انہوں نے مرضیات الٰہی کا تابع بنایا اور جو کچھ انہوں نے کہا اور کیا اس میں طلب رضائے الٰہی کے سوا کسی چیز کی آمیزش نہ ہونے دی۔اس لیے وہ کامیاب وسرخرو ہوئے ۔اور ان کی دینی بصیرت و استقامت نے انہیں فوز وفلاح کی منزل سے ہم کنار کیا۔یوں تو ایسے علمائے حق کی تعداد بہت ہے۔جنہوں نے مختلف شعبہائے علم وعمل میں اپنی خدمات سے چودہویں صدی ہجری کے اندر اسلام وایمان اور شریعت وطریقت کی حفاظت و پاسبانی کے روشن نقوش اسلامی تاریخ ہند کے صفحات پہ ثبت کیے لیکن کچھ نام ایسے بھی ہیں جن کی اہمیت وعظمت ان سب کے درمیان واضح ومسلم ہے۔اور ان کے علم وفضل، ارشاد وہدایت، اور فیض و برکت کے چشمے ہندو پاک وبنگلہ دیش کے طول وعرض میں اور ان کے علاوہ بھی دنیا کے مختلف خطوں میں آج بھی جاری ہیں اور ایک عالم ان سے مستفید ہو رہا ہے۔جن مذہبی وروحانی شخصیات نے ایسے سنگین حالات میں سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت کو اس کے ماضی سے وابستہ رکھ کر اصلاحِ حال پر اپنی توجہ مرکوز رکھی اور جادۂ مستقیم پر اسے چلاتے رہے ان میں ایک نمایاں نام فقیہ اسلام امام احمد رضا خان بریلوی ہے۔

انڈین نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ کی تحریکی اور تنظیمی سرگرمیوں کے بالمقابل اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی نے ہندوستان میں امت مسلمہ کو جو رہنمائی فراہم کی اس میں سیاست اور مذہب کے حوالے سے دین وشریعت کے اصول وضوابط کی کی مکمل رعایت کی گئی تھی ۔ برطانوی استعمار کے ماتحت ہندوستان کی شریعت حیثیت کی وضاحت کی گئی تھی کہ ہندوستان دارالاسلام ہے۔سیاست اور مذہب کے دائروں کا بیان تھا اور غیر مسلموں کے ساتھ تعامل کی صورتوں اور راہوں کی تشریح بھی تھی ۔اسی لیے جب کانگریس اور لیگ اپنے مطالبات کے ساتھ حکومت سے برسرکار پیکار تھے تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے امت مسلمہ کو دو ایسے لائحۂ عمل پیش کیے جن پہلے درپیش مسائل کی نشاندہی کی گئی تھی ۔ان میں سے ایک کو ''دس نکاتی پروگرام'' اور دوسرے کو ''تدبیر فلاح و صلاح ونجات'' کے عناوین کے تحت بیان کیا جاتا ہے۔اول الذکر کا چرچا بہت زیادہ ہوتا ہے مگر ان دس نکات کے بیان سے پہلے ''مجموعی مرکز'' کی تشکیل سے پہلے جن توجہ طلب امور کو ذکر فرمایا ہے ان کی اہمیت وافادیت مسلم ہے۔اتحاد واتفاق کی اہمیت، حبِ جاہ، شہرت طلبی، تکبر وحسد کی آفات اور نقصانات، مالی وسائل کے استعمال میں میانہ روی اور حکمت عملی جیسے مسائل کا تجزیہ کیا ہے

اور تحریک اور تنظیم کے افراد (اغنیاء و امراء اور علماء) کے رویوں پر بے لاگ تبصرہ فرمایا ہے۔

مولانا شاہ محرم علی صاحب چشتی، صدر ثانی انجمن نعمانیہ لاہور، نے ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء یا ۱۹۱۲ء میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی کی خدمت میں ایک طویل مراسلہ لکھا تھا۔ جس میں دس سوالات تھے۔ ان میں سوال نمبر ۵ اور ۶ حسب ذیل تھے: ''کیا جناب کی رائے میں حنیف حنفیوں کا مجموعی مرکز بنانے اور ان کو تقویت دینے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کی کیا تدابیر اور سامان جناب کے خیال میں ہیں؟'' ''لامذہبوں کے پنجاب میں بالخصوص اور بدمذہبوں کے بالعموم حملوں کی مدافعت کی کیا تدابیر جناب کے خیال مبارک میں ہیں؟'' ان کے جواب میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان ارشاد فرماتے ہیں: ''خالص اہل سنت کی ایک قوت اجتماعی کی ضرور ضرورت ہے۔ مگر اس کے لیے تین چیزوں کی سخت حاجت ہے: (۱) علما کا اتفاق، (۲) تحمل مشاق قدر بالطاق (۳) امراء کا انفاق لوجہ الخلاق۔ یہاں سب باتیں مفقود ہیں۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہمارے اغنیا نام چاہتے ہیں۔ معصیت بلکہ صریح ضلالت میں ہزاروں اڑا دیں۔ خزانوں کے منہ کھول دیں۔ [۔۔۔۔] مگر کسی سنی مدرسہ کو بھی یہ دن نصیب ہوا؟ [۔۔۔۔] علماء کی یہ حالت ہے کہ رئیسوں سے بڑھ کر آرام طلب ہیں۔ حمایت مذہب کے نام سے گھبراتے ہیں۔ جو بندۂ خدا اپنی جان اس پر وقف کرے اسے احمق بلکہ مفسد سمجھتے ہیں۔ مداہنت ان کے دلوں میں پیری ہوئی ہے۔ ایام ندوہ میں ہندوستان بھر کا تجربہ ہوا۔ عباراتِ ندوہ سن کر ضلالت ضلالت کی رٹ لگا دیں۔ اور جب کہیے حضرت لکھ دیجیے، بھائی لکھواؤ نہیں، ہمارے فلاں دوست برا مانیں گے۔ ہمارے فلاں استاد کو برا لگے گا۔ بہت کو یہ خیال کہ مفت میں اوکھلی میں سر دے کر موسل کون کھائے۔ بدمذہب دشمن ہو جائیں گے۔ دانتوں پر رکھ لیں گے۔ گالیاں، پھبتیاں اخباروں، اشتہاروں میں چھاپیں گے۔ طرح طرح کے بہتان، افتراء اچھالیں گے۔ اچھی بچھی جان کو کون جنجال میں ڈالے۔ بعض کو یہ کد کہ حمایت مذہب کی تو صلح کھلی نہ رہے گی۔ ہر دل عزیزی جا کر پلاؤ، قورمے، نذرانہ میں فرق آئے گا۔ یا کم از کم آؤ بھگت تو عام نہ رہے گی۔

اتفاق علماء کا یہ حال کہ حسد کا بازار گرم، ایک کا نام جھوٹوں بھی مشہور ہوا تو بہتیرے سچے اس کے مخالف ہو گئے۔ اس کی توہین، تشنیع میں گمراہوں کے ہم زبان بنے کہ ''ہیں'' لوگ اسے پوچھتے ہیں۔ اور ہمیں نہیں پوچھتے۔ اب فرمائیں کہ وہ قوم کہ اپنے میں کسی ذی فضل کو نہ دیکھ سکے، اپنے ناقصوں کو کامل، قاصروں کو ذی فضل بنانے کی کیا کوشش کرے گی۔ حاشا یہ کلیہ نہیں مگر ''للاکثر حکم الکل۔'' (اکثر کا حکم وہی ہوتا ہے جو کل کا ہوگا ہے۔ ت)۔

الحمد للہ یہاں متکلم (اعلیٰ حضرت) عموم کلام سے ضرور خارج ہے۔ **ولوجہ ربی الحمد ابدا**۔ (میرے پروردگار کی ذات کے لیے ہمیشہ حمد ہے۔ ت)۔ فقیر میں لاکھوں عیب ہیں مگر میرے رب نے مجھے حسد سے بالکل پاک رکھا ہے۔ اپنے سے جسے زیادہ پایا اگر دنیا کے مال و منال میں زیادہ ہے۔ قلب نے اندر سے اسے حقیر جانا۔ پھر حسد کیا حقارت پر؟ اور اگر دینی شرف و افضال میں زیادہ ہے اس کی دست بوسی و قدم بوسی کو اپنا فخر جانا۔ پھر حسد کیا اپنے معظم بابرکت پر؟ اپنے میں جسے حمایتِ دین پر دیکھا اس کے نشر فضائل اور خلق کو اس کی طرف مائل کرنے میں تحریراً و تقریراً ساعی رہا۔ اس کے لیے عمدہ القاب وضع کر کے شائع کیے جس

میری کتاب ''المعتمد المستند'' وغیرہ شاہد ہیں۔

حسد شہرت طلبی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور میرے رب کریم کے وجہ کریم کے لیے حمد ہے کہ میں نے کبھی اس کے لیے خواہش نہ کی۔ بلکہ ہمیشہ اس سے نفور اور گوشہ نشینی کا دلدادہ رہا۔ جلسوں اور انجمنوں کے دوروں سے دور رہنا انہیں دو وجہ پر تھا۔ اول: حبِّ خُمول۔ دوم: زمانہ می نخرد عیب وغیر از نیم نیست۔ کجا برم خرِ خود را بایں کسادِ متاع۔ (زمانہ عیب دار کو خریدتا نہیں اور میرے پاس اس کے علاوہ نہیں ہے۔ اس کھوٹے سامان کے ساتھ اپنے گدھے کو کہاں لے کر جاؤں۔ ت)۔ اور اب تو سالہا سال سے شدت ہجومِ کار وانعدامِ کلی فرصت وغلبۂ ضعف ونقاہت نے بالکل ہی بٹھا دیا ہے۔ جسے میرے احباب نے نازک مزاجی بلکہ بعض حضرات نے غرور وتکبر پر حمل کیا۔ اور اللہ اپنے بندہ کی نیت جانتا ہے۔ بالجملہ اہل سنت سے امور ثلثہ مفقود ہیں۔ پھر فرمائیں صورت کیا ہو۔ دفعِ گمراہان میں جو کچھ اس حقیر ہیچ میرز سے بن پڑتا ہے بحمد اللہ تعالی ۱۴ برس کی عمر سے اس میں مشغول ہے۔ اور میرے رب کریم کے وجہ کریم کو حمد کہ اس نے میری بساط، میرے حوصلے، میرے کاموں سے ہزاروں درجہ زائد اس سے نفع بخشا۔ باقی جو آپ چاہتے ہیں اسی قوت متفقہ پر موقوف ہے۔ جس کا حال اوپر گزارش ہوا۔ بڑی کمی امراء کی بے توجہی اور روپے کی ناداری ہے۔ حدیث کا ارشاد صادق آیا کہ ''وہ زمانہ آنے والا ہے کہ دین کا کام بھی بے روپیہ کے نہ چلے گا''۔ کوئی با قاعدہ عالی شان مدرسہ تو آپ کے ہاتھ میں نہیں۔ کوئی اخبار پرچہ آپ کے یہاں نہیں۔ مدرسین، واعظین، مناظرین، مصنفین کی کثرت بقدر حاجت آپ کے پاس نہیں۔ جو کچھ کر سکتے ہیں فارغ البال نہیں۔ جو فارغ البال ہیں وہ اہل نہیں۔ بعض نے خون جگر کھا کر تصانیف کیں تو چھپیں کہاں سے۔ کسی طرح کچھ چھپا تو اشاعت کیونکر ہو۔ دیوان نہیں، ناول نہیں کہ ہمارے بھائی دو آنے کی چیز کا ایک روپیہ دے کر شوق سے خریدیں۔ یہاں تو سر چپیٹنا ہے۔''

اس کے بعد اعلی حضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان مناسب لائحہ عمل پیش کرتے ہیں۔ اس میں افراد سازی کی اہمیت اور ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں: ''روپیہ وافر ہو تو ممکن کہ یہ سب شکایات رفع ہوں۔ اولاً: عظیم الشان مدارس کھولے جائیں۔ با قاعدہ تعلیمیں ہوں۔ ثانیاً: طلبہ کو وظائف ملیں کہ خواہی نخواہی گرویدہ ہوں۔ ثالثاً: مدرِسوں کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کارروائیوں پر دی جائیں کہ لالچ سے جان توڑ کر کوشش کریں۔ رابعاً: طبائع طلبہ کی جانچ ہو۔ جو جس کام کے زیادہ مناسب دیکھا جائے معقول وظیفہ دے کر اس میں لگایا جائے۔ یوں ان میں کچھ مدرسین بنائے جائیں۔ کچھ واعظین، کچھ مصنفین، کچھ مناظرین۔ پھر تصنیف ومناظرہ میں بھی توزیع ہو۔ کوئی کسی فن پر، کوئی کسی پر۔ خامساً: ان میں جو تیار ہوتے جائیں، تنخواہیں دے کر ملک میں پھیلائے جائیں کہ تحریراً وتقریراً، وعظاً ومناظرۃً اشاعت دین و مذہب کریں۔ مولانا! اس گئی گزری حالت میں تو کوئی بفضلہٖ تعالی آپ کے سامنے آ نہیں سکتا۔ دور سے غل مچاتے اور وقت پر دُم دباتے ہیں۔ جب آپ کے اہل علم یوں ملک میں پھیلیں اس وقت کون ان کی قوت کا سامنا کر سکتا ہے۔ سادساً: حمایت (مذہب) ورد بد مذہباں میں مفید کتب و رسائل مصنفوں کو نذرانے دے کر تصنیف کرائے جائیں۔ سابعاً: تصنیف شدہ اور نو تصنیف رسائل عمدہ اور خوش خط چھاپ کر ملک میں مفت

شائع کیے جائیں۔ ثامناً: شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں۔ جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو، آپ کو اطلاع دیں۔ آپ کوسرکوبی اعداء کے لیے اپنی فوجیں میگزین رسالے بھیجتے رہیں۔ تاسعاً: جو ہم میں قابل کار موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں وظائف مقرر کرکے فارغ البال بنائے جائیں۔ اور جس کام میں انہیں مہارت ہو لگائے جائیں۔ عاشراً: آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں مضامین تمام ملک میں بقیمت و بلا قیمت روزانہ یا کم از کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔ میرے خیال میں تو یہ تدابیر ہیں۔ آپ اور جو کچھ بہتر سمجھیں افادہ فرمائیں۔ بلکہ مولانا! روپیہ ہونے کی صورت میں اپنی قوت پھیلانے کے علاوہ گمراہوں کی طاقتیں توڑنا بھی ان شاء اللہ العزیز آسان ہوگا۔ [۔۔۔۔] دیکھیے حدیث کا ارشاد کیسا صادق ہے کہ:

''آخرزمانہ میں دین کا کام بھی درم و دینار سے چلے گا'' فتاویٰ رضویہ، جلد: ۲۹؛ص: ۵۹۷۔۶۰۰، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ ایک عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ وقت کے ایک عظیم مدبر اور سیاست داں بھی تھے، وہ سیاسی معاملات میں عام روش سے ہٹ کر سلامت روی، اعتدال پسندی، دوراندیشی اور تدبر و تحمل کے قائل تھے۔ وہ سیاسی مصلحتوں کی بناء پر شریعت کے کسی حکم سے اعراض کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ سیاسی معاملات میں اشتعال انگیزی اور جذباتیت کو پسند نہ کرتے تھے اور نہ ہی قوم پرستانہ سیاست پر وحدتِ ملی کو قربان کرنے کے لیے تیار تھے۔ ان کے سیاسی افکار و نظریات میں آج کے دور کے مذہبی اور سیاسی قائدین کے لیے بھی روشن رہنمائی موجود ہے۔ اسی لیے جب پہلی عالمی جنگ میں سلطنت عثمانیہ کی حفاظت اور حمایت کا مسئلہ موضوع بحث بنا تو اعلی حضرت امام احمد رضا خان بریلوی نے ''تدبیر صلاح و فلاح و نجات'' پیش کی۔ اس میں مسلمانوں کو اپنی اجتماعی زندگی کو بہتر بنانے کی دعوت دی۔ اور بدلتی دنیا کے سیاسی، معاشی، سماجی اور تعلیمی حالات کے پیش نظر مناسب رویہ اپنانے کی تلقین فرمائی۔

کلکتہ کے حاجی لعل خان صاحب کے جواب میں اعلی حضرت امام احمد رضا خان بریلوی نے ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۲ء میں تدبیر فلاح و نجات واصلاح کا نظریہ دیا تھا۔ اس زمانے میں آل انڈیا مسلم لیگ اور انڈین نیشنل کانگریس اپنے منصوبے کی تکمیل کے لیے کوشاں تھے مگر الگ الگ تھے۔ اعلی حضرت فرماتے ہیں: ''آپ پوچھتے ہیں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے۔ اس کو جواب میں کیا دے سکتا ہوں۔ اللہ عزوجل نے تو مسلمانوں کے جان و مال جنت کے عوض خریدے ہیں: ''**ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسهم و اموالهم بانّ لهم الجنة۔**'' (بے شک اللہ نے مسلمانوں کے جان اور مال خرید لیے ہیں اس بدلے پر کہ ان کی لے جنت ہے۔) مگر ہم ہیں کہ مبیع دینے انکار اور ثمن کے خواستگار۔ ہندی مسلمانوں میں یہ طاقت کہاں کہ وطن و مال واہل وعیال چھوڑ کر ہزاروں کوس دور جائیں اور میدان جنگ میں مسلمانوں کا ساتھ دیں۔ مگر مال تو دے سکتے ہیں۔ اس کی حالت بھی سب آنکھوں دیکھ رہے ہیں۔ وہاں مسلمانوں پر یہ کچھ گزر رہی ہے۔ یہاں وہی جلسے ہیں وہی رنگ، وہی تھیٹر وہی امنگ۔ وہی تماشے وہی بازیاں، وہی غفلتیں وہی فضول خرچیاں۔ ایک بات کی بھی کمی نہیں۔'' فتاوی رضویہ، جلد ۱۵/ص: ۱۴۳، رضا فاؤڈیشن، لاہور)

اس کے بعد تدابیر اور اقدامات کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ہاں اپنی حالت سنبھالنا چاہتے ہیں تو ان لڑائیوں پر کیا

موقوف تھا، ویسے ہی چاہیے تھا کہ :اولاً: باستثناء ان معدود باتوں کے جن میں حکومتم کی دست اندازی ہو، اپنے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لیتے، اپنے سب مقدمات اپنے آپ فیصل کرتے ۔ یہ کروڑوں روپے جو اسٹامپ و وکالت میں گھسے جاتے ہیں، گھر گھر تباہ ہوگیے اور ہوئے جاتے ہیں، محفوظ رہتے ۔ثانیاً: اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خردتے کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہتا۔ اپنی حرفت و تجارت کوترقی دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے ۔ یہ نہ ہوتا کہ یورپ وامریکہ والے چھٹا نک بھرتانبا کچھ صناعی کی گھڑنت کرکے گھڑی وغیرہ نام رکھ کرآپ کو دیے جائیں اوراس کے بدلے پاؤ بھر چاندی آپ سے لے جائیں ۔ثالثاً: بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کےتونگر مسلمان اپنے بھائی مسلمانوں کے لیے بینک کھولتے ،سود شرع نے حرام قطعی فرمایا ہے۔مگراور سوطریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں ۔جن کا بیان کتبِ فقہ میں مفصل ہے۔اوراس کا ایک نہایت آسان طریقہ کتاب کفل الفقیہ الفاھم میں چھپ چکا ہے۔ان جائز طریقوں پر بھی نفع لیتے کہ انہیں بھی فائدہ پہنچتااوران کے بھائیوں کی بھی حاجت برآتی۔اورآئے دن جومسلمانوں کی جائدادیں بنیوں کی نذر ہوئی چلی جاتی ہیں۔ان سے بھی محفوظ رہتے ۔اگر بنیوں کی جائداد ہی لی جاتی ۔مسلمان ہی کے پاس رہتی ۔ یہ تو نہ ہوتا کہ مسلمان ننگےاور بنیے تنگے ۔رابعاً: سب سے زیادہ اہم،سب کی جان،سب کی اصلِ اعظم وہ دین متین تھا جس کی رسی مضبوط تھامنے نے اگلوں کوان مدارج عالیہ پر پہنچایا۔ چاردانگِ عالم میں ان کی ہیبت کا سکہ بٹھایا، نانِ شبینہ کے محتاجوں کو بلند تاجوں کا مالک بنایا۔ اوراسی کے چھوڑنے نے پچھلوں کو یوں چاہِ ذلت میں گرایا۔ **فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم!** دین متین علمِ دین سے وابستہ ہے۔علمِ دین سیکھنا، پھراس پرعمل کرنا اپنی دونوں جہاں کی زندگی چاہتے ،وہ انہیں بتادیتا، اندھو! جسے ترقی سمجھ رہے ہو سخت تنزل ہے۔ جسے عزت جانتے ہواشد ذلت ہے۔مسلمان اگر یہ چار باتیں اختیار لیں توان شاءاللہ العزیز آج ان کی حالت سنبھل جاتی ہے۔آپ کے سوال کا جواب تو یہ ہے۔مگر یہ توفرمایئے کہ سوال وجواب سے حاصل کیاجب کوئی اس پرعمل کرنے والا نہ ہو۔'' (فتاوی رضویہ،جلد ۱۵رص:۱۴۴۔۱۴۵،رضافاؤڈیشن، لاہور)

اعلی حضرت امام احمد رضا خان بریلوی کی بصیرت اورفراست پرتبصرہ کرتے ہوئے محمد جلال الدین قادری لکھتے ہیں کہ ابتدائی طورکوئی نظریہ پیش کرنا اسی صورت میں ممکن ہوتا ہے جب ماضی کے حالات کا صحیح تجزیہ کےساتھ ساتھ برسوں بعد پیش آنے والے حالات اورواقعات پر بھی گہری نظر ہو۔عرف عام میں یہی چیز''فراست'' کہلاتی ہے۔یہی فراست جب ایمان کی دولت سے مالامال ہوتی ہے اورانوارربانی سے ہدایت لیتی ہے توحقیقت کی نقاب کشائی ہوتی ہے۔اسی حقیقت کی طرف سرکار دوعالم ﷺ نے ارشادفرمایا:''**اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنوراللہ۔**''۔اسی فراست ایمانی کی بدولت اہل سنّت کےعظیم رہنماامام احمد رضا خان بریلوی (قدس سرہ) نے ۱۸۹۷ء میں اوراس کے بعد ایک سوال کے جواب میں ۱۹۲۰ء میں جوکچھ فرمایا، وہی دوقومی نظریہ کی بنیاد بنا۔آپ نے مسلمانوں کو ہندواورانگریز کی فریب کاریوں سے بروقت متنبہ کیا۔امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ نے اس نازک دور میں مسلمانوں کی صحیح اور بروقت رہنمائی فرمائی جب کہ بڑے بڑے لیڈر گاندھی کی آندھی کا شکار ہوچکے تھے۔مولانا عبدالباری فرنگی محلی ،مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، علامہ اقبال اورخود قائداعظم بھی ابھی تک ہندومسلم اتحاد کی مضرت کا نکتہ نہ سمجھ پائے

تھے۔اور ہندو مسلم اتحاد کے داعی تھے۔ان کی کوششیں بھی اس قسم کے اتحاد کے لیے وقف تھیں۔[۔۔۔۔۔] فاضل بریلوی کی یہ درد بھری مخلصانہ رہنمائی ہی تھی جس سے متأثر ہوکر مذکورہ حضرات بھی آپ کی اور آپ کے تلامذہ وخلفاء کی کوششوں سے دوقومی نظریہ کے حامی ومؤید بن گیے۔'' (محمد جلال الدین قادری، خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس ۱۹۲۵ء یا ۱۹۴۷ء، (گجرات: مکتبہ رضویہ)، ۱۹۷۸ء، ص: ۲۱۔۲۳)

اسی لیے جب ہندوستانی کی شرعی حیثیت گفتگو شروع ہوئی اور کچھ لیڈروں نے تحریک خلافت کے ساتھ ''تحریک ہجرت'' کا بگل بجایا تو اس تناظر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے ایک رسالہ ''**دوام العیش من الائمۃ من قریش**'' ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء میں ہجری میں تصنیف فرمایا تھا۔اس میں آپ فرماتے ہیں کہ سلطنت عثمانیہ کو خلافیت شرعیہ نہیں کہا جاسکتا۔ کیوں کہ عثمانی سلاطین قرشی نہیں تھے۔ تاہم ان کی حمایت اور امداد بشرط استطاعت کی جانی چاہئے ۔ وہ فرماتے ہیں: ''سلطنت علیہ عثمانیہ ایدھا اللہ تعالی نہ صرف عثمانیہ، ہر سلطنت اسلام، نہ صرف سلطنت، ہر جماعت اسلام، نہ صرف جماعت، ہر فردِ اسلام کی خیر خواہی ہر مسلمان پر فرض ہے۔اس میں قرشیت شرط ہونا کیا معنی۔ دل سے خیر خواہی مطلقا فرض عین ہے۔اور وقت ِحاجت دعا سے امداد واعانت بھی ہر مسلمان کو چاہئے کہ اس سے کوئی عاجز نہیں اور مال یا اعمال سے اعانت فرضِ کفایہ ہے۔اور ہر فرض بقدر ِقدرت، ہر حکم بشرط استطاعت۔قال اللہ تعالی: ''**لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔ وقال تعالی: فاتقوا اللہ ما استطعتم۔**'' (اللہ تعالی نے فرمایا: اللہ کسی نفس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔اور اللہ تعالی نے فرمایا: تو اللہ سے ڈرو جہاں تک ہو سکے۔) مفلس پر اعانتِ مال نہیں، بے دست و پا پر اعانتِ اعمال نہیں، ولہذا مسلمانانِ ہند پر حکمِ جہاد وقتال نہیں۔ بادشاہِ اسلام اگر چہ غیر قرشی ہو، اگر چہ کوئی غلام حبشی ہو، امور جائزہ میں اس کی اطاعت تمام رعیت اور وقتِ حاجت اس کی اعانت بقدر استطاعت سب اہل کفایت پر لازم ہے۔البتہ اہل سنت کے مذہب میں خلافت شرعیہ کے لیے ضرور قرشیت شرط ہے۔اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے متواتر حدیثیں ہیں۔اسی پر صحابہ کا اجماع، تابعین کا اجماع، اہل سنت کا اجماع ہے۔اس میں مخالف نہیں مگر خارجی یا کچھ معتزلی۔کتب عقائد وکتب حدیث وکتبِ فقہ اس سے مالا مال ہیں۔ بادشاہ غیر قرشی کو سلطان، امام، امیر، والی، ملک کہیں گے۔مگر شرعاً خلیفہ یا امیر المؤمنین کہ یہ بھی عرفاً اسی کا مترادف ہے، ہر بادشاہ قرشی کو بھی نہیں کہ سکتے۔سوا اس کے جو ساتوں شروطِ خلافت، اسلام، عقل، بلوغ، حریت، ذکورت، قدرت، قرشیت سب کا جامع ہوکر تمام مسلمانوں کا فرماں روائے اعظم ہو۔[۔۔۔۔] اسم خلافت میں یہ شرعی اصطلاح ہے۔ جملہ صدیوں میں اسی پر اتفاقِ مسلمین رہا۔'' (فتاوی رضویہ، جلد ۱۴/ص: ۱۷۴۔۱۷۵، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

تحریک خلافت کے لیڈروں کے افکار وخیالات پر ناقدانہ تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''جب مسئلہ یوں تھا اور بے شک تھا کہ متغلب کی بھی سلطنت صحیح اور اطاعت واجب، تو کیا ضرورت تھی کہ خواہی نخواہی مسئلہ خلافت چھیڑا جائے، اجماعِ صحابہ و امت اکھیڑا جائے، مذہب اہل سنت وجماعت ادھیڑا جائے۔سلطانِ اسلام بلکہ اعظم سلاطین موجودۂ اسلام کی اعانت بقدرِ قدرت کیا

واجب نہ تھی۔ ظاہراً اس شقِّ مسلمین ورد اجماع صحابہ وائمۂ دین ومخالفتِ مذہب اہل سنت و جماعت وموافقت خوارج وغیرھم اہل ضلالت میں تین فائدے سوچے: اولاً: در پردۂ حمایت ترکوں سے مخالفت جس پر باعث وہابیہ ودیوبندیہ سے یارانۂ موافقت، وہابی ودیوبندی ترکوں کو ابوجہل کے برابر مشرک جانتے ہیں جیسا کہ تمام اہل سنت کو یوں ہی مانتے ہیں۔ لہذا دل میں ان کے پکے دشمن ہیں اور دوست کا دشمن اپنا دشمن۔ اس لیے ان کی حمایت اس آواز سے اٹھائی جس میں مخالفت پیدا ہو۔ ثانیاً: اپنے محسود دین اہل سنت سے بخار نکالنا۔ معلوم تھا کہ کر تو کچھ نہیں سکتے۔ نہ خود، نہ وہ۔ خالی چیخ وپکار کا نام حمایت رکھنا ہے۔ اہل محفل ودین اول تو غوغاے بے ثمر کو خود ہی عبث جان کر صرف توجہ الی اللہ پر قانع رہیں گے۔ اور اگر شاید شرکت چاہیں تو انہیں مذہب اہل سنت ہر شئی سے زیادہ عزیز ہے۔ مذہب ہی ان کے نزدیک چیز ہے۔ لہذا ایسے لفظ کی چلاّ ہٹ ڈالو جو خلاف مذہب اہل سنت ہو کہ وہ شریک ہوتے ہوں، تو نہ ہوں، اور کہنے کو موقع مل جائے کہ دیکھیے انہیں مسلمانوں سے ہمدردی نہیں۔ یہ تو معاذ اللہ نصاریٰ سے ملے ہوئے ہیں تا کہ عوام ان سے بھڑکیں اور دیوبندیت ووہابیت کے پنجے جمیں۔ ثالثاً: ترکوں کی حمایت تو محض دھوکے کی ٹٹی ہے۔ اصل مقصود بغلامی ہنود سوراج کی چکھی ہے۔ بڑے بڑے لیڈروں نے جس کی تصریح کر دی ہے۔ بھاری بھرکم خلافت کا نام لو۔ عوام بپھریں۔ چندہ خوب ملے۔ اور گنگا وجمنا کی مقدس زمینیں آزاد کرانے کا کام چلے۔ اے پس رو مشرکان بزمزم نرسی۔۔۔ کیں رہ کہ تو میروی بہ گنگ وجمن ست۔ (اے مشرکوں کے پیروکار! تو زمزم تک نہیں پہنچ سکتا۔ جس راہ پر تو چل رہا ہے یہ گنگا وجمنا کو جاتا ہے۔) سأل اللہ العفو والعافیۃ! ترکی سلاطینِ اسلام پر رحمتیں ہوں۔ وہ خود اہل سنت تھے اور ہیں۔ مخالفت انہیں کیوں کر گوارا ہوتی۔ انہوں نے خود خلافت شرعیہ کا دعویٰ نہ فرمایا۔ اپنے آپ کو سلطان ہی کہا، سلطان ہی کہلوایا۔ اس لحاظِ مذہب کی برکت نے انہیں وہ پیارا خطاب دلایا کہ امیر المؤمنین وخلیفۃ المسلمین سے دل کشی میں کم نہ آیا۔ یعنی خادم الحرمین الشریفین۔ کیا ان القاب سے کام نہ چلتا، جب تک مذہب واجماعِ اہل سنت پاؤں کے نیچے نہ کچلتا''۔ **نعوذبالله ممالا یرضاه والصلوة والسلام علی مصطفاه و اٰله وصحبه الاکارم الهداه۔** (فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۴/ص: ۲۲۴۔ ۲۲۶، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ہندوستان کے دارالاسلام ہونے پر اعلی حضرت امام احمد رضا خان بریلوی نے ایک مستقل رسالہ ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۸۱ء میں تصنیف فرمایا تھا۔ اس کا نام ''**اعلام الاعلام بان هندوستان دار الاسلام**'' ہے۔ اس میں آپ فرماتے ہیں: ''ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ بلکہ علمائے ثلٰثہ رحمۃ اللہ علیھم کے مذہب پر ہندوستان دارالاسلام ہرگز نہیں کہ دارالاسلام کے دارالحرب ہوجانے میں جو تین باتیں ہمارے امام اعظم امام الائمہ رضی اللہ تعالی عنہ کے نزدیک درکار ہیں ان میں سے ایک یہ کہ وہاں احکام شرک علانیہ جاری ہوں اور شریعتِ اسلام کے احکام وشعائر مطلقاً جاری نہ ہونے پائیں اور صاحبین کے نزدیک اسی قدر کافی ہے۔ مگر یہ بات بحمد اللہ یہاں قطعاً موجود نہیں۔ اہلِ اسلام جمعہ وعیدین واذان واقامت ونماز باجماعت وغیرہا شعائرِ شریعت بغیر مزاحمت علی الاعلان ادا کرتے ہیں۔ فرائض، نکاح، رضاع، طلاق، عدۃ، رجعت، مہر، خلع، نفقات، حضانت، نسب، ہبہ، وقف، وصیت، شفعہ وغیرہا، بہت معاملات مسلمین ہماری شریعت غراء بیضاء کی بنا پر فیصل ہوتے ہیں کہ ان امور میں حضرات علماء سے فتوی لینا اور اسی پر عمل وحکم

کرنا حکام انگریزی کو بھی ضرور ہوتا ہے۔ اگرچہ ہنود و مجوس و نصاری ہوں۔ اور بحمد اللہ یہ بھی شکوت و جبروت شریعت علیہ عالیہ اسلامیہ اعلی اللہ تعالی حکمہا السامیہ ہے کہ مخالفین کو بھی اپنی تسلیم اتباع پر مجبور فرماتی ہے۔ والحمدللہ رب العالمین۔'' (فتاوی رضویہ، جلد ۱۴/ص: ۱۰۵۔۱۰۶، رضا فاؤنڈیشن، لاہور) جن لوگوں نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا دعوی کیا تھا ان کے حوالے سے فرماتے ہیں: ''الحاصل ہندوستان کے دارالاسلام ہونے میں شک نہیں۔ عجب ان سے جو تحلیل ربٰو کے لیے (جس کی حرمت نصوص قاطعہ قرآنیہ سے ثابت اور کیسی کیسی سخت وعیدیں اس پر وارد) اس ملک کو دارالحرب ٹھہرائیں اور باوجود قدرت واستطاعت ہجرت کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔ گویا یہ بلا داسی دن کے لیے دارالحرب ہوئے تھے کہ مزے سے سودے لطف اڑائیے اور بآرام تمام وطن مالوف میں بسر فرمایئے۔'' (فتاوی رضویہ، جلد ۱۴/ص: ۱۱۴، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اس کے بعد جب تحریکِ خلافت کے لیڈروں نے گاندھی کی ''تحریکِ عدمِ تعاون'' (نان کوآپریشن موومنٹ) میں شامل ہوگیے اور ہندو و مسلم دوستی کا راگ الاپنے لگے۔ مشرکوں کی خوشنودی کی خاطر شعائر اسلام کو ترک کرنے اور مساجد اور مذہبی مقامات اور اجلاسوں میں مشرکوں کو اعزازی حیثیت دینے لگے اور اس ''دوستی'' کے لیے قرآنی آیات، نبوی ارشادات اور فقہی عبارات کی من مانی تشریح اور تاویل بلکہ تحریف و تبدیل پر اترنے لگے تو اعلی حضرت امام احمد رضا نے کفار اور مشرکین کے ساتھ معاملت اور موالات کے شرعی حدود کی وضاحت فرمائیں اور سیاسی مفادات پر قائم اس دوستی کے انجام اور خطرات کی پیش بینی اس طرح سے کی تھی کہ بعد کے ادوار میں بلکہ آج کے موجودہ دور میں وہ ظاہر ہو رہے ہیں۔

تحریکِ عدمِ تعاون میں شمولیت کے بعد تحریک خلافت کے لیڈر ابوالکلام آزاد نے ''تولیٰ'' کے معنی ''معاملت'' اور ترکِ موالات کو ''ترک معاملت'' قرار دیا تھا۔ اس سلسلے میں اسلامیہ کالج لاہور کے پروفیسر سائنس حاکم علی صاحب نقشبندی کے ایک سوال کے جواب میں اعلی حضرت امام احمد رضا خان بریلوی نے ایک مکمل رسالہ ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء میں تصنیف فرمایا تھا۔ اس کا نام ''**المحجة المؤتمنة فی اٰیة الممتحنة**'' ہے۔ اس سلسلے میں ان دونوں اصطلاحات کی وضاحت فرماتے ہوئے اعلی حضرت امام احمد رضا بریلوی لکھتے ہیں: ''موالات و مجرد معاملت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ دنیوی معاملت جس سے دین پر ضرر نہ ہو سوا مرتدین مثل وہابیہ دیوبندیہ وامثالھم کے کسی سے ممنوع نہیں، ذمی تو معاملت میں مثل مسلم ہے۔ **لھم مالنا و علیھم ماعلینا**۔ (ان کے لیے ہے جو ہمارے لیے ہے اور جو ان پر ہے ہم پر ہے۔) یعنی دنیاوی منافع میں ہماری طرح ان کو بھی حصہ دیا جائے گا اور دنیوی مواخذہ ان پر بھی وہی ہوگا جو ایک مسلمان پر کیا جائے گا۔ اور غیر ذمی سے بھی خرید و فروخت، اجارہ و استیجار، ہبہ واستیہاب بشروطہا جائز اور خریدنا مطلقاً ہر مال کا کہ مسلمان کے حق میں متقوم ہو اور بیچنا ہر جائز چیز کا جس میں اعانتِ حرب یا اہانتِ اسلام نہ ہو، اسے نوکر رکھنا جس میں کوئی کام خلافِ شرع نہ ہو، اس کی جائز نوکری کرنا جس میں مسلم پر اس کا استعلا نہ ہو، ایسے ہی امور میں اجرت پر اس سے کام لینا یا اس کا کام کرنا، بہ مصلحت شرعی اسے ہدیہ دینا جس میں کسی رسمِ کفر کا اعزاز نہ ہو، اس کا ہدیہ قبول کرنا جس سے دین پر اعتراض نہ ہو۔ حتیٰ کہ کتابیہ سے نکاح کرنا بھی فی نفسہ حلال ہے۔ وہ صلح کی طرف جھکیں تو مصالحت کرنا مگر وہ صلح کہ حلال کو حرام

کرے یا حرام کو حلال، یونہی ایک حد تک معاہدہ و موادعت کرنا بھی اور جائز عہد کرلیا اس کی وفا کرنا فرض ہے۔ اور غدر حرام۔ الی غیر ذلک من الاحکام۔'' (فتاوی رضویہ، جلد ۱۴ ص: ۴۲۰۔۴۲۱، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ '' وہ الحاق واخذِ امداد اگر نہ کسی امر خلافِ اسلام ومخالف شریعت سے مشروط، نہ اس کی طرف مُنجر، تو اس کے جواز میں کلام نہیں، ورنہ ضرور ناجائز وحرام ہوگا۔ مگر یہ عدمِ جواز اس شرط یا لازم کے سبب سے ہوگا۔ نہ بر بنائے تحریمِ مطلق معاملت جس کے لیے شرع میں اصلاً اصل نہیں۔ اور خود ان مانعین کا طرزِ عمل ان کے کذبِ دعوی پر شاہد۔ ریل، تار، ڈاک سے تمتع کیا معاملت نہیں ہے۔ فرق یہ ہے کہ اخذِ امداد میں مال لینا ہے اور ان کے استعمال میں دینا۔ عجب کہ مقاطعت میں مال دینا حلال ہوا اور لینا حرام۔ اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ریل، تار، ڈاک ہمارے ہی ملک ہیں۔ ہمارے ہی روپے سے بنے ہیں۔ سبحان اللہ! امداد تعلیم کا روپیہ کیا انگلستان سے آتا ہے۔ وہ بھی یہیں کا ہے۔ تو حاصل وہی ٹھہرا کہ مقاطعت میں اپنے مال سے نفع پہنچانا مشروع اور خود نفع لینا ممنوع۔ اس الٹی عقل کا کیا علاج۔ مگر اس قوم سے کیا شکایت جس نے نہ صرف شریعت، بلکہ نفس اسلام کو پلٹ دیا۔ مشرکین سے وِداد بلکہ اتحاد بلکہ غلامی وانقیاد فرض کیا۔ خوشنودیِ ہنود کے لیے شعارِ اسلام بند اور شعار کفر کا ماتھوں پر علم بلند، مشرکین کی جے پکارنا، ان کی حمد کے نعرے مارنا، انہیں اپنی اس حاجت دینی میں جسے نہ صرف فرض بلکہ مدارِ ایمان ٹھہراتے ہیں، یہاں تک کہ اس میں شریک نہ ہونے والوں پر حکم لگاتے ہیں۔ اپنا امام وہادی بنانا مساجد میں مشرک کو لے جا کر مسلمانوں سے اونچا کر کے واعظِ مسلمین ٹھہرانا، مشرک کی ٹکٹکی کندھوں پر اٹھا کر مرگھٹ میں لے جانا، مساجد کو اس کا ماتم گاہ بنانا، اس کے لیے دعائے مغفرت ونمازِ جنازہ کے اشتہار لگانا وغیرہ ناگفتہ بہ افعال موجبِ کفر ومورثِ ضلال، یہاں تک کہ صاف لکھ دیا کہ اگر اپنے ہندو بھائیوں کو راضی کرلو تو اپنے خدا کو راضی کرلوگے۔ صاف لکھ دیا کہ ہم ایسا مذہب بنانے کی فکر میں ہیں جو ہندو ومسلم کا امتیاز اٹھا دے گا اور سنگم و پریاگ کو مقدس علامت ٹھہرائے گا۔ صاف لکھ دیا کہ ہم قرآن وحدیث کی تمام عمر بت پرستی پر نثار کردی۔ یہ ہے موالات، یہ ہے حرام، یہ ہیں کفریات، یہ ہیں ضلال تام۔ **فسبحن اللہ مقلب القلوب و الابصار و لا حول و لا قوة الا باللہ الواحد القهار۔ واللہ تعالی اعلم۔** (فتاوی رضویہ، جلد ۱۴ ص: ۴۲۴۔۴۲۵، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ترکِ معاملت کو ترکِ موالات بنا کر قرآن عظیم کی آیتیں کہ ترکِ موالات میں ہیں سوجھیں۔ مگر فتوائے مسٹر گاندھی سے ان سب میں استثنائے مشرکین کی پچر لگالی کہ آیتیں اگر چہ عام ہیں مگر ہندوؤں کے بارے میں نہیں، ہندو تو ہادیانِ اسلام ہیں، آیتیں صرف نصاریٰ کے بارے میں ہیں۔ اور نہ کل نصاریٰ، فقط انگریز، اور انگریز بھی کل تک ان کے مورد نہ تھے۔ حالاتِ حاضرہ سے ہوئے۔ ایسی ترمیمِ شریعت، وتغییرِ احکام وتبدیلِ اسلام کا نام خیر خواہیِ اسلام رکھا ہے۔ ترکِ موالاتِ کفار میں قرآن عظیم نے ایک دو نہیں، دس بیس جگہ تاکید شدید پر اکتفاء نہ فرمائی بلکہ بکثرت جا بجا کان کھول کھول کر تعلیمِ حق سنائی اور اس پر بھی تنبیہ فرمادی کہ ''**قد بينا الايٰت ان كنتم تعقلون**۔'' (ہم نے تمہارے لیے آیتیں صاف کھول دی ہیں اگر تمہیں عقل ہو۔) مگر توبہ، کہاں عقل اور کہاں کان، یہ سب تو وِدادِ ہنود پر قربان۔ لاجرم ان سب سے ہندوؤں کا استثناء کرنے کے لیے بڑے بڑے آزاد لیڈروں نے

قرآن عظیم میں تحریفیں کیں۔ آیات میں پیوند جوڑے۔ پیش خویش واحد قہار کو اصلاحیں دیں۔ ان کی تفصیل درکار ہوتو دفتر طویل نگارش ہو۔'' (فتاوی رضویہ، جلد ۱۴ ص:۴۳۶، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اس سلسلے میں انگریزوں سے ترک معاملت اور مشرکین سے موالات کے دعویداروں نے اپنے موقف کے لیے سورۂ ممتحنہ کی دو آیتوں کو پیش کیا تھا۔ وہ دونوں آیتیں حسب ذیل ہیں: لَا یَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ لَمْ یُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْۤا اِلَیْهِمْؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ۔ (سورہ ممتحنہ، ۸:۶۰) (اللہ تمہیں ان سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین میں نہ لڑے، اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہ نکالا، کہ ان کے ساتھ احسان کرو اور ان سے انصاف کا برتاؤ برتو۔ بے شک انصاف والے اللہ کو محبوب ہیں۔) اِنَّمَا یَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰۤی اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْۚ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (سورہ ممتحنہ، ۹:۶۰) اللہ تمہیں ان ہی سے منع کرتا ہے جو تم سے دین میں لڑے، یا تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا، یا تمہارے نکالنے پر مدد کی، کہ ان سے دوستی کرو۔ اور جو ان سے دوستی کرے تو وہی ستم گار ہیں۔)

اس تناظر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قرآنی آیات، احادیث کریمہ اور مفسرین وفقہا کے اقوال کی روشنی میں یہ فرمایا ہے کہ قول اکثر جمہور کے مطابق جن لوگوں سے ''برّ و اقساط'' کی اجازت ہے وہ ''اہل عہد و ذمہ'' ہیں۔ اور ''بر و اقساط'' موالات نہیں ہیں بلکہ معاملت کے اقسام میں سے ہیں۔ ہنود اور نصاریٰ دونوں اہل عہد و ذمہ میں سے نہیں ہیں۔ لہٰذا ایک سے معاملت ترک کرنا اور دوسرے سے موالات کرنا قرآن وحدیث کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ مزید تفصیل کے لیے ''المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ'' کا مطالعہ کریں۔

تحریکِ خلافت کے لیے تحریکِ عدم تعاون کے لیڈروں نے جو حمایت پیش کی تھی اس کے پیچھے چھپے راز کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''آؤ اب ہم تمہیں قرآن عظیم کی تصدیق دکھائیں اور ان کی طرف سے اس مَیل اور مُیل کا راز بتائیں۔ دشمن اپنے دشمن کے لیے تین باتیں چاہتا ہے: اول: اس کی موت کہ جھگڑا ہی ختم ہو۔ دوم: یہ نہ ہو تو اس کی جلاوطنی کہ اپنے پاس نہ رہے۔ سوم: یہ بھی نہ ہو سکے تو اخیر درجہ اس کی بے پری کہ عاجز بن کر رہے۔ مخالف نے یہ تینوں درجے ان پر طے کر دیے اور ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ خیر خواہی سمجھے جاتے ہیں۔ اولاً جہاد کے اشارے ہوئے۔ اس کا کھلا نتیجہ ہندوستان کے مسلمانوں کا فنا ہونا تھا۔ ثانیاً جب یہ نہ بنی، ہجرت کا بھرا دیا کہ کسی طرح یہ دفع ہوں۔ ملک ہماری کبڈیاں کھیلنے کو رہ جائے۔ یہ اپنی جائیدادیں کوڑیوں کے مول بیچیں یا یوں ہی چھوڑ جائیں۔ بہرحال ہمارے ہاتھ آئیں۔ ان کی مساجد و مزاراتِ اولیاء ہماری پامالی کو رہ جائیں۔ ثالثاً جب یہ بھی نہ نبھی تو ترکِ موالات کا جھوٹا حیلہ کر کے ترکِ معاملت پر ابھارا ہے کہ نوکریاں چھوڑ دو۔ کسی کونسل کمیٹی میں داخل نہ ہو۔ مالگزاری ٹیکس نہ دو۔ خطابات واپس کر دو۔ امر اخیر تو صرف اس لیے ہے کہ ظاہری نام کا دنیوی اعزاز بھی کسی مسلمان کے لیے نہ رہے۔ اور پہلے تین اس لیے کہ ہر صیغہ و ہر محکمہ میں سرف ہنود رہ جائیں۔ جہاں ہنود کا غلبہ ہوتا ہے حقوقِ اسلام پر جو گزرتی ہے ظاہر

ہے۔ جب تنہا وہ رہ جائیں تو اس وقت کا اندازہ کیا ہوسکتا ہے۔ مالگزاری وغیرہ نہ دینے پر کیا انگریز چپ بیٹھے رہ جائیں گے۔ ہرگز نہیں۔ قرقیاں ہوں گی۔ تعلیقے ہوں گے۔ جائدادیں نیلام ہوں گی۔ اور ہندو خریدیں گے۔ نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان صرف قلی بن کر رہ جائیں گے۔ (فتاوی رضویہ، جلد ۱۴/ص: ۵۳۴۔ ۵۳۶، رضا فاؤنڈیشن، لاہور) ترک معاملت پر ایک نظر کے ذیلی عنوان کے تحت فرماتے ہیں: ''حضرات لیاڈر نے مسئلہ موالات میں سب سے بڑھ کر اودھم مچائی۔ اوروں میں افراط یا تفریط ایک ہی پہلو پر گیے۔ اس میں دونوں رنگت رچائی۔ افراط وہ کہ نصاریٰ سے نری معاملت بھی حرام قطعی، اور تفریط یہ کہ ہندوؤں سے اتحاد بلکہ ان کی غلامی فرضِ شرعی۔ پھر بھی ان کے اس افراط و تفریط میں اتنا فرق ہے کہ دوم نے بذاتہ دین کو برباد کردیا۔ اور اول پر عمل میں فی نفسہ ضررِ اسلام نہ تھا۔ مباح کو کوئی حرام جان کر چھوڑے تو اس چھوڑنے میں حرج نہیں کہ مباح ہی تھا، نہ کہ واجب۔ ضلالت ہے اس اعتقادِ تحریم میں۔ لیکن حرام قطعی کو فرض منانا ایمان و عمل دونوں کا تباہ کن ہوا۔ اور اپنے ہر پہلو سے اسلام کا برباد کرنے والا۔ لہذا اول سے بحث ضرور نہ تھی۔ حکم بتادیا۔ معاندوں کا عناد اس کے ساتھ ہے۔ لیکن عملی حیثیت سے بھی اس خصوص میں مسلمانوں کو بہت ضرر پہنچتے دکھائی دیتے ہیں۔ سخت مشکلات کا سامنا ہے۔ جن کا حل ان بزعم خود گہری نگاہ والے انجام شناس لیاڈر الناس نے کچھ سوچ رکھا ہوگا۔ نظر بعادات و حالات کسی طرح عقل باور نہیں کرتی کہ ان کی چیخ و پکار سے تمام ہند و سند و بنگال و برہما و افریقہ و جاوہ حتیٰ کے عدن تک کے مسلماں سب نوکریاں، ملازمتیں، زمینداریاں، تجارتیں یکلخت چھوڑ دیں۔ یہ شورشیں تو دو دن سے ہیں۔ صدہا حرام نوکریاں پہلے سے کر رہے ہیں وہ تو چھوڑیں نہیں۔ مباح نوکریاں اور حلال تجارتیں، زمینداریاں کس طرح چھوڑ دیں گے۔ ان جلسوں، ہنگاموں، تبلیغوں، کہراموں سے اگر سو، دو سو نے نوکریان یا دس، بیس نے تجارتیں یا دو، ایک نے زمینداریاں چھوڑ بھی دیں تو اس سے ترکوں کا کیا فائدہ یا انگریزوں کا کیا نقصان، غریب نادار مسلمان کی کمائی کا ہزار ہا روپیہ ان تبلیغوں میں برباد جارہا ہے اور جائے گا اور محض بیکار و نامراد جارہا ہے اور جائے گا۔ ہاں لیڈروں مبلغوں کی سیر و سیاحت کے سفر خرچ اور جلسہ و اقامت کے پلاؤ قورمے سیدھے ہوگئے اور ہوں گے۔ اگر یہ فائدہ ہے تو ضرور نقد وقت ہے اور سیر یورپ کے حساب کا راز تو روزِ حساب ہی کھلے گا۔'' (فتاوی رضویہ، جلد ۱۴/ص: ۵۳۱۔ ۵۳۲، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اہل سنت کی تحریکی و تنظیمی سرگرمیاں:

جہاں تک اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی قیادت میں اہل سنت و جماعت کی تحریکی و تنظیمی سرگرمیوں کی بات ہے تو اس سلسلے میں جماعت رضائے مصطفیٰ کی ایک روشن تاریخ ہے۔ اور اس کی خدمات کا اعتراف غیر جانبدار مبصرین نے کیا ہے۔ ۱۹۲۰ء میں جب ہندوستان اسلام اور مسلمانوں کے خارجی اور داخلی مخالفین کا اکھارہ بنا ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے ۱۷ دسمبر ۱۹۲۰ء کو جماعت رضائے مصطفیٰ قائم کی۔ بقول علامہ محمد احمد مصباحی ''اس کی تاریخ کا بڑا ہی رقت انگیز اور عظیم الشان باب شدھی تحریک کا انسداد ہے۔ اگر اس کی خدمات کے خانے میں صرف یہی ایک کارنامہ ہوتا تو وہی اسے بقائے دوام بخشنے کے لیے کافی تھا۔ بعض سرگرم مشرکینِ ہند نے یہ منصوبہ بنایا کہ مسلمانوں کو ہندو بنایا جائے۔ اس کے لیے انہوں نے سب سے پہلے ان علاقوں کا انتخاب کیا

جہاں مسلمان دینی احکام سے بالعموم نابلد اور ہندوانہ مراسم کے پابند تھے۔ ماضی قریب میں ان کے آباء واجداد نے اسلام قبول کیا مگر تعلیم کی کمی اور ماحول کی ناسازگاری کی وجہ سے وہ نہ تو پورے طور شریعت اسلامیہ کے احکام واعمال سے آشنا ہو سکے، نہ ہی ہندوانہ عادات واطور کومکمل طور پر ترک کے کرسکے۔ ان کی نسل کو یہ دعوت دی گئی کہ تمہارے باپ دادا کا پرانا دھرم ہندو تھا۔ تم اسلام میں داخل ہوکر ملیچھ اور ناپاک ہوگیے ہو۔ اب پھر اپنے پرانے دھرم میں لوٹ کر شدھ اور پاک وصاف ہوجاؤ۔ بہت سی آبادیوں پر یہ جادو چل گیا اور لوگ ارتداد کا شکار ہوگئے۔ شدھی تحریک کو اپنی ابتدائی کامیابی دیکھ کر بڑا حوصلہ ملا۔ اور اسکے جوان ایک آبادی کے بعد دوسری، دوسری کے بعد تیسری کا رخ کرنے لگے اور بڑھتے گیے۔ اس بلاخیز طوفان کے مقابلے میں اترنے والی کوئی مسلم تنظیم نظر نہ آتی تھی۔ قومی لیڈر، دینی رہنما، علماء، خطباء اور اہل قلم سب کے پاؤں میں زنجیریں اور لبوں پر مہر سکوت پڑی ہوئی تھی۔ عوام میں بیشتر کا خیال یہ تھا کہ وہ یہ ماننے کے لیے تیار ہی نہ تھے کہ کوئی مسلمان بھی ہندو ہوسکتا ہے۔ جماعت رضائے مصطفیٰ کے معظم سرپرست مفتی اعظم علامہ شاہ مصطفیٰ رضا قدس سرہ اس صورت حال پر تڑپ اٹھے۔ دل ودماغ کا سکون اٹھ گیا۔ راحت وآرام غارت ہوگیا۔ مردانہ وار آگے بڑھے اور چند مؤقر علماء وعمائد کو لے کر میدانِ کارزار میں کود پڑے۔ سب سے پہلے ان بستیوں کا رخ کیا جو ارتداد کے ہلاکت خیز پنجوں کی گرفت میں آچکی تھیں۔ لوگوں کو دینِ اسلام کی دعوت دی۔ توبہ کرائی، اور پھر اسلام میں داخل کیا۔ اس کے بعد ان آبادیوں کا رخ کیا جو شدھی تحریک کا نشانہ بننے والی تھیں۔ جہاں ہندو رائفلوں، بندوقوں، سپاہیوں اور ہر طرح کے سازوسامان سے لیس ہوکر جاتے اور لوگون کو دین سے برگشتہ کرتے۔ ایسے علاقوں میں جنگ کا بھی خطرہ ہوتا اور وہاں قدم رکھنا بڑا مشکل تھا۔ جماعت رضائے مصطفیٰ کے پاس حربی آلات اور جنگی سازوسامان نہ تھے، مگر ایمان کی طاقت وقوت تھی اس لیے ایسے خطرناک مواقع پر بھی اس نے بڑھ کر مقابلہ کیا اور حق کا غلبہ ہوتا رہا۔ یہ جماعت مبارکہ کا ایک میدانِ عمل تھا۔ دوسری طرف آریوں کی جانب سے گمراہ کن اخبارات اور پمفلٹ شائع ہوتے جن میں اسلام پر اعتراضات ہوتے۔ ان کا جواب بھی جماعت نے اپنے ذمہ لیا اور قلمی محاذ پر بھی اہل باطل کو شکست دی۔ اس طرح کے بہت سے دینی وملی امور جماعت سے وابستہ تھے۔ جنہیں سرانجام دینے کے لیے جماعت نے ذیلی کمیٹیاں بھی تشکیل دے رکھی تھیں۔ وسائل اور سرمایہ کی ہمیشہ قلت رہی مگر کچھ جواں حوصلہ اور مخیر مسلمانوں کے ذریعے کام ہوتا رہا''(علامہ محمد احمد مصباحی، تقدیم، تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ، مرتبہ مولانا شہاب الدین رضوی، ص:۷۔۸، مطبوعہ، فرید بک سٹال، لاہور، ۲۰۰۰)

ابتداء میں اس جماعت کے اغراض ومقاصد حسب ذیل تھے۔ (۱) حتی الوسع مخالفین کے حملوں کی تقریراً وتحریراً ہر طرح مدافعت کرنا اور ان کے افتراؤں بہتانوں کی جن سے وہ سادہ لوح مسلمانوں کو علماء اہل سنت سے بدعقیدہ کرتے ہیں، پردہ دری کرنا۔ (۲) وہ مضامین وکتب جو سنت وجماعت اور اعداء دین کے حملوں کی مدافعت میں ہوں، بالخصوص حضور پرنور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصانیف قدسیہ شائع کرنا۔ (۳) تمام اہل سنت خصوصاً حلقہ بگوشان سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ میں باہم اتفاق واتحاد اور محبت ووِداد قائم کرنا۔ اس کے شرائط داخلہ حسب ذیل تھے۔ (۱) جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کا رکن وہی ہوگا جو مستقیم متصلب سنی

صحیح العقیدہ ہو۔(۲) جو رکن ہوگا اسے صلاح وسعادت، تہذیب ومتانت کی صورت بننا ہوگا۔(۳) جو چندہ ماہانہ اپنی عالی ہمت سے مقرر فرمائے گا، وہ ماہ بماہ ادا کرنا ہوگا۔اس جماعت میں متعدد شعبہ جات تھے جیسے شعبۂ اشاعت کتب،(۲) شعبۂ تبلیغ وارشاد ،(۳) شعبۂ صحافت،(۴) شعبۂ سیاست (۵) شعبۂ دارالافتا۔

مولانا شہاب الدین رضوی رقم طراز ہیں کہ ''ابتداً جماعت رضائے مصطفیٰ کی حیثیت ایک مقامی جمعیت کی تھی۔اس جمعیت کے دو بڑے شعبے تھے۔علمی۔عملی۔اس جمعیت نے دونوں پہلوؤں پر تاریخ ساز کردار سرانجام دیا۔رفتہ رفتہ اس کی حیثیت مرکزی بن گئی۔پورے برصغیر میں جماعت کی شاخیں قائم ہوگئیں۔جماعت کی مرکزی حیثیت بن جانے پر اغراض ومقاصد اور قواعد وضوابط میں اب تبدیلی ناگزیر ہوگئی۔ جماعت رضائے مصطفیٰ کی نشاۃ ثانیہ کے لیے ۱۴ / جمادی الاولی ۱۳۸۳ھ/ ۳/ اکتوبر ۱۹۶۳ء کو مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی کی سرپرستی اور برہان ملت مفتی برہان الحق جبل پوری کے زیر اہتمام آستانۂ عالیہ سلامیہ جبل پور پر کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔جس میں دوبارہ جماعت کی تاسیس ہوئی۔اور حسب ذیل دفعات کا اضافہ کیا گیا۔(۱) کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کی دائمی سرپرستی حضور مفتی اعظم بریلوی فرمائیں گے۔(۲) کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ سارے ہندوستان کی کل مقامی ،ضلعی،صوبائی اور کل ہند جملہ سنی تنظیموں کی نگراں اور جماعت ہوگی۔ ہندوستان کی ساری سنی تنظیمیں اور جماعتیں کل ہند جماعت مبارکہ کے تحت رہیں گی۔(۳) مختلف سنی تنظیموں کے باہمی اختلاف کی شکل [صورت] میں کل ہند جماعت مبارکہ کی حیثیت ثالث اور حکم کی ہوگی۔(۴) کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کی جماعت کی تنظیم حسب ذیل ہوگی۔ا۔ ہر شہر میں دارالافتا قائم کرنا۔ب۔ ہر شہر میں دارالقضا قائم کرنا۔ج۔ ہر جگہ مکاتب ومدارس اسلامیہ قائم کرنا۔د۔ہندوستان کے ہر مفتی شہر اور قاضی کا تعلق کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ سے ہوگا۔(۵) کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کا انتخاب ہر پانچ سال بعد ہوا کریگا۔(۶) کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کا مرکزی دفتر بریلی ہی میں زیر نگرانی مفتی اعظم رہے گا۔(۷) ریلیف کمیٹی، مرکزی جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کی زیر نگرانی [رہے گی]، ترمیم وتبدیل کے کل اختیارات سرپرست وصدر کل ہند جماعت کو حاصل رہیں گے۔(۸) ریلیف کمیٹی مرکزی جماعت رضائے مصطفیٰ کے علاوہ اور کوئی ریلیف کمیٹی قائم نہ ہوگی۔(۹) ریلیف کمیٹی مرکزی جماعت رضائے مصطفیٰ کا کوئی انتخاب نہ ہوا کرے گا۔ بلکہ سرپرست وصدر کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ اپنے اختیارات خصوصی سے نامزد فرمایا کریں گے۔جبل پور کے اس کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کے خصوصی اور انقلابی اجلاس سے قبل امام احمد رضا محدث بریلوی کے عرس کے موقع پر ۲۶/صفر المظفر ۱۳۸۲ھ/ ۱۸ جولائی ۱۹۶۳ء کو کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کا مرکزی انتخاب عمل میں لایا گیا۔جس میں حضور مفتی اعظم بریلوی کو سرپرست، مفتی برہان الحق جبل پوری کو کل ہند صدر، اور مولانا ابوالوفا فصیحی غازی پوری کو ناظم اعلی منتخب کیا گیا تھا۔ بعدہ اجلاسِ جبل پور میں بقیہ عہدیداروں کا انتخاب عمل میں آیا۔نائب صدر اول: مولانا سید مدنی میاں کچھوچھوی۔نائب صدر دوم: مفتی رفاقت حسین، احسن المدارس کانپور۔ ناظم اعلی : مولانا محمد دھوراجی، راج پیپلا بھڑوچ۔نائب ناظم: عبدالصمد مجنوں جبل پوری۔نائب ناظم وخازن: سید حمایت رسول رضوی، جامع

مسجد بریلی۔علاوہ ازیں متعدد جلیل القدر علمائ کو کل ہند جماعت رضائے مصطفے کی ورکنگ کمیٹی کا ممبر نامزد کیا گیا۔اس طرح حضور مفتی اعظم بریلوی کی سرپرستی میں جماعت رضائے مصطفے کی نشاۃ ثانیہ نے اسلامیان ہند کی مذہبی، وقومی، اسلامی ضرورت کو پورا کردیا۔(تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ، مرتبہ مولانا شہاب الدین رضوی، ص:۵۶۔۵۸ مطبوعہ، فرید بک سٹال، لاہور، ۲۰۰۰)

اسی طرح سے ایک اور تحریک تھی جس کا نام ''تحریک انصارالاسلام'' تھا۔یہ تنظیم بریلی میں قائم کی گئی تھی۔جس کے طرف سے متعدد مقامات پر جلسے ہوئے۔جن میں اعلی حضرت امام احمد رضا بریلوی کے صاحب زادگان، خلفا ارا حباب نہیں تقریریں کیں۔ تحریکِ انصارالاسلام کی تشکیل کا مقصد مقامات مقدسہ کی حفاظت ، سلطنت ترکیہ اور ترکوں کی جائز و مفید اعانت ، اسلام اور مسلمانوں کی دشمنانِ دین سے حفاظت اور مسلمانانِ ہند کی اخلاقی، معاشرتی، تمدنی اور اقتصادی مفاد کی طرف رہنمائی کرنا تھا۔ (السوادالاعظم (مرادآباد) شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء ص:۶)

اعلی حضرت امام احمد رضا بریلوی کے وصال کے بعد ان کے چاہنے والوں نے ان کی فراست ایمانی پر مبنی رہنمائی کا سلسلہ جاری رکھا۔اس دور میں ضرورت اس امر کی تھی کہ مسلمانوں کی ایک ایسی تنظیم ہو، جو مسلمانوں کے تمام شعبہائے زندگی میں رہنمائی کرسکے۔اس کے پاس ہر مشکل کا حل ہو، مساجد و منبر ہوں یا سیاست کا پُرخطر راستہ، تبلیغ کا میدان وسیع ہو یا تنظیم کی دشوار گزار منزل، غرض کہ اس کے دائرۂ کار سے زندگی کا کوئی گوشہ خارج نہ ہو۔ان ہی ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اکابر اہل سنت نے ۱۹۲۵ء میں ایک تنظیم قائم کی، جوان کے خلوص اور استقلال سے ایک ملک گیر تنظیم کی صورت اختیار کرگئی۔اس عظیم جماعت کا نام '' آل انڈیا سنی کانفرنس'' رکھا گیا۔اسے ''جمہوریہ عالیہ اسلامیہ'' بھی کہا جاتا ہے۔'' (محمد جلال الدین قادری، خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس ۱۹۲۵ء یا ۱۹۴۷ء، (گجرات: مکتبہ رضویہ)، ۱۹۷۸ء، ص:۱۲) اس تنظیم کے اغراض و مقاصد اور خدمات کے بارے مزید تفصیلات جاننے کے لیے خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس ۱۹۲۵ء یا ۱۹۴۷ء کا مطالعہ کریں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ عہد رضا کے سیاسی حالات اور سیاسی تحریکات کے اس سرسری مطالعے سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے اعلی حضرت امام احمد رضا بریلوی ایک عبقری شخصیت کے حامل تھے۔ایک ایسے مدبر تھے جو درپیش حالات کے تجزیہ میں مستقبل کے خطرات کی پیش بینی فرماتے تھے۔امت مسلمہ موجودہ دور میں جن مسائل اور چیلنجز کا سامنا کررہی ہے برسوں پہلے ہی انہوں نے ان کی نشاندہی فرمادیتی ہے۔

اعلی حضرت کے تجویز کردہ لائحۂ عمل میں مسلح جدوجہد اور ہجرت کی ضرورت نہیں تھی۔ان کا پیغام تھا کہ مسلمان اپنی فکر اور اپنے عمل کی اصلاح کرے، دین کی رسی کو مضبوطی سے تھامے اور انفرادی و اجتماعی طور پر اپنے سیاسی، سماجی، معاشی اور تعلیمی معاملات اور حالات کو بہتر بنائے۔ان کے منصوبے میں سیاسی اقتدار کی حرص و آس نہیں تھی اسی لیے اس پروگرام میں سیاسی مفادات کے حصول کے لیے دین و شریعت کو قربان کرنے کی نوبت نہیں آئی۔کانگریس اور لیگ والوں نے سیاست میں دین و دھرم کے امتزاج کی کوشش اور اس کا انجام فرقہ پرستانہ ذہنیت کی شکل میں ظاہر ہوا۔اتحاد و یک جہتی کے نام پر دینی و مذہبی شعائر اور علامات کی بے

حرمتی کا آغاز ہوا۔ معاملت اور موالات کے فرق کو بھلا دیا گیا اور اس مزعومہ ''اتحاد و یک جہتی'' کے لیے نصوص کے معانی میں تحریف و تبدیل کی بے جا کوششیں ہوئیں۔ اعلی حضرت امام احمد رضا بریلوی نے اپنی تحریر وتقریر سے امت مسلمہ کو ان خطرات سے بروقت خبردار کیا اور اور ایسے لوگوں سے دور رہنے کی تلقین فرمائی۔ اللہ تبارک وتعالی اعلی حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان کے مرقد انور پر رحمت ونور کی بارش نازل فرمائے اور ہم سب کو ان کے بتائے ہوئے اصولوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اسسٹنٹ پروفیسر وصدر شعبۂ تاریخ، پریسیڈینسی یونیورسٹی، کولکاتا

امام احمد رضا اور فتویٰ نویسی کے اصول وآداب

مفتی محمد مبشر رضا ازہر مصباحی

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کائنات ارض کے کسی گوشے، کسی خطہ اور کسی حلقے میں محتاج تعارف نہیں، انہوں نے ہرفن میں درجۂ امامت پر فائز ہوکر دینی خدمات انجام دیں، حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ، آداب فتویٰ نویسی وغیرہ جیسے فنون میں تو درجۂ اجتہاد پر فائز تھے۔ان محاسن وکمالات میں تیرہویں صدی سے لے کر اب تک ان کا کوئی ہم پلہ نظر نہیں آیا، انہوں نے تحقیق وتفہیم کی دنیا میں حیرت انگیز طور پر جو تحقیقات پیش کیں یقیناً یہ خاص انعام خداوندی اور خاص فضل الٰہی کہا جاسکتا ہے کیوں کہ انسانی عقل وشعور سے یہ ماوراء ہے کہ ایک ہی شخص علوم اسلامیہ کے مختلف میدانوں میں قدرت کاملہ رکھنے کے ساتھ علوم عصریہ میں بھی یکساں طور پر مہارت وممارست رکھے۔

امام اہل سنت قدس سرہ نے فقہ وفتویٰ کی دنیا میں جہاں بیش بہا تحقیقات چھوڑیں وہیں فتویٰ نویسی کے اصول وآداب بھی بیان فرمائے ،فتویٰ نویسی کے اصول وآداب ایک مفتی کے لیے ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ اس کے جینے کے لیے کھانا پینا کہ جس طرح کھائے پیے بغیر آدمی جی نہیں سکتا ہے اسی طرح اصول فتویٰ پڑھے، جانے بغیر فتوی لکھ نہیں سکتا ہے۔اسی لیے فقہاے امت نے فتویٰ، مفتی اور مستفتی سب کے لیے تفصیل سے اصول وآداب بیان فرمائے۔پیش نظر مضمون میں ہم یہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے کہ امام اہل سنت امام احمد رضا محدث بریلوی جہاں فقہی دنیا کے عظیم محقق ومجتہد تھے وہیں فتویٰ نویسی کے اصول وآداب کی دنیا میں بھی عظیم قائد ورہنما تھے۔آیئے سب سے پہلے فتویٰ کا معنی جانتے ہیں کہ فتوی کسے کہتے ہیں؟

فتویٰ لغت میں پیش آمدہ مسائل کا حکم بتانے کو کہتے ہیں، علامہ سید شریف جرجانی لکھتے ہیں: الافتا بیان حکم المسئلۃ [التعریفات، ص:۲۵] اور فقہاے کرام کی اصطلاح میں فتویٰ نام ہے قرآن وسنت کی روشنی میں حکم شرع بیان کرنے کا۔علامہ ابن عابدین شامی قدس سرہ السامی تحریر فرماتے ہیں: الافتاء فانہ افادۃ الحکم الشرعی یعنی شرعی فیصلہ سے آگاہ کرنے کو افتا کہتے ہیں۔[ردالمحتار، ج:۴، ص:۳۳۶]

فقیہ اعظم امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے رسالہ مبارکہ ”اجلی الاعلام بأن الفتوی مطلقاً علی قول الامام“ میں فتویٰ کا تعارف ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:”انما الافتاء أن تعتمد علی شیء و تبین لسائلک أن ھذا حکم الشرع فی ما سئلت“ فتویٰ دینے کے معنی پورے اعتماد کے ساتھ سائل کو اس کے سوال کا حکم شرعی بتانا ہے [فتاوی رضویہ قدیم، جلد اول، ص:۳۸۲]۔

فتویٰ کی ابتدا کب ہوئی؟ اگر یہ معلوم کرنا ہوتو آیت کریمہ: {یَسْتَفْتُوْنَکَ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَۃِ اِنِ امْرُؤٌا ھَلَکَ

لَيسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُختٌ فَلَهَا نِصفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِن لَّم يَكُن لَّهَا وَلَدٌ فَإِن كَانَتَا اثْنَتَينِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ وَإِن كَانُوا إِخوَةً رِّجَالاً وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثلُ حَظِّ الأُنثَيَينِ} [ترجمہ: اے محبوب تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ اللہ تمہیں کلالہ میں فتویٰ دیتا ہے اگر کسی مرد کا انتقال ہو جو بے اولاد ہے اور اس کی ایک بہن ہو تو ترکہ میں سے اس کی بہن کا آدھا ہے اور مرد اپنی بہن کا ہوگا اگر بہن کی اولاد نہ ہو پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ترکہ میں ان کا دو تہائی اور اگر بھائی بہن ہوں مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر] بغور پڑھنا چاہیے۔

شان نزول یہ ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ بیمار تھے تو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مع حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے، حضرت جابر بے ہوش تھے حضرت نے وضو فرما کر آبِ وضوان پر ڈالا انہیں افاقہ ہوا آنکھ کھول کر دیکھا تو حضور تشریف فرما ہیں، عرض کیا: یارسول اللہ میں اپنے مال کا کیا انتظام کروں؟ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (بخاری و مسلم) ابوداؤد کی روایت میں یہ بھی ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جابر سے فرمایا: اے جابر! میرے علم میں تمہاری موت اس بیماری سے نہیں ہے۔ [خزائن العرفان، سورۃ النساء: ۱۷۶]

اس سے سمجھ میں آیا کہ سب سے پہلے فتویٰ اللہ رب العزت نے دیا۔ فتوی چوں کہ قرآنی احکام کے بیان کا نام ہے اس لیے علوم اسلامیہ میں فتویٰ نویسی سے مشکل کوئی فن نہیں، اس فن کے مشکل ہونے کا اندازہ شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی درج ذیل تحریر سے لگا سکتے ہیں۔

> ''فتویٰ دینا، ساری دینی خدمات میں سب سے اہم، سب سے مشکل اور سب سے پیچیدہ کام ہے اور ایسا کام جس کی کوئی انتہا نہیں، فقہائے کرام نے اگرچہ ہم پر احسان فرماتے ہوئے لاکھوں جزئیات کی تصریح فرمادی پھر بھی حوادث محدود نہیں، آئے دن سیکڑوں واقعات ایسے ہوتے رہتے ہیں کہ جن کے بارے میں کوئی جزئیہ کسی کتاب میں نہیں ملتا، یہی وہ وقت ہوتا ہے کہ ایک فقیہ اپنی بالغ نظری، نکتہ سنجی، دقیقہ بینی کی بدولت تائید ایزدی سے صحیح حکم اخذ کر لیتا ہے مگر یہ کام کتنا مشکل ہے اسے بتایا نہیں جاسکتا، جس کے سر پڑتی ہے وہی جانتا ہے''۔ [انوار مفتی اعظم، ص: ۲۵۲]

مگر اس فن کے مشکل ہونے کے باوجود جس کثرت سے اس میدان میں اہل علم طبع آزمائی کرتے نظر آتے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں، جدید ٹکنالوجی نے تو اور حیرت میں ڈال دیا ہے، شوشل میڈیا کے اس ترقی یافتہ دور میں فیس بک، واٹس ایپ، انسٹا گرام اور ٹیلیگرام وغیرہ نے جس تیزی کے ساتھ فتویٰ نویسی کے فارغین کو وجود بخشا ہے، وہ انتہائی حیرت ناک ہے اور افسوس ناک بھی۔

تربیت افتا سے منسوب جس کثرت سے مراکز قائم ہوئے ہیں یا ہو رہے ہیں یہ خوش آئند ضرور ہے مگر قابل افسوس یہ ہے کہ بعض مراکز میں ایسے حضرات تربیت افتا کے کاموں پر مامور ہیں جو خود تربیت افتا کے اسرار و رموز، اصول و آداب اور نشیب و فراز سے واقفیت تو دور فتویٰ نویسی کے اصول سے بھی آگاہ نہیں۔ جب کہ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ کار افتا انجام دینے کے لیے ضروری

ہے کہ پہلے کسی ماہر اور حاذق مفتی کی زیر تربیت رہ کر رہنمائی لے لے۔ امام اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان کے مطابق کار افتا انجام دینے سے پہلے اس فن کے ماہر کے پاس برس ہا برس زندگی کے شب و روز گزارنا چاہیے پھر مسند افتا پر فائز ہونا چاہیے، چناں چہ امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

''رد وہابیہ اور افتا یہ دونوں ایسے فن ہیں کہ طب کی طرح یہ بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتے ان میں بھی طبیب حاذق کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے، میں بھی ایک طبیب حاذق کے مطب میں سات برس بیٹھا ہوں۔ مجھے وہ وقت، وہ دن، وہ جگہ، وہ مسائل اور جہاں سے وہ آئے تھے اچھی طرح یاد ہے، میں ایک بار ایک نہایت پیچیدہ حکم بڑی کوشش و جانفشانی سے نکالا اور اس کی تائید مع تنقیح آٹھ ورق میں جمع کیں مگر جب حضرت والد ماجد قدس سرہ کے حضور میں پیش کیا تو انہوں نے ایک جملہ ایسا فرمایا کہ اس سے یہ سب ورق رد ہو گئے وہی جملے اب تک دل میں پڑے ہوئے ہیں اور قلب میں اب تک ان کا اثر باقی ہے۔'' [الملفوظ، ح:۱، ص:۴۷، مطبوعہ: رضا اکیڈمی]

مگر آج بہت سارے حضرات کسی ماہر مفتی سے تربیت لیے بغیر اپنے مطالعہ پر اعتماد کر کے فتوی کا کام شروع کر دیتے ہیں جب کہ ایسے اشخاص کا فتویٰ دینا نہ صرف نامناسب بلکہ ناجائز ہے۔

خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں: وقد رأيت في "فتاوى العلامة ابن حجر" سئل في شخص، يقرأ، ويطالع في الكتب الفقهية بنفسه، ولم يكن له شيخ، ويفتي، ويعتمد على مطالعته في الكتب، فهل يجوز له ذلك، أم لا؟

فأجاب بقوله: "لا يجوز له الافتاء بوجه من الوجوه؛ لانه عامي جاهل، لا يدري ما يقول، بل الذي يأخذ العلم عن المشائخ المعتبرين لا يجوز له: أن يفتي من كتاب ولا من كتابين" بل قال النووي-رحمه الله تعالى- ولا من عشرة؛ فأن العشرة والعشرين قد يعتمدون كلهم على مقالة ضعيفة في المذهب، فلا يجوز تقليدهم فيها، بخلاف الماهر الذي اخذ العلم عن أهله، وصارت له فيه ملكة نفسانية؛ فأنه يميز الصحيح من غيره، ويعلم المسائل وما يتعلق بها، على الوجه المعتد به، فهذا هو الذي يفتي الناس ويصلح أن يكون واسطة بينهم وبين الله تعالى۔

وأما غيره فيلزمه۔ أذا تسور هذا المنصب الشريف۔ التعزير البليغ، والزجر الشديد، الزاجر ذلك، لا مثاله عن هذا الامر القبيح الذي يؤدي الى مفاسد، لا تحصى والله تعالى اعلم انتهى

حجر عسقلانی سے کسی نے پوچھا کہ کوئی شخص اپنے مطالعہ پر اعتماد کر کے فتوی دینا چاہے تو فتویٰ دے سکتا ہے یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا لا یجوز لہ الافتا بوجہ من الوجوہ یعنی ایسے شخص کے لیے کسی طور پر فتویٰ دینا جائز نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فقہی میدان میں عوام اور بے علم ہے اسے نہیں معلوم کہ وہ کیا کہہ رہا ہے بلکہ وہ شخص جو معتبر فقہا سے علم حاصل کرتا ہے اس کے لیے بھی جائز نہیں ایک دو کتاب پڑھ کر اس سے فتویٰ دے بلکہ امام نووی فرماتے ہیں وہ دس کتابوں سے بھی فتویٰ نہیں دے سکتے، کیوں کہ دس

بیں بھی مذہب کے ایک ضعیف قول پر اعتماد کر لیتے ہیں تو اس میں ان کی تقلید جائز نہیں۔ ہاں جو ماہر فقیہ ہو اور فقہ کے اہل سے علم حاصل کیا ہو اور اس میں اس کو ذاتی ملکہ پیدا ہو جائے اور وہ صحیح و غیر صحیح کے درمیان تمیز کرنے پر قادر ہو جائے اور متعلق بہا مسائل کو معتمد طریقہ سے جان لے تو ایسا شخص لوگوں کو فتویٰ دے سکتا ہے اور اللہ اور اللہ کے بندوں کے درمیان واسطہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور غیر اہل اس منصب پر فائز ہو تو سختی سے منع کیا جائے گا اور اس پر زجر و توبیخ ہوگی کیوں کہ نا اہل کے فتوی دینے سے بے شمار مفاسد کے دروازے کھل سکتے ہیں [ترجمہ: شرح عقود رسم المفتی، ص: ۷۵،۷۶] [اس کی پوری عربی عبارت اگر نقل کر دی جائے تو۔

امام اہل سنت امام احمد رضا قدس سرہ نے فتویٰ نویسی کے دوران جہاں بھی فتویٰ نویسی کے آداب لکھنے کی ضرورت محسوس کی تو اس کا اظہار فرمایا ہے، اس کے علاوہ مستقل دو رسالے بھی تصنیف فرمائے جس میں آپ نے فتویٰ نویسی کے مکمل اصول و آداب ضبط تحریر لائے ہیں اگر ان دونوں رسالوں کا بغور مطالعہ کر لیا جائے تو یقینا مفتی کے لیے فتوی لکھنا نہ صرف آسان ہو سکتا ہے، بلکہ غلطی و خطا کے امکان سے بھی بچ سکتا ہے اور فتوی نویسی میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ وہ دونوں رسالے درج ذیل ہیں:

(۱) اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقاً علی قول الامام:

یعنی اس امر کی تحقیق عظیم کہ فتویٰ ہمیشہ قول امام پر ہے، یہ رسالہ ۱۳۳۴ھ میں تصنیف فرمایا جو فتاویٰ رضویہ قدیم کی پہلی جلد میں شامل ہے، آداب فتویٰ نویسی کے باب میں یہ رسالہ اپنی جامعیت اور اہمیت و افادیت میں بے نظیر ہے، آپ نے اس رسالہ مبارکہ میں یہ لکھا ہے کہ فتوی ہمیشہ امام اعظم کے قول پر ہوگا، اس کے برخلاف کسی کے قول پر فتویٰ نہیں دیا جا سکتا ہے مگر پھر بسا اوقات صاحبین کے قول پر فتوی کیوں دیا جاتا ہے؟ اسی کے جواب میں سات مقدمات پر مشتمل یہ رسالہ مرتب فرمایا اور یہ واضح کیا ہے کہ صاحبین کے قول پر فتوی درحقیقت امام اعظم ہی کے قول پر فتویٰ ہے بطور خلاصہ درج ذیل باتیں ملاحظہ فرمائیں:

> فتویٰ ہمیشہ امام کے قول پر ہوگا اگرچہ یہ معلوم نہ ہو کہ یہ قول کہاں سے ماخوذ ہے، افتا کا لغوی و شرعی معنی، دلیل کی معرفت اور مجتہد کی معرفت، تقلید شرعی، عرفی، حقیقی کا مطلب و مفہوم، فتوی حقیقی اور عرفی کا مطلب و مفہوم، اسباب ستہ کی بنیاد پر امام کے قول سے عدول، صحیح اقوال میں اختلاف کی صورت میں امام کا قول مقدم ہونا قول راجح پر اتباع لازم، امام کے برخلاف کوئی متون مقبول نہیں، مسائل منصوص میں مخالفت جائز نہیں، جس زمانہ میں اسباب ستہ موجود ہو اس کی بنیاد پر پیش آمدہ مسئلہ کا حل کسی مخصوص زمانہ سے مقید نہیں ہوگا جو باتیں ظاہر روایہ سے خالی ہے و مرجوح عنہ قرار دیا جائے گا، قول اصح سے عدول نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اس سے اقویٰ دلیل موجود نہ ہو، استحسان مرتبۂ ضرورت پر نہ ہو تو امام کے قول پر مقدم نہیں ہوگا قیاس استحسان پر مقدم ہوگا جس پر فقہا کا فتویٰ ہو وہ استحسان پر مقدم ہوگا، وغیرہ۔

مذکورہ باتیں سرسری مطالعہ کا مختصر جائزہ ہے، اہل ذوق میں جو کوئی آداب افتا پر امام احمد رضا کی مہارت و مماست اور اس

باب میں آپ کے گراں قدر افادات جاننا چاہتا ہو وہ ضرور ضرور بامعان نظر اس رسالہ مبارکہ کا مطالعہ کرے اور اپنے ذوق مطالعہ کو تسکین پہونچائے۔ بطور ترغیب وافادہ ذیل میں مذکورہ اجمال کی قدرے کفایت تفصیل کی جاتی ہے:

قول امام سے عدول کے اسباب وعلل:

اس رسالہ کے مرکزی عنوان کے مطابق مسائل واحکام میں ہر حال میں قول امام ہی معول ومعتمد علیہ ہے، جب تک کوئی خاص داعیہ نہ ہو پائی جائے تو قول امام سے عدول جائز نہیں ہاں کچھ اسباب وعلل ہیں جب ان میں سے کوئی متحقق ہو تو قول امام بدل جاتا ہے اور اس وقت قول امام سے عدول جائز ہے، امام احمد رضا قدس سرہ کے مطابق ایسے اسباب چھ ہیں اور وہ یہ ہیں :(۱) ضرورت (۲) دفع حرج (۳) عرف (۴) تعامل (۵) دینی ضروری مصلحت کی تحصیل (۶) کسی فساد موجود یا مظنون بظن غالب کا ازالہ، ان سب میں بھی حقیقۃً قول امام ہی پر عمل ہوتا ہے مگر وہ امام کے قول ظاہر کے خلاف قول ضروری پر عمل ہوتا ہے یعنی حضرت امام کے زمانہ جنت نشان میں بھی اگر یہ سبب متحقق ہوا ہوتا تو یقینا آپ بھی وہی فرماتے جو مذکورہ سبب کے تحقق کے بعد متاخرین نے کہا ہے، چناں امام احمد رضا قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

"القول قولان صوری وضروری فالصوری هو المقول المنقول والضروری مالم يقله القائل نصا بالخصوص لكنه قائل به فی ضمن العموم الحاكم ضرورة بان لو تكلم فی هذا الخصوص لتكلم كذا وربما يخالف الحكم الضروری الحكم الصوری وحٍ يقضی عليه الضروری حتی ان الاخذ بالصوری يعد مخالفة للقائل والعدول عنه الی الضروری موافقة او اتباعا له كأن كان زيد صالحا فامر عمرو خدامه باكرامه نصا جهارا وكرر مثل ذلك عليهم مرارا وقد كان قال لهم اياكم ان تكرموا فاسقا ابدا بعد زمان فسق زيد علانية فان اكرامه بعد خدامه عملا بنصه المكرر المقرر لكانوا عاصين وان تركوا اكرامه كانوا مطيعين ومثل ذلك يقع فی اقوال الائمة اما لحدوث ضرورة او حرج او عرف او تعامل او مصلحة مهمة تجلب او مفسدة ملمة تسلب وذلک لان استثناء الضرورات ودفع الحرج ومراعاة المصالح الدينية الخالية عن مفسدة تربو عليها درء المفاسد والاخذ بالعرف والعمل بالتعامل كل ذلك قواعد كلية معلومة من الشرع ليس احد من الائمة الا مائلا اليها وقائلا بها ومعولا عليها" ۱ [فتاویٰ رضویہ قدیم، جلد اول، ص ۳۸۵]

مختلف اقوال فقہا میں تقدیم کی ترتیب کیا ہوگی؟

بسا اوقات کسی مسئلہ پر صاحب مذہب حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی قول نہیں ہوتا ہاں اس مسئلہ پر آپ کے کئی تلامذہ کے اقوال ہوتے ہیں ایسے میں کن کے قول کو مقدم رکھا جائے گا اس سلسلے میں امام احمد رضا قدس سرہ نے علامہ شامی کی شرح عقود سے افادہ فرمایا کہ جب کسی مسئلے میں امام ابوحنیفہ کا قول نہ ہو تو امام ابو یوسف کے ظاہر قول کو لیا جائے گا پھر امام محمد کے ظاہر قول کو لیا جائے گا پھر زفر وحسن وغیرہم کے ظاہر قول کو لیا جائے گا پہلے بڑے کا قول پھر اس کے بعد والے کا علی

الترتیب۔[فتاویٰ رضویہ قدیم،جلد اول،ص:۴۰۰]

مختلف فیہ اقوال میں ترجیح کے وجوہات:

اگر کسی ایک مسئلہ میں چند مختلف اقوال ہوں تو ان میں سے قول راجح کی معرفت فتویٰ نویسی کے مسند نشین کے لیے نہایت ضروری ہے مگر قول راجح کی معرفت کیسے ہوگی؟ ایک قول کے دوسرا اقوال پر راجح ہونے کے اشارات و وجوہات کیا کیا ہیں؟ امام احمد رضا قدس سرہ نے اس قسم کے دس وجوہ ترجیح نقل فرمائے، جب ان میں سے کوئی چند اقوال میں سے کسی ایک کے ساتھ پایا جائے تو وہ قول دوسرے اقوال پر فائق اور لائق فتویٰ سمجھا جائے گا، ترجیح کے دس وجوہ یہ ہیں: (۱) تصحیح کی آکدیت۔ (۲) ایک کا متن میں اور دوسرے کا شروح میں ہونا۔ (۳) ایک کا شروح میں ہونا اور دوسرے کا فتاوی میں ہونا۔ (۴) ایک میں تعلیل کی گئی اور دوسرے میں نہ کی گئی۔ (۵) استحسان ہونا۔ (۶) ظاہر الروایہ ہونا۔ (۷) وقف کے لیے زائد نفع بخش ہونا۔ (۸) اکثر کا قول ہونا۔ (۹ / ۱۰) اہل زمانہ کے حق میں زیادہ مناسب ہونا یا معقول ہونا۔ [فتاویٰ رضویہ قدیم،جلد اول،ص: ۴۰۴]

کسی مسئلہ میں اختلاف ہو اور دونوں اقوال کی تصحیح ہو تو کیا کرے؟

اس ضمن کی آخری بات جو امام اہل سنت امام احمد رضا قدس سرہ نے ایک فتویٰ کے آغاز میں کسی مسئلہ کی تفہیم کے ضمن میں افادہ فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہو، مفتی ان میں سے کس قول پر فتویٰ دے؟ اگر وہ مسئلہ کتابوں میں مصرح ہو اور بلا ترجیح منقول ہو تو کیا حکم ہوگا؟ اور کسی ایک قول کی ترجیح ہو چکی ہو تو کیا حکم ہوگا؟ اور اگر وہ مسئلہ حوادث زمان سے ہو اور کتابوں میں اس کی تصریح نہ ہو البتہ فقہا میں اختلاف ہو جائے اور ان میں سے کسی کی ترجیح وتصحیح نہ ہوئی یا دونوں کی تصحیح کی صراحت ہو چکی ہو تو کیا کرنا چاہیے؟ ان تمام امور پر ایک مفتی کی رہنمائی کرتے ہوئے امام احمد رضا قدس سرہ رقم فرماتے ہیں:

''معاملۂ دائرہ دو قسم ہے: شرعی یا اس کا غیر، یہاں شرعی سے مراد وہ امر ہے کہ جس سے حکم وتحدید شرعی متعلق ہوا اختیار مکلف پر نہ چھوڑا گیا ہو اور غیر سے وہ جسے شرع نے ہمارے اختیار پر رکھا ہے مثلا چاندی چاندی کے عوض بیچنے میں مساوات لازم فرمادی ہے کمی بیشی کا اختیار نہیں اور سونا چاندی کے عوض بیچنے میں کوئی حد مقرر نہ فرمائی ، عاقدین کو اختیار ہے کہ پندرہ کی اشرفی ہزار روپیہ کو لیں دیں خواہ ایک پیسے کو لقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم :اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم ،تو پونڈ کی قیمت پندرہ روپے ہونا حکم شرعی نہیں لیکن روپے کو بدلے سوا گیارہ ہی ماشے چاندی ہونا حکم شرعی ہے، قسم اول : میں پھر دو صورتیں ہیں : کتب میں اس کا حکم مصرح ہے یا حادثۂ جدیدہ ہے کہ اس کا حکم نصوص فقہی سے نکالنا محتاج نظر تفقہ ہے پھر جس کا حکم مصرح ہے وہ ایک ہی حکم ہے جس سے تجاوز ناجائز یا دونوں طرح کے حکم ہیں اور مکلف کو روا ہے ان میں جس پر چاہے عمل کرے، پہلی صورت یہ کہ حکم واحد متفق علیہ ہو یا اگرچہ اختلاف ہے مگر قول راجح ومعتمد ایک ہی ہے خواہ یوں کہ فتویٰ ایک ہی جانب دیا گیا یا دوسری جانب کی ترجیح ان وجوہ پر کہ خادم فقہ جانتا ہے ضعیف ومضمحل ہے بہر حال دوسرا قول ناقابل اخذ ہے فان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جہل وخرق للاجماع درمختار عن تصحیح القدوری للعلامۃ قاسم ،اس صورت میں

اسی حکم کا اتباع واجب ہے خواہ وہ رائے صدر ہو یا رائے اراکین کل یا بعض یا سب کے خلاف ہو اذ لاحکم لاحد مع الشرع المطہر اور دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں قول بلا ترجیح آرا ہوں یا ترجیح دونوں طرف متکافی ہو یہ صورت قسم دوم سے ملتصق ہے کہ ایسی حالت میں مکلف مختار ہے جس پر چاہے عمل کرے، درمختار میں ہے: فی وقف البحر وغیرہ متی کان فی المسئلۃ قولان مصححان جاز القضا والافتاء باحدھما''

[فتاویٰ رضویہ قدیم، جلد ہفتم، ص ۴۸۲]

جلی النص فی اماکن الرخص:

جلی النص فی اماکن الرخص یعنی مقامات رخصت کے بیان میں واضح نص، اصول افتا میں یہ رسالہ بھی بہت اہم ہے جس میں آپ نے یہ لکھا ہے کہ انسان احکام شریعت میں کب رخصت پر عمل کرے اور کب عزیمت پر یعنی مامور بہ یا ممنوع عنہ کب مرتبہ ضرورت میں ہے اور کب اس سے خارج ہے؟ بڑی جامعیت کے ساتھ اس کا واضح بیان فرمایا۔ اس لیے یہ کہنا بجا ہے کہ فتوی نویسی کے اصول وآداب کے باب میں یہ رسالہ تحقیقی خزانہ ہے۔ مختصراً ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

مرتبۂ ضرورت میں کیا کیا چیزیں شامل ہیں۔

علما فرماتے ہیں: مراتب پانچ ہیں:

(۱)ضرورت (۲)حاجت (۳)منفعت (۴)زینت (۵)فضول

امام محقق علی الاطلاق نے اسے اقسام اکل میں دکھایا اور **ضرورت** یہ بتائی کہ بے اس کے ہلاک وقریب ہلاک ہو، اور **حاجت** یہ کہ حرج و مشقت میں پڑے، باقیوں کی تعریف نہ فرمائی مثال بتائی، **منفعت** گیہوں کی روٹی، بکری کا گوشت، **زینت**، حلوا، مٹھائی، **فضول** طعام شعبۂ حرام، "ونقلہ فی "غمز العیون" من قاعدۃ الضرر یزال واقتصر علیہ"

فقیر بقدر فہم کلام عام کرے، **فاقول:** پانچ چیزیں ہیں جن کے حفظ کو اقامت شرائع الہیہ ہے، **دین وعقل ونسب ونفس ومال**، عبث محض کے سوا تمام افعال انہیں میں دورہ کرتے ہیں، اب اگر فعل (کہ ترک بمعنی کف کو کہ وہی مقدور وزیر تکلیف ہے نہ کہ بمعنی عدم کما فی "الغمز" وغیرہ بھی شامل) اگر ان میں کسی کا موقوف علیہ ہے کہ بے اس کے یہ **فوت** یا **قریب فوت** ہو تو یہ مرتبہ **ضرورت** ہے۔ جیسے دین کے لیے تعلم ایمانیات و فرائض عین، عقل ونسب کے لیے ترک خمر وزنا، نفس کے لیے اکل وشرب بقدر قیام بنیہ، مال کے لیے کسب و دفع غصب و امثال ذٰلک، اور اگر توقف نہیں مگر ترک میں لحوق مشقت وضرور وحرج ہے تو **حاجت** جیسے معیشت کے لیے چراغ کہ موقوف علیہ نہیں

ابتداے زمانۂ رسالت علی صاحبها أفضل الصلاۃ والتحیۃ میں ان مبارک مقدس کاشانوں میں چراغ نہ ہوتا۔

ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں: ((والبیوت یومئذ لیس فیها مصابیح))، رواہ الشیخان۔

مگر عامہ کے لیے گھر میں بالکل روشنی نہ ہونا ضرور باعث مشقت وحرج ہے۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو مگر حصول مفید ہے نفس فائدہ مقصودہ اس سے حاصل ہوتا ہے، تو **منفعت** جیسے مکان کے ہر دالان میں ایک چراغ۔ اور اگر فائدہ مقصودہ کی تحصیل اس پر نہیں بلکہ ایک امر زائد زیب و زیبائش بقدر اعتدال کے لیے ہے تو **زینت** جیسے چراغ کی جگہ فانوس، اور اگر اس سے اتنا فائدہ بھی نہیں یا اس میں افراط اور خروج عن الحد ہے تو **فضول** جیسے بے کسی نیت محمودہ کے گھر میں چراغاں۔

اب مواضع ضرورت کا استثنا تو بدیہی جس کے لیے اصل دوم کافی اور اس کی فروع معروف ومشہور اور استفسار سے بعید ومہجور مثلا کھڑے ہوکر نماز نہ پڑھ سکے بیٹھ کے پڑھے ورنہ لیٹ کر ورنہ اشارہ سے الی غیر ذلک مما لا یخفی اس کے لیے تمام ممنوعات کہ کسی حال میں قابل اباحت یا متحمل رخصت ہوں مباح یا مرخص ہوجاتے ہیں نہ مثل زنا وقتل ناحق مسلم کہ کسی شدید سے شدید ضرورت کے لیے بھی مرخص نہیں ہو سکتے، یہاں تک کہ اگر صحیح خوف قتل کے سبب بھی ان پر اقدام کرے گا مجرم ہوگا، حکم ہے کہ باز رہے گر چہ قتل ہوجائے، اگر مارا گیا اجر پائے گا کما نصوا علیہ أصولا و فروعاً پھر اپنی ضرورت تو ضرورت ہے ہی دوسرے مسلم کی ضرورت کا بھی لحاظ فرمایا گیا۔ مثلاً:

(۱) دریا کے کنارے نماز پڑھتا ہے اور کوئی شخص ڈوبنے لگا اور یہ بچا سکتا ہے لازم ہے کہ نیت توڑے اور اسے بچائے، حالاں کہ ابطال عمل حرام تھا۔

قال تعالیٰ: {لا تبطلوا اعمالکم}

(۲) نماز کا وقت تنگ ہے ڈوبتے کو بچانے میں نکل جائے گا، بچائے، اور نماز قضا پڑھے اگر چہ قصداً قضا کرنا حرام تھا۔

(۳) نماز کا وقت جاتا ہے اور قابلہ اگر نماز میں مشغول ہو بچے پر ضائع ہونے کا اندیشہ ہے نماز کی تاخیر کرے۔

(۴) نماز پڑھتا ہے اور اندھا کنویں کے قریب پہنچا، اگر یہ نہ بتائے وہ کنویں میں

گر جائے، نیت توڑ کر بتانا واجب ہے۔

اشباہ میں ہے: "تخفیفات الشرع أنواع الخامس تخفیف تأخیر کتأخیر الصلاۃ عن وقتھا في حق مشتغل بانقاذ غریق ونحوہ"

ردالمختار کتاب الحج میں ہے: "جاز قطع الصلاۃ أو تأخیرھا لخوفه علی نفسه أو ماله أو نفس غیرہ أو ماله کخوف القابلة علی الولد والخوف من تردی أعمی وخوف الراعي من الذئب وأمثال ذٰلک"

اقول: یہ بھی حقیقۃً اپنے نفس کی طرف راجع کہ یہ شرعاان کے بچانے پر مامور ہے۔

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است اگر خاموش بنشینم گناہ است

ولہذا جن کا نفقہ اس پر لازم ہے بے ان کا بندوبست کیے حج کو نہ جائے اور جن کا نفقہ اس پر نہیں اگر چہ اس کے چلے جانے سے ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو اس پر لحاظ لازم نہیں کہ یہ یہاں رہتا جب بھی تو انہیں نفقہ دینے کا شرعاً مامور نہ تھا۔

پھر عالمگیریہ میں ہے: "کرھت خروجه (أي للحج) زوجته وأولادہ أو من سواھم ممن تلزمه نفقته وھو لا یخاف الضیعة علیھم فلا بأس بأن یخرج ومن لا تلزم نفقته لو کان حاضراً فلا بأس بالخروج مع کراھته وان کان یخاف الضیعة علیھم"

اور **زینت وفضول** کے لیے کسی ممنوع شرعی کی اصلا رخصت نہ ہوسکنا بھی ایضاح سے غنی جس پر اصل اول بدرجۂ اولیٰ دلیل وافی ورنہ احکام معاذ اللہ ہوائے نفس کا بازیچہ ہوجائیں۔

[فتاویٰ رضویہ جدید، ج:۱، ص:۳۷۶-۳۷۷، امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف]

مفتی کو بیدار مغز ہونا چاہیے

فتویٰ نویسی کے اصول وآداب میں سے یہ بھی ہے کہ مفتی بیدار مغز ہو کر پہلے مستفتی کے سوال کو بغور پڑھے پھر اس کے ہر پہلو پر کامل غور کرے، مسئلہ ایمان وکفر کا ہو تو اس کے تمام گوشوں کا احاطہ کرے، قائل کے قول میں کفر کے ننانوے احتمالات ہوں اور ایمان کا صرف ایک ہی احتمال ہو اگر چہ ضعیف ہی سہی تو مفتی کے لیے لازم ہے کہ قائل کے قول کو ایمان پر محمول کرے، ایک سوال امام اہل سنت کی خدمت میں پیش ہوا:

زید نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کے شروع میں عربی عبارت میں اس طرح لکھا ہے: بسم اللہ الرحمن الرحیم الٰھنا محمد وھو معبود جل شانه وعز برہانه

ورسولنا محمد وھو محمود صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، ان الفاظ کی کوئی تاویل ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ایسے لکھنے والے پر شرعاً کیا حکم ہے اور اس سے میل جول رکھنا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا اور ایسے اعتقاد والے سے نکاح وغیرہ پڑھوانا شرعاً کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔ [فتاویٰ رضویہ قدیم، ج:٦،ص:١١٤]

غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس سوال میں ایک جملہ ہے **الھنا محمد**۔ اگر محمد میم کے فتح کے ساتھ ہو تو یہ کفر ہے مگر محمد بکسر میم ہو تو کفر نہیں، اس جواب میں امام اہل سنت کی جہاں علم کلام پر دقت نظر واضح ہو رہی ہے وہیں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مفتی پر لازم ہے کہ وہ جواب کے ہر پہلو کا کامل احاطہ کرے، پھر جواب دے۔ جواب دینے میں جلد بازی نہ کرے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

ہمارے ائمہ نے حکم دیا ہے کہ اگر کسی کلام میں ننانوے احتمال کفر کے ہوں اور ایک اسلام کا تو واجب ہے کہ احتمال اسلام پر کلام محمول کیا جائے، جب تک اس کا خلاف ثابت نہ ہو، پہلے جملہ میں محمد بفتح میم کیوں پڑھا جائے محمِد بکسر میم کہا جائے یعنی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محمد ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بار بار بکثرت حمد وثنا کیے گئے، اور ان کا رب عزوجل ان کا محمد ہے بار بار بکثرت ان کی مدح وتعریف فرمانے والا، اب یہ معنی صحیح ہو گئے اور لفظ بالکل کفر سے نکل گیا اور اگر بفتح میم ہی پڑھیں اور معنی لغوی مراد ہیں، یعنی ہمارا رب بکثرت حمد کیا گیا ہے جب بھی عنداللہ کفر نہ ہوگا مگر اب صرف نیت کا فرق ہوگا بہر حال ناجائز ہونے میں شبہہ نہیں، ردالمحتار میں ہے مجرد ایھام المعنی المحال کان فی المنع مصنف کو توبہ چاہیے اور اسے متنبہ کیا جائے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں مگر یہ کہ کوئی حالت خاصہ داعی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم [فتاویٰ رضویہ قدیم، ج:٦،ص:١١٤]

مفتی کا کام حکم شرع بیان کرنا حقیقت حال سے آگاہی نہیں؟

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک فریق فتوی لے کر چلا جاتا ہے اور دوسرے فریق کے موافق وہ فتوی نہیں ہوتا ہے تو مفتی سے الجھنا شروع کر دیتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ آپ نے غلط حکم دیا ہے کیوں کہ معاملہ اس کے برعکس ہے اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں امام اہل سنت فرماتے ہیں مفتی کا کام حکم شرع بیان کرنا نہ کہ حقیقت حال کی تحقیق۔ وہ لکھتے ہیں:

یہاں فتویٰ دیا جاتا ہے دار القضا نہیں کہ فریقین کے بیان سننا تحقیقات امر واقع کرنا لازم ہو مفتی تو صورت سوال کا جواب دے گا اس سے اسے بحث نہیں کہ واقع کیا ہے نہ فریقین کا بیان سننا اس پر لازم نہ اس کا کام ہاں اتنا ضرور ہے کہ سوال اگر ظاہر البطلان ہو تو اس کا جواب نہ دے اور دے تو اس کی غلطی ظاہر کر دے تا کہ وہ اپنے فتوے

سے باطل کا مددگار نہ بنے۔ [فتاوی رضویہ قدیم، ج:۶،ص:۴۱۱]

غیر واضح سوال کا جواب دینا مفتی پر لازم نہیں:

بسا اوقات سائل ایک دو صفحہ سیاہ کر لیتا ہے مگر سائل کا مقصود کیا ہے؟ یا کیا مسئلہ معلوم کرنا چاہتا ہے یہ معلوم نہیں ہوتا، اس طرح کا سوال آداب استفتا کے خلاف ہے اگر گول مول سوال ہو تو مفتی کو چاہیے کہ ایسے سوال کا جواب نہ دے اور سائل کو تلقین کرے کہ سوال صاف وشفاف لکھے۔

ایک گول مول سوال کے جواب میں امام اہل سنت لکھتے ہیں کہ:

> سوال صاف کرنا چاہیے، معمہ میں کہنے کے کیا معنی، بات پوری لکھی جائے، تو جواب دیا جائے کیا کہا، اور کسے کہا اور کس بنا پر کہا؟
>
> [فتاویٰ رضویہ قدیم، جلد ششم، ص:۱۱۷]

امام اہل سنت کی باتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ گول مول سوال کا جواب مفتی ہرگز نہ دے اور سائل کو تلقین کرے کہ سوال دوبارہ لکھ کر بھیجے۔

فتوی عرف کے مطابق ہوگا اگرچہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہو:

فتوی ہمیشہ ظاہر الروایہ کے مطابق ہوگا مگر عرف اس کے برخلاف ہو تو عرف کے مطابق فتویٰ ہوگا اور حقیقت میں یہ مخالفت نہیں ہے بلکہ یہی مذہب محقق کا تقاضہ ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ سے اسی طرح کا ایک سوال ہوا تو آپ نے فرمایا فتویٰ اگر ظاہر الروایہ کے خلاف ہو مگر عرف کے موافق ہو تو یہی اوفق ہے۔ چناں چہ فرماتے ہیں:

> فتویٰ نظر فقیر سے گزرا میں اس امر میں یکسر متفق ہوں کہ صورت مذکورہ میں ضمانت حاضری ۱۸ رفروری تک منتہی ہوگئی اگرچہ جواب ظاہر الروایۃ اس کے خلاف ہے مگر اب عرف ومقاصد ناس قطعاً اسی پر حاکم اور اتباع عرف واجب ولازم تو یہ حقیقۃ مخالفت ظاہر نہیں بلکہ زمان برکت نشان حضرات ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں عرف دائر وسائر یوں ہوتا تو ہم جزم کرتے ہیں کہ حکم ظاہر الروایۃ ضرور مطابق روایت امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوتا ولہذا ائمہ تصحیح نے اس روایت پر اسی وجہ سے فتویٰ بھی دیا ہے کہ وہ اشبہ بعرف ناس ہے اسی لیے علما فرماتے ہیں کہ من لم یعرف أهل زمانه فهو جاهل۔
>
> [فتاوی رضویہ، جلد ہفتم، ص:۲۶۴]
>
> قاضی شہر بھیونڈی وشیخ الحدیث وصدر افتاء الجامعۃ الرضویہ کلیان

اصول فقہ میں امام احمد رضا کے افادات

مفتی مشتاق احمد امجدی

کسی بھی فن کے فروع وجزئیات کی صحیح پرکھ اور ان کے انضباط میں کامل گرفت کے لیے کچھ اصول وضوابط مقرر ہیں جن پر اس فن کے مسائل وجزئیات کو جانچا اور پرکھا جاتا ہے، اس قسم کے اصول وقوانین کو اس فن کے اصول کہا جاتا ہے جیسے علم حدیث کے متعلقات میں کھرے کھوٹے کی تمیز کے لیے ماہرین فن کے نزدیک کچھ اصول وضوابط مقرر ہیں وہ اس فن کے ماہرین کی اصطلاح میں ''اصول حدیث'' سے موسوم ہیں، اسی طرح قرآن کریم کی تفسیر وتوضیح میں صحیح وفاسد اور درست ونادرست کی پہچان کے لیے بھی کچھ اصول وقوانین متعین ہیں ایسے اصول وقوانین اصحابِ فن تفسیر کے نزدیک ''اصول تفسیر'' سے تعبیر کیے جاتے ہیں۔

علم فقہ قرآن وحدیث کا حسین سنگم اور علوم قرآن وحدیث کا نچوڑ اور عطر مجموعہ ہے، اس فن کے فروع وجزئیات لاتعداد وغیر محصور ہیں، دیگر علوم وفنون کی طرح اس فن کے غیر محصور احکام ومسائل اور بے حد وبے شمار جزئیات وفروعات کو جاننے کے لیے بھی کچھ اصول معہود ہیں، اس فن کے مسائل جن اصول وقوانین پر مبنی ہیں اور جن سے ان کے مسائل میں کھرے کھوٹے کا فرق وامتیاز کیا جاتا ہے وہ اس علم کے اصول کہلاتے ہیں جو مستقل ایک فن ہے جس پر ہمارے متقدمین ومتاخرین علما ومشائخ نے بکثرت کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔

امام احمد رضا قدس سرہ کی ذات ستودہ صفات چودہویں صدی ہجری میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک عظیم نشانی اور رسول گرامی وقار حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات میں سے اہم ترین معجزہ تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے شمار اوصاف حمیدہ اور کثیر کمالات علمیہ سے نوازا تھا بلکہ اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ وہ کون سا علم اور کون سا فن ہے جس پر اللہ عزوجل نے امام احمد رضا قدس سرہ کو غیر معمولی بصیرت نہیں بخشی تھی۔

دیگر متنوع علوم وفنون کی طرح ''علم اصول فقہ'' پر بھی امام احمد رضا قدس سرہ کو حد درجہ حذاقت ومہارت تھی، جس پر آپ کے نوک قلم سے تحریر فرمودہ بیش قیمت کتب ورسائل شاہد عدل ہیں، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے تلمیذ رشید اور چہیتے خلیفہ ملک العلماء الشاہ مفتی سید ظفر الدین بہاری علیہ رحمۃ اللہ الباری نے حیات اعلیٰ حضرت میں اس فن پر جن کتب ورسائل کا اشارہ دیا اس کی ایک اجمالی فہرست یہ ہے:

(۱) التاج المکلل فی انارۃ مدلول کان یفعل۔ (۲) السیاف المخیفۃ علی عائب ابی حنیفۃ۔

(۳) اعز النکات بجواب سوال ارکات ملقب بالفضل الموہبی فی معنی اذا صح الحدیث فہو مذہبی۔

(۴) طائب الصیب علی ارض ائطیب۔ (۵) البرق المخیب علی بقاع طیب۔

(۶)العطر المطیب لبنت شفة الطیب۔ (۷)الامة القاصفة لکفریات الملاطفة۔
(۸)الجائفة علی تھافة الملاطفة۔ (۹)سیاط المؤدب علی رقبة المستعرب۔

[حیات اعلیٰ حضرت، چہارم،ص ۵۳،امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر، بریلی شریف]

یہ وہ کتب ورسائل ہیں جو بوقت ضرورت اصول فقہ سے متعلق کسی خاص مسئلہ پر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے جن میں امام اہل سنت نے اپنی تحقیقات نادرہ کے قیمتی موتی بکھیرے ہیں ،ان کتب ورسائل کے علاوہ اس فن کی ایک معرکۃ الآراء کتاب ''فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت'' پرآپ نے گراں قدر حاشیہ تحریر فرمایا ہے جواصول فقہ میں ایک مستقل کام ہے جس میں آپ نے متنوع افادات اصولیہ بیان فرمائے، یہ تحقیقی اور معلوماتی حاشیہ بہت جلد طبع ہونے کو ہے،اسی طرح امام احمد رضا قدس سرہ نے دور طالب علمی ہی میں جب آپ کی عمر شریف صرف ۱۰رسال تھی اصول فقہ کی نہایت دقیق اور فنی کتاب ''مسلم الثبوت'' جسے اصول فقہ کا مستند متن کہا جاسکتا ہے،امام احمد رضا قدس سرہ نے جابجا عربی زبان میں حاشیہ یا تعلیق تحریر فرمایا اور مغلق مقامات کی توضیح اور مشکل ولاینحل عبارات کی تشریح میں متعدد اصولی افادے رقم فرمائے، کہا جاتا ہے کہ مسلم الثبوت کا یہ وہ نسخہ تھا جو آپ کے والد ماجد رئیس المتکلمین علامہ مفتی نقی علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مطالعہ میں ہوا کرتی تھی،آپ نے جابجا ''فیہ نظر'' لکھ دیا جو اس بات کی جانب اشارہ ہوتا کہ اس مقام پر کچھ اشکال یا اعتراض ہے، یہی نسخہ جب امام احمد رضا قدس سرہ کے مطالعہ سے گذرنے لگا اور آپ اسی نسخہ سے درس لینے لگے تو آپ نے دوران مطالعہ انہیں مقامات پر تعلیقات تحریر فرمائیں،ان تعلیقات وحواشی میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایسی جامع تشریح قلم بند فرماتے ہیں جس سے اس عبارت کی گتھیاں سلجھ جاتیں اور وہ عبارت ایسی معلوم ہوتی جیسے اس پر کبھی کسی قسم کا کوئی اشکال واعتراض ہی نہ رہا ہو۔

آپ کے قلم حق رقم سے جاری شدہ فتاوے کا بیش بہا خزانہ ''فتاویٰ رضویہ'' جو فقہ وفتاویٰ کے باب میں نادر اور عظیم فقہی انسائیکلو پیڈیا ہے بلکہ اس باب میں چودھویں صدی ہجری کا عظیم شاہکار کارنامہ ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس نادر ونایاب مجموعۂ فتاویٰ میں جابجا اصول فقہ کے اصول وکلیات زیر بحث لاکر نو پید مسائل کا حل پیش فرمایا ہے جس کے جلوہائے رنگا رنگ بخوبی نظر آتے ہیں جو فتاویٰ رضویہ کا تعمق نظری سے مطالعہ کرنے والوں پر مخفی وپوشیدہ نہیں ،سردست اسی فقہی انسائیکلو پیڈیا سے امام اہل سنت کے چند اصولی افادات پیش کیے جاتے ہیں جس سے قارئین باتمکین امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی فقہی ژرف نگاہی، مجتہدانہ رنگ اور محققانہ طرز قریب سے محسوس کرسکیں گے۔

احکام شرعیہ کی نادر تقسیم:

اصول فقہ میں ادلہ کے ساتھ احکام کا بیان بھی زیر بحث آتا ہے جس میں احکام مشروعہ کی تفصیل پیش کی جاتی ہے،اصول فقہ کی کتب معتمدہ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام شرعیہ کی تقسیم میں علمائے اصولیین اور فقہائے معتمدین کے چار اقوال ملتے ہیں جس کی تصریح امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے فتاویٰ میں فرمائی ہے جو حسب ذیل ہے:

قول اول:

احکام شرعیہ کی پانچ قسمیں ہیں: (۱) واجب (۲) مندوب (۳) مکروہ (۴) حرام (۵) مباح۔

قول دوم:

احکام شرعیہ کی سات قسمیں ہیں: (۱) فرض (۲) واجب (۳) مندوب (۴) مباح (۵) حرام (۶) مکروہ تحریمی (۷) مکروہ تنزیہی۔

قول سوم:

احکام شرعیہ کی قسمیں سات ہی ہیں مگر بعض حضرات نے اس کی ترتیب یوں بیان کی (۱) فرض (۲) واجب (۳) سنت (۴) نفل (۵) حرام (۶) مکروہ (۷) مباح.

قول چہارم:

احکام شرعیہ کی نو قسمیں ہیں: (۱) فرض (۲) واجب (۳) سنت ہدیٰ (سنت مؤکدہ) (۳) سنت زائدہ ''غیر مؤکدہ'' (۵) نفل (۶) حرام (۷) مکروہ تحریمی (۸) مکروہ تنزیہی (۹) مباح۔

مذکورہ بالا چاروں تقسیم میں سے ہر ایک میں اصولی اعتبار سے کچھ نہ کچھ خلل موجود ہے مگر امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی خداداد صلاحیت ولیاقت اور مجتہدانہ کوششوں سے احکام شرعیہ کی تقسیم پر ایسی نادر تحقیق اور شاہکار افادہ پیش فرمایا آپ کی بیان کردہ تقسیم مذکورہ بالا چاروں اقوال کے تمام خلل اور کمیوں سے یکسر پاک ہے، آپ کی تحقیق کے مطابق احکام شرعیہ گیارہ ہیں:

پانچ جانب فعل میں متنازلاً: فرض، واجب، سنت مؤکدہ، سنت غیر مؤکدہ، مستحب

پانچ جانب ترک میں متصاعداً: خلاف اولیٰ، مکروہ تنزیہی، اساءت، مکروہ تحریمی، حرام

اور ان سب کے بیچ میں ایک ''مباح خالص''

امام موصوف مذکورہ چاروں اقوال کے خلل اور کمیوں کی نشاندہی اور اپنی تحقیقات قیمہ کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''اقول: تقسیم اول میں کمال اجمال اور مذہب شافعی سے الیق ہونے کے علاوہ صحت مقابلہ اس پر مبنی کہ ہر مندوب کا ترک مکروہ ہو'' وقد علمت انہ خلاف التحقیق'' نیز سنت ومندوب میں فرق نہ کرنا مذہب حنفی وشافعی کسی کے مطابق نہیں یہی دونوں کمی تقسیم دوم میں بھی ہیں، سوم و چہارم میں عدم تقابل بدیہی کہ سوم میں جانب فعل چار چیزیں ہیں اور جانب ترک دو، چہارم میں جانب فعل پانچ ہیں اور جانب ترک تین پھر جانب ترک بسط اقسام کرکے تصحیح مقابل کیجیے تو اسی مقابلہ نفل وکراہت سے چارہ نہیں مگر بتوفیق اللہ تعالیٰ تحقیق فقیر سب خللوں سے پاک ہے اس نے ظاہر کیا کہ بلکہ احکام گیارہ ہیں۔ پانچ جانب فعل میں متنازلاً فرض، واجب، سنت مؤکدہ، غیر مؤکدہ، مستحب، اور پانچ جانب ترک میں متصاعداً خلاف اولیٰ، مکروہ تنزیہی، اساءت، مکروہ تحریمی، حرام، جن میں میزان مقابلہ اپنے کمال اعتدال پر ہے کہ ہر ایک اپنے نظیر کا مقابل ہے اور سب کے بیچ میں گیارہواں ''مباح خالص''۔[فتاویٰ رضویہ

،قدیم،جلداول،ص۱۷۵]

بلا شک وارتیاب افادات اصولیہ میں امام احمد رضا قدس سرہ کی تحقیقات نادرہ کا یہ وہ گنج گراں مایہ ہے جس سے آپ کی دقت نظر، وسعت فکر اور جودت طبع خوب خوب آشکارا ہوتی ہے، خود امام ہمام، فقیہ تمقام امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ اللہ المنان اپنی اس نادرونایاب تحقیق کا تذکرہ اوراس پر اظہار مسرت مندرجہ ذیل الفاظ میں فرماتے ہیں:

''اس تقریر منیر کو حفظ کر لیجیے کہ ان سطور کے غیر میں نہ ملے گی اور ہزار ہا مسائل میں کام دے گی اور صدہا عقدوں کو حل کرے گی ،کلمات اس کے موافق، مخالف سب طرح کے ملیں گے ،مگر بحمداللہ تعالیٰ حق اس سے متجاوز نہیں فقیر طمع رکھتا ہے کہ اگر حضور سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور یہ تقریر عرض کی جاتی ضرور ارشاد فرماتے کہ یہ عطر مذہب وطراز مہذب ہے۔ والحمدللہ رب العالمین'' [ایضا]

پھر یہ احکام جن ادلۂ سمعیہ سے ثابت ہوتے ہیں ان کے متعلق بھی امام احمد رضا قدس سرہ کے افادات مثالی اور لائق حفظ ہیں، امام احمد رضا قدس سرہ کے مطابق ادلۂ سمعیہ نو ہیں چناں چہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کمال اختصار کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں:

ان الادلة السمعية تسعة اقسام لان لها طرفين الثبوت والاثبات و كل على ثلاثة وجوه القطع ،والظن والشک خمسة منها وهی مافی احد طرفيها شكا لا يثبت فوق سنية اوندب وان اشتملت على طلب جازم والاربعة البواقی كذلک ان اشتملت على طلب غير جازم والا فان كان كلاالطرفين قطعيا ثبت الافتراض والافالوجوب'' [فتاویٰ رضویه قدیم، جلداول، ص ۱۱:]

ترجمہ:

دلائل سمعیہ کی نو قسمیں ہیں کیوں کہ ان کی دو طرفیں ہیں (۱) ثبوت (۲) اثبات ،اور ہر ایک میں تین احتمال ہیں (ہر شق کے تین احتمالات کے مقابل دوسری شق کے تین احتمال ہوئے ،اس طرح کل نو صورتیں ہوئیں) (۱) یقینی (۲) ظنی (۳) مشکوک یعنی موہوم، ان میں سے پانچ صورتوں میں جن میں کسی ایک جانب شک ہو سنیت اور استحباب سے زیادہ کوئی چیز ثابت نہیں ہوگی اگر چہ وہ دلیل طلب جازم پر مشتمل ہو، باقی چار قسمیں اگر غیر جازم طلب پر مشتمل ہوں تو ان سے بھی سنیت اور استحباب سے زیادہ کچھ ثابت نہیں ہوگا اور اگر طلب جازم پر مشتمل ہوں تو پھر اگر دونوں طرفیں (ثبوت اور اثبات) قطعی ہیں تو فرضیت ثابت ہوگی ورنہ وجوب۔

پھر امام احمد رضا قدس سرہ نے افادہ فرمایا کہ ان ادلۂ تسعہ کو پھیلایا جائے تو جانب طلب اور جانب ترک ستائیس ستائیس صورتیں ہوتی ہیں جن میں سے جانب طلب وجزم کی ستائیس قسموں میں سے صرف ایک سے فرض کا ثبوت ہوتا ہے، تین سے وجوب، چار سے سنت مؤکدہ اور انیس قسموں سے استحباب وسنت غیر مؤکدہ کا ثبوت ہوتا ہے، اسی طرح جانب کف ومنع کی ستائیس قسموں میں سے ایک سے حرام، تین سے مکروہ تحریمی، چار سے اساءت اور انیس سے مکروہ تنزیہی وخلاف کا ثبوت ہوتا ہے، یہ لیجیے

پہلے امام احمد رضا قدس سرہ کی بابرکت مختصر عبارت ملاحظہ کریں۔

”ثم اقول: الشک فی الاثبات مثل الشک فی الثبوت فاذن الاوضح الاجمع الاشمل الاکمل ان نقول النصوص الطلبیة علی ثلثة اقسام مافیہ طلب ترغیب مجردا او مع تاکید او طلب جازم و کل منھا علی تسعة اقسام کماقدمت فھی سبعة و عشرون قسما لا یثبت الافتراض منھا الا واحد وھو یقینی الثبوت والاثبات مع طلب الجازم و ثلثة تفید الوجوب وھو ظنی الثبوت او الاثبات او کلیھما مع الطلب الجازم فی الکل واربعة تفید الاستنان وھی نظائر ما تفید الفرضیة والوجوب فی الثبوت والاثبات بیدان الطلب فیھا مؤکد غیر جازم والبواقی وھی تسعة عشر تفید الندب وھی التی فی احد طرفیھا شک ولوالطلب جازما او کان الطلب فیھا ترغیب مجرد ولو قطعی الطرفین وقس علی ھذا فی جانب الکف الحرام والمکروہ تحریما وتنزیھا و خلاف الاولی ولا تذھلن عن مقام الاحتیاط واللّٰہ الھادی الی سواء الصراط“

[فتاویٰ رضویہ قدیم، جلد اول، ص ۱۱:]

ترجمہ:

پھر میں کہتا ہوں کہ اثبات میں شک ایسے ہی ہے جیسے ثبوت میں، اب زیادہ واضح جامع شامل اور کامل تفصیل یہ ہے کہ وہ نصوص جن کا تعلق طلب سے ہے ان کی تین قسمیں ہیں (۱) وہ نصوص جن میں صرف ترغیب ہے (۲) یا جن میں ترغیب کے ساتھ تاکید بھی ہے (۳) یا جن میں طلب جازم ہے، اوران میں ہر ایک کی نو قسمیں ہیں، جیسے کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں تو یہ کل ستائیس قسمیں ہوئیں، ان میں صرف ایک صورت ہے جس سے فرضیت ثابت ہوتی ہے، وہ دلیل جس کا ثبوت اور اثبات یقینی ہو اور طلب جازم پر دلالت کرے، اور تین قسمیں وجوب کا فائدہ دیتی ہیں، وہ دلیل جس کا ثبوت یا اثبات یا دونوں ہی ظنی ہوں طلب جازم کے ساتھ اور چار صورتیں سنیت کا فائدہ دیتی ہیں، یہ ثبوت اور اثبات میں ان صورتوں کی مثل ہیں جن سے فرضیت اور وجوب ثابت ہوتا ہے مگر یہ کہ ان میں طلب موکد ہے لیکن یقینی جازم نہیں ہے باقی انیس صورتیں استحباب کا فائدہ دیتی ہیں اور یہ وہ صورتیں ہیں جن کی ایک جانب ثبوت یا اثبات میں شک ہے اگر چہ طلب جازم ہو یا ان میں محض ترغیب ہو اگر چہ ان کی دونوں طرفیں قطعی ہوں اسی پر ممانعت کی جانب حرام، مکروہ تحریمی وتنزیہی اور خلاف اولیٰ کو قیاس کرو اور مقام احتیاط میں غفلت نہ برتو، اللہ تعالیٰ ہی راہ راست کی ہدایت دینے والا ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ کا یہ اصولی افادہ کس قدر نادر و نایاب اور بیش قیمت و بیش بہا ہے اس کا اندازہ خود ان کے اس جملہ سے لگائیں جو انھوں نے اپنی مذکورہ تحقیق انیق پر تحدیثِ نعمت کے طور پر تحریر فرمایا ہے، آپ رقم طراز ہیں:

”ھذہ ھو التحقیق الساطع اللامع فاحفظہ فلعلک لا تجدہ فی غیر ھذہ السطور“ یہ وہ روشن نور والی چمکتی ہوئی

تحقیق ہے کہ تمہیں ان سطور کے علاوہ کہیں اور نہیں ملے گی اسے اچھی طرح محفوظ کرلو۔[فتاویٰ رضویہ قدیم، جلد اول، ص ۱۱:]

مذکورہ چند سطور میں امام اہل سنت نے ادلۂ سمعیہ کی جانب طلب وجزم اور جانب منع وکف جن ستائیس ستائیس صورتوں کا اجمالی خاکہ پیش فرمایا ہے انہیں سمجھنے کے لیے غیر معمولی دقت نظر اور ذہنی استحضار درکار ہے، ماضی قریب کے مشہور ومعروف اصولی، استاذ گرامی قدر فقیہ اہل سنت مفتی آل مصطفےٰ مصباحی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سابق صدر مفتی جامعہ امجدیہ گھوسی، مئو، یوپی نے اپنے نادر زمن عربی حاشیہ ''منیر التوضیح'' میں کمال ذہانت وفطانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مذکورہ بالا جانب فعل وجانب ترک کی ۵۴ رصورتوں کی انتہائی دل نشین تفصیل تحریر فرمائی ہے، بغرض افادہ پوری تفصیل یہاں نقل کی جاتی ہے۔

فرضیت:

(۱) جس کا ثبوت واثبات دونوں یقینی ہو اور طلب جازم ہو۔

وجوب:

(۲) ثبوت قطعی ہو، اثبات ظنی اور طلب جازم۔

(۳) ثبوت ظنی ہو، اثبات قطعی اور طلب جازم۔

(۴) ثبوت واثبات دونوں ظنی ہو اور طلب جازم۔

سنت مؤکدہ:

(۵) ثبوت واثبات دونوں قطعی اور طلب مؤکد غیر جازم۔

(۶) ثبوت قطعی، اثبات ظنی اور طلب مؤکد غیر جازم۔

(۷) ثبوت ظنی، اثبات قطعی اور طلب مؤکد غیر جازم۔

(۸) ثبوت واثبات دونوں ظنی اور طلب مؤکد غیر جازم۔

استحباب اور سنت غیر مؤکدہ کی ۱۹ رصورتیں:

(۹) ثبوت قطعی، اثبات شکی اور طلب جازم۔

(۱۰) ثبوت شکی، اثبات قطعی اور طلب جازم۔

(۱۱) ثبوت ظنی، اثبات شکی اور جازم۔

(۱۲) ثبوت شکی، اثبات ظنی اور طلب جازم۔

(۱۳) ثبوت شکی، اثبات شکی اور طلب جازم۔

(۱۴) ثبوت قطعی، اثبات شکی اور طلب مؤکد۔

(۱۵) ثبوت شکی، اثبات قطعی اور طلب مؤکد۔

(۱۶) ثبوت ظنی، اثبات شکی اور طلب مؤکد۔

(۱۷) ثبوت شکی، اثبات ظنی اور طلب مؤکد۔

(۱۸) ثبوت شکی، اثبات ظنی اور طلب مؤکد۔

(۱۹) ثبوت قطعی، اثبات قطعی اور طلب محض ترغیبی۔

(۲۰) ثبوت قطعی، اثبات ظنی اور طلب محض ترغیبی۔

(۲۱) ثبوت قطعی، اثبات شکی اور طلب محض ترغیبی۔

(۲۲) ثبوت ظنی، اثبات قطعی اور طلب محض ترغیبی۔

(۲۳) ثبوت ظنی، اثبات ظنی اور طلب محض ترغیبی۔

(۲۴) ثبوت ظنی، اثبات شکی اور طلب محض ترغیبی۔

(۲۵) ثبوت شکی، اثبات قطعی اور طلب محض ترغیبی۔

(۲۶) ثبوت شکی، اثبات ظنی اور طلب محض ترغیبی۔

(۲۷) ثبوت شکی، اثبات شکی اور طلب محض ترغیبی۔

حرام:

(۱) وہ دلیل جس کا ثبوت و اثبات دونوں قطعی ہوں اور طلب کف جازم ہو۔

مکروہ تحریمی:

(۲) ثبوت قطعی، اثبات ظنی اور طلب کف جازم۔

(۳) ثبوت ظنی، اثبات قطعی اور طلب کف جازم۔

(۴) ثبوت و اثبات دونوں ظنی اور طلب کف جازم۔

اساءت:

(۵) ثبوت و اثبات دونوں قطعی اور طلب کف مؤکد غیر جازم۔

(۶) ثبوت قطعی، اثبات ظنی اور طلب کف مؤکد غیر جازم۔

(۷) ثبوت ظنی، اثبات قطعی اور طلب کف مؤکد غیر جازم۔

(۸) ثبوت و اثبات دونوں ظنی اور طلب کف مؤکد غیر جازم۔

مکروہ تنزیہی و خلاف اولیٰ:

(۹) ثبوت قطعی، اثبات شکی اور طلب کف جازم۔

(۱۰) ثبوت شکی، اثبات قطعی اور طلب کف جازم۔

(۱۱) ثبوت ظنی، اثبات شکی اور طلب کف جازم۔

(۱۲) ثبوت شکی، اثبات ظنی اور طلب کف جازم۔

(۱۳) ثبوت شکی، اثبات شکی اور طلب کف جازم۔

(۱۴) ثبوت قطعی، اثبات شکی اور طلب کف مؤکد۔

(۱۵) ثبوت شکی، اثبات قطعی اور طلب کف مؤکد۔

(۱۶) ثبوت ظنی، اثبات شکی اور طلب کف مؤکد۔

(۱۷) ثبوت شکی، اثبات ظنی اور طلب کف مؤکد۔

(۱۸) ثبوت شکی، اثبات شکی اور طلب کف مؤکد۔

(۱۹) ثبوت قطعی، اثبات قطعی اور طلب کف محض ترغیبی۔

(۲۰) ثبوت قطعی، اثبات ظنی اور طلب کف محض ترغیبی۔

(۲۱) ثبوت قطعی، اثبات شکی اور طلب کف محض ترغیبی۔

(۲۲) ثبوت ظنی، اثبات قطعی اور طلب کف محض ترغیبی۔

(۲۳) ثبوت ظنی، اثبات ظنی اور طلب کف محض ترغیبی۔

(۲۴) ثبوت ظنی، اثبات شکی اور طلب کف محض ترغیبی۔

(۲۵) ثبوت شکی، اثبات قطعی اور طلب کف محض ترغیبی۔

(۲۶) ثبوت شکی، اثبات ظنی اور طلب کف محض ترغیبی۔

(۲۷) ثبوت شکی، اثبات شکی اور طلب کف محض ترغیبی۔

[منیر التوضیح حاشیۃ التوضیح،ص ۳۷۹-۳۸۱]

دس اصولی افادے:

انگریزی تاجروں کی ایک جماعت کا نام ''روسر'' تھا جس نے شاہجہاں پور میں شکر کا کارخانہ لگایا تھا، اس کمپنی میں جانوروں کی ہڈیاں جلا کر اس کے کوئلوں اور برادوں سے شکر صاف کی جاتی تھی جس میں یہ احتیاط نہیں کی جاتی تھی کہ وہ ہڈیاں پاک ہیں یا ناپاک؟، حلال جانوروں کی ہیں یا مردار کی؟ نیز اس کے بارے میں یہ بھی مشہور تھا کہ اس میں شراب بھی پڑتی تھی یا ان چیزوں کا اس میں استعمال ہوتا تھا جن میں شراب کی آمیزش ہوتی تھی، اس کمپنی سے تیار شدہ شکر کے بارے میں شرعی فیصلہ ایک حساس مسئلہ بن چکا تھا جس کے متعلق اعلیٰ حضرت کے ہم زمانہ اصحابِ فقہ وفتاویٰ مختلف آرا ہو چکے تھے اور اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں اس سلسلے میں بکثرت سوالات پیش ہو رہے تھے، امام احمد رضا قدس سرہ نے مسئلہ کی سنگینی کا سخت احساس فرما کر اپنے منصب عظیم وجلیل کا خیال کرتے ہوئے اس مسئلہ پر ایک تفصیلی رسالہ تحریر فرمایا جو فتاویٰ رضویہ قدیم کے تقریباً ۳۸ر صفحات پر پھیلا ہوا ہے، اس کا تاریخی نام ''الاحلی من السکر لطلبۃ سکر روسر'' ہے۔ آپ اپنے رسالہ کے آغاز میں قلم بند فرماتے ہیں:

''امابعد: اس مسئلہ سے سوال متکرر آیا اور آرائے عصر کو مضطرب پایا اور حاجت ناس، اس طرف ماس اور دفع ہوا جس نہایت ضرور اور کسف وساوس اہم امور لہذا مناسب کہ بحول الواہب اس تازہ فرع کی تحقیق وتنقیح اور حکم شرع کی توضیح وتصریح اس نہج نجیح وطرز رجیح کے ساتھ عمل میں آئے کہ نہ صرف اسی مسئلہ تازہ بلکہ اس قسم کی تمام جزئیات بے اندازہ کا حکم واضح وآشکارہ ہو جائے'' [فتاویٰ رضویہ دوم قدیم، ص۸۸]

جواب سے پہلے آپ نے دس مقدمے بطور تمہید بیان کیے اور ہر مقدمہ کا ثبوت احادیث کریمہ اور تصریحات فقہا سے پیش کیا، اور ان مقدمات عشرہ وقواعد کلیہ کی روشنی میں آپ نے اس کمپنی سے تیار کردہ شکر کے بارے میں تحقیقی وتفصیلی جواب دیا، پھر اخیر میں نو پید مسائل کے حکم شرعی دریافت کرنے کے لیے ان مقدمات کی افادیت واہمیت اجاگر کرتے ہوئے ایک گراں قدر تنبیہ تحریر فرمائی جس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی ان مقدمات عشرہ کو ذہن نشیں کر لے گا اور خوب خوب سمجھ لے گا تو وہ اس قسم کے تمام جزئیات کے شرعی احکام خود جان سکتا ہے، امام احمد رضا قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

''تنبیہ فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ نے ان مقدمات عشرہ میں جو مسائل ودلائل تقریر کیے جو انہیں اچھی طرح سمجھ لیا ہے، اس قسم کے تمام جزئیات مثلاً بسکٹ، نان پاؤ، رنگ کی پڑیوں، یورپ کے آئے ہوئے دودھ، مکھن، صابون، میٹھائیوں وغیرہا کا حکم خود جان سکتا ہے، غرض ہر جگہ کیفیت خبر وحالت مخبر وحاصل واقعہ وطریقہ مداخلت حرام ونجس وتفرقہ ظن ویقین، مدارج ظنون وملاحظہ ضابطہ کلیہ ومسالک ورع ومدارات خلق وغیرہا امور مذکورہ کی تنقیح ومراعات کر لیں پھر ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی جزئیہ ایسا نہ نکلے گا جس کا حکم تقاریر سابقہ سے واضح نہ ہو جائے'' [فتاویٰ رضویہ قدیم، ج۲، ص۱۲۵]

اس رسالہ کے مقدمات عشرہ فقہ اور ادلۂ فقہ پر امام موصوف کی مضبوط گرفت، غیر معمولی صلاحیت ومہارت اور حیرت انگیز فقہی بصیرت پر غمازی کے ساتھ اور آپ کی مجتہدانہ شان وعظمت کو اجاگر کرنے کے لیے نہ صرف کافی بلکہ سنگ میل کا درجہ رکھتے ہیں

، نیز یہ دسوں مقدمات درحقیقت دس اصولی افادات ہیں بغرض نمونہ یہاں مذکورہ دسوں مقدمات کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے ہر مقدمے کے تفصیلی دلائل اوران کے مآخذ ومصادر جاننے کے لیے رسالۂ مذکورہ مشمولہ فتاویٰ رضویہ قدیم جلد دوم کی طرف رجوع کریں۔

مقدمۂ اولیٰ:

ہر جانور کی ہڈی پاک ہے۔ چاہے اس کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہیں کھایا جاتا ہو۔ اسی طرح اسے ذبح کیا گیا ہو یا ذبح نہ کیا گیا ہو مگر شرط یہ ہے کہ ان ہڈیوں پر کسی طرح کی ناپاک چکنائی نہ پائی جاتی ہو، جہاں تک خنزیر کی بات ہے تو اس کے جسم کا ہر ایک جز نجس العین ہے اور ایسا ناپاک ہے کہ وہ طہارت کے لائق ہی نہیں، ناپاک چکنائی کی شرط اس لیے لگائی گئی ہے کہ ایسا جانور جو دم سائل نہیں رکھتا ہے تو اس کی چکنائی دم سائل سے عدم اختلاط کے سبب پاک ہے، ایسے جانوروں کی ہڈیوں پر اگرچہ چکنائی لگی ہو، پاک ہے مگر پاک ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہڈیاں حلال ہوں گی، حلال تو صرف ان جانوروں کی ہڈیاں ہوں گی جن کا گوشت کھانا جائز ہو اور جنہیں شرعی طور پر ذبح کیا گیا ہو، اور جو جانور حرام ہیں تو ان کی ہڈیاں بھی حرام ہوں گی کہ پاک ہونا اور چیز ہے اور حلال ہونا دوسری بات ہے، اس لیے کہ طہارت مستلزم حلت نہیں۔

مقدمۂ ثانیہ:

شریعت میں طہارت وحلت ہی اصل ہیں اور یہ خود اپنے آپ میں دلیل ہے جو کسی صورت میں بھی محتاج دلیل نہیں، حرمت ونجاست عارضی ہیں اس لیے کسی خاص دلیل کے محتاج ہوا کرتے ہیں، طہارت ونجاست پر بوجہ اصالت جو یقین حاصل ہوا کرتا ہے اس کا زوال بھی اسی کے مثل یقین ہی سے ہوگا، شکوک واوہام سے طہارت ویقین کا زوال ممکن نہیں، یہ شریعت مطہرہ کا ایسا ضابطہ ہے جس پر ''علم فقہ'' کے ہزار ہا مسائل مبنی ہیں بلکہ تین چوتھائی مسائل اسی ضابطہ سے نکلتے ہیں، کسی بھی چیز سے جو ظن لاحق ہوجاتا ہے اس سے اس کا ''سابق یقین'' رفع نہیں ہوتا۔

مقدمۂ ثالثہ:

احتیاط اس میں نہیں کہ کسی شئ کو کسی ثبوت اور تحقیق بالغ کے بغیر حرام اور مکروہ کہہ دیا جائے بلکہ احتیاط اس بات میں ہے کہ کسی شئ کو مباح ہی کہا جائے جب تک اس کے حرام یا مکروہ ہونے کی کوئی خاص دلیل نہ مل جائے کہ مباح ماننا ہی اصل ہے اور اسی مباح کے ماننے میں احتیاط ہے۔

مقدمۂ رابعہ:

بازاری افواہ نہ قابل اعتبار ہے اور نہ ہی ان پر شرعی مسائل کی بنا رکھی جاسکتی ہے کیوں کہ بازاری افواہیں بے سروپا ہوا کرتی ہیں، اکثر دیکھا گیا ہے کسی شہر میں کوئی افواہ بڑی تیزی کے ساتھ پھیل جاتی ہے اور اس کی تحقیق کی جاتی ہے تو وہ افواہ غلط ثابت ہوا کرتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ خبر کسی کافر وغیر مسلم یا کسی فاسق معلن کی اڑائی ہوا کرتی ہے۔

مقدمۂ خامسہ:

کسی چیز کا حرام ہونا یا مکروہ ہونا احکام دینیہ میں سے ہوا کرتا ہے اور کسی بھی کافر کی خبر دینی احکام میں محض نا مقبول ہوا کرتی ہے، اس بارے میں کسی مسلمان فاسق بلکہ مستور الحال مسلمان کی خبر بھی لائق التفات نہیں، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اگر کوئی فاسق یا مستور الحال کوئی خبر دیتا ہے تو اس پر تحری یعنی غور وفکر کیا جا سکتا ہے اگر اس خبر کے سچ ہونے پر دل جمے تو اس کا لحاظ کیا جائے جب تک کہ اس خبر کے غلط ہونے پر کوئی راجح ثبوت نہ مل جائے۔

مقدمۂ سادسہ:

کوئی شئ مقام احتیاط سے دور ہے، یا کسی قوم کی بے احتیاطی، بے شعوری اور نجاست وحرمت سے بے پرواہی مشہور و معروف ہو، یہ ساری باتیں اپنی جگہ ہیں اس کے باوجود وہ شئ نہ حرام ہوگی نہ مکروہ ہوگی، اسی طرح اس قوم کی استعمال کی ہوئی چیزیں یا اس کی بنائی ہوئی کوئی چیز نہ حرام ہوسکتی ہے نہ مکروہ ہوسکتی، ہاں اس کی بے احتیاطی پر یقین ضرور ہوگا اور یہ بے احتیاطی بھی ہمیشہ نہیں رہتی ہے، کبھی نہ کبھی ختم ہوجاتی ہے تو پھر ایسی صورت میں اس شئ کو حرام یا مکروہ کس طرح کہا جائے؟ لہذا بے احتیاطی کے سبب کسی چیز کو حرام یا مکروہ قرار نہیں دیا جا سکتا ہے، ایسا کرنے کی صورت میں انسان کی زندگی بہت ساری دشواریوں کے گھیرے میں آجائے گی۔

مقدمۂ سابعہ:

ہاں! جہاں کہیں بے احتیاطی شدت کے ساتھ پائی جائے کہ اکثر احوال میں نجاست وآلودگی کا غلبہ وقوع اور اکثر شیوع ہو ایسی صورت میں بیشک غلبۂ ظن ہوگا جو شریعت میں معتبر اور فقہ میں بنائے احکام، پھر یہ کہ ظن غالب کی دو صورتیں ہیں۔

اول صورت یہ کہ غلبہ کی جانب اس کے دل کو اس قدر یقین ہو کہ جانب مرجوح کی طرح اس کا دل مائل ہی نہ ہو بلکہ وہ اسے نا قابل التفات سمجھتا ہو ایسی صورت میں ظن غالب ملحق بہ یقین ہوا کرتا ہے۔

دوسری صورت یہ کہ جانب راجح کی طرف دل کا جھکاؤ زیادہ نہ ہو، بلکہ جانب مرجوح کی طرف بھی اس کا دل جھکتا ہو، یہ شک وتردد کے مرتبہ میں ہوا کرتا ہے حقیقت میں یہ محض ظن ہے اگر چہ بعض مقامات پر اسے ظن غالب کے درجہ میں رکھا جاتا ہے۔

مقدمۂ ثامنہ:

کسی چیز میں شئ نجس وحرام کے ملانے یا اس کی ملاقات سے اس چیز کے حرام ونجس ہونے کا یقین اس کے ہر ہر فرد سے منع واحتراز کا موجب اسی وقت ہوسکتا ہے جب یہ معلوم ومتحقق ہوجائے کہ یہ ملانا اور نجاست کا اختلاط بروجہ شمول وعموم ہو مثلاً جس شئ کی نسبت ثابت ہو کہ اس میں شراب یا شحم خنزیر پڑتی ہے اور بنانے والے کو اس کا التزام ہے اس کا استعمال کلیۃً ناجائز وحرام ہے وہاں اس احتمال کو گنجائش نہیں کہ ہم نے اس فرد خاص مثلا خود بنتے دیکھا ہے نہ خاص اس کی نسبت معتبر خبر پائی ممکن کہ اس میں نہ ڈالی گئی ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بنانے والے التزامی طور پر ناپاک اور حرام اشیاء کو عمومی اور شمولی طور پر ملایا کرتے ہیں تو پھر یہ احتمال کہ ہم نے اسے بنتے ہوئے دیکھا ہے یہ اس درجہ میں ہے کہ اس کی طرف توجہ نہ کی جائے اور اگر شئ حرام کے ملانے کا التزام عمومی طور پر

نہیں کیا جاتا ہے تو وہاں حرام یا نجس کا حکم نہیں دیا جا سکتا ہے۔

مقدمۂ تاسعہ:

بازار میں حرام چیزیں بکتی ہیں اور حلال چیزیں بھی، اسی طرح کسی خاص چیز میں حرام وحلال بھی ملے ہوں اور دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کی کوئی صورت نہ ہو تو اس چیز کو خریدنے کی اجازت شریعت مطہرہ دیتی ہے، کیوں کہ جہاں حرام ہے وہیں حلال بھی ہے اور اس کے حلال ہونے کا احتمال بھی ہر ایک شئ کے ساتھ شامل ہے اس لیے اس کے خریدنے میں کوئی قباحت نہیں۔

مقدمۂ عاشرہ:

دین آسانی کا نام ہے اس میں حرج وتنگی اور دشواری کو کچھ راہ نہیں، اللہ تعالی نے ہمیں اس بات کا مکلف نہیں کیا کہ ہم بازار سے وہی چیز خریدیں جس کے بارے میں اس بات کا یقین ہو جائے کہ یہ حلال اور پاک وطیب ہے یہ ایک امر دشوار ہے جو حرج عظیم کا باعث ہے۔

ہم نے امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا قدس سرہ کی تحقیقات نادرہ کے گنج گراں مایہ اور فقہی انسائیکلو پیڈیا ''فتاویٰ رضویہ'' سے چند اصولی افادات بطور نمونہ اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے ورنہ اس قسم کے اصولی افادات اور کلیات فقہیہ سے آپ کا مذکورہ فقہی انسائیکلو پیڈیا مملو ومشحون ہے۔

یہ قصۂ لطیف ابھی ناتمام ہے
جو کچھ بیان ہوا ہے وہ آغاز باب تھا

محتاج دعا

مشتاق احمد امجدی غفرلہ

ازہری دار الافتاء، ناسک

ساکن: احمد پور (پچھم ٹولہ افریل)، پوسٹ کرہیلا بوبرا، کدوا، ضلع کٹیہار، بہار

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بحیثیت مسلم سائنس داں

مفتی عبدالخبیر اشرفی مصباحی

مسلم سائنس دانوں کی جب بات آتی ہے تو ساتویں صدی عیسوی کے کمیا داں جابر بن حیان کے استاد الحمیاری، آٹھویں صدی کے ماہر فلکیات ابراہیم الفزاری، ماہر فلکیات و ریاضیات یعقوب الکندی، کمیا داں و ماہر طبعیات جابر بن حیان، نویں صدی کے ماہر ریاضیات الجبرا وغیرہ ابن ترک، ماہر حیوانات و نباتات الاصمعی، ماہر علم نجوم و جغرافیہ و بابائے الجبرا الخوارزمی، ماہر حیوانات و تاریخ و فلسفہ الجاحظ، ماہر ریاضیات و طبعیات و موسیقی الکندی، پانی گھڑی کے موجد ماہر طبعیات و الہیات بن فرناس، ماہر طب علی بن ربان الطبری، دسویں صدی کے ماہر ریاضیات و اشکال جابر بن سنان البتانی، ماہر اجرام فلکی الفرغانی، ماہر طب و فلسفہ و کمیا ابوبکر رازی، ماہر طب و فلسفہ، ریاضی و موسیقی الفارابی، جدید آپریشن کے موجد ابوالقاسم الزہراوی، اسی طرح دسویں و گیارہویں صدی عیسوی اور اسکے بعد کے مختلف میدانوں کے ماہرین مثلاً ابن الہیثم، الماوردی، ابن سینا، ابواسحق الزرقانی، عمر خیام، امام غزالی وغیرہم اور ہندو پاک کے ماہران ایٹمی ڈاکٹر عبدالقدیر و ڈاکٹر عبدالکلام تک بے شمار چہرے ہیں جو سامنے آجاتے ہیں جنھوں نے اپنی پوری زندگی قوانین قدرت و مظاہر فطرت کو سمجھنے سمجھانے میں صرف کردیں اور سائنس کے تقریباً ہر شعبہ میں کارہائے نمایاں انجام دئے، لیکن مسلمان دھیرے دھیرے علم سے دور ہوتے چلے گئے اور ان کی جگہ اہل مغرب نے لے لی۔ آج اہل مغرب کو اپنی سائنسی و ریاضیاتی کامیابیوں پر ناز ہے اور وہ مسلمانوں کو منہ چڑھاتے نظر آتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ کی اگر بات کریں تو آپ صرف عالم، مفتی، حافظ، مفسر، محدث، فقیہ، نعت گو شاعر، مصنف اور محقق ہی نہیں تھے بلکہ دینی علوم میں مہارت کے ساتھ ساتھ ایک عظیم سائنس دان بھی تھے لیکن آپ کی سائنسی خدمات، ریاضی دانی اور مظاہر قدرت پر آپ کے تحقیقی کارناموں کو کماحقہ متعارف نہیں کیا جاسکا۔ علوم دینیہ میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تحقیقات پر اگر چہ قدرے اطمینان بخش کام ہوا ہے لیکن ابھی بھی بہت کچھ کرنے کی گنجائش باقی ہے۔ جس پیمانے پر آپ کی نعتیہ شاعری پر کام ہوا ہے اسی پیمانے پر قرآن و تفسیر، حدیث و اصول حدیث، فقہ و اصول فقہ پر کام ہونا چاہیے۔ منطق و فلسفہ، ہیئت و نجوم، توقیت و جفر، تکسیر و تقابل ادیان، جغرافیہ و سائنس، ریاضی و معاشیات، عمرانیات و لسانیات، اسی طرح الہیات، ارضیات، فلکیات اور طبعیات وغیرہ میں جو کارہائے نمایاں آپ نے انجام دئے ہیں ان پر ابھی تک اطمینان بخش کام نہیں ہو پایا ہے، اہل علم کی توجہ اس طرف بھی مبذول کرانی چاہیے۔ مجھے اس بات کا اعتراف کرنے میں ذرہ برابر بھی عار نہیں ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ پر علمائے ہندوستان سے کہیں زیادہ کام علمائے پاکستان نے کیا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی ذات ہمہ جہت تھی، وہ ہر فہرست میں سرفہرست تھے۔ علامہ ہدایت اللہ ابن محمود

سندھی مہاجر مکی نے ان کے تعلق سے نہایت جامع بات کہی ہے کہ:

''وہ [اعلی حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ] اس کے اہل ہیں کہ ان کے نام سے قبل اور بعد میں کوئی بھی فضیلت کا خطاب لگا یا جائے''۔ [معارف رضا 1986ء، ص:102]

علامہ ریاست علی قادری لکھتے ہیں کہ:

''امام احمد رضا کی شخصیت میں بیک وقت کئی سائنس داں گم تھے، ایک طرف ان میں ابن الہیثم جیسی فکری بصارت اور علمی روشنی تھی تو دوسری طرف جابر بن حیان جیسی صلاحیت، الخوارزمی اور یعقوب الکندی جیسی کہنہ مشقی تھی، تو دوسری طرف الطبری، رازی اور بوعلی سینا جیسی دانشمندی، فارابی، البیرونی، عمر بن خیام، امام غزالی اور ابن ارشد جیسی خداداد ذہانت تھی دوسری طرف امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے فیض سے فقیہانہ وسیع النظری اور غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ سے روحانی وابستگی اور لگاؤ کے تحت عالی ظرف امام احمد رضا کا ہر رخ ایک مستقل علم وفن کا منبع تھا ان کی ذہانت میں کتنے ہی علم وعالم، گُم تھے۔'' (معارف رضا جلد ششم صفحہ 124)

اعلی حضرت الرحمہ کی سائنسی خدمات پر بہت سے مضامین ومقالے لکھے گئے ہیں، ایم فل و پی ایچ ڈی کی ڈگریاں بھی حاصل کی گئیں ہیں، مستقبل میں اس میدان میں مزید کام کرنے والوں کے لیے بعض مقالوں کے نام مقالہ نویسوں کے نام کے ساتھ ہم یہاں درج کررہے ہیں۔

[۱] اعلی حضرت اور علم ریاضی، ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری رحمہ اللہ [۲] اولیات رضا، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی [۳] امام احمد رضا اور علم صوتیات، ڈاکٹر محمد مالک، اس مقالے میں اعلی حضرت علیہ الرحمہ کی صوتیات سے متعلق تحقیقات کو سائنسی فارمولوں کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ [۴] قرآن، امام احمد رضا خان اور ایٹمی پروگرام، ڈاکٹر محمد مالک [۵] امام احمد رضا اور نظریۂ روشنی، ڈاکٹر محمد مالک [۶] امام احمد رضا اور سائنسی مصطلحات، پروفیسر مجید اللہ قادری [۷] قرآن سائنس اور امام احمد رضا، پروفیسر مجید اللہ قادری [۸] امام احمد رضا اور نظریۂ صوت وصدا، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، [۹] امام احمد رضا نیوٹن اور آئن اسٹائن، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی [۱۰] امام احمد رضا اور ان کی تصنیف فوز مبین، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی [۱۱] کلک رضا کی خلا پیمائی، علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی [۱۲] اعلی حضرت کا علم ریاضی میں مقام، مفتی عبدالمنان اعظمی رحمہ اللہ [۱۳] امام احمد رضا بحیثیت بین الاقوامی سائنس داں، عتیق الرحمان شاہ [۱۴] نظریۂ حرکت زمین اور اعلی حضرت بریلوی، ڈاکٹر مسعود احمد رحمہ اللہ [۱۵] جدید وقدیم سائنسی افکار ونظریات اور امام احمد رضا، ڈاکٹر مسعود احمد رحمہ اللہ [۱۶] امام احمد رضا قادری بیسویں صدی کے مسلم سائنس داں، فاروق احمد رضوی [۱۷] اعلی حضرت اور سائنس، غلام مصطفی رضوی [۱۸] اعلی حضرت اور سائنس، علامہ تراب الحق قادری رحمہ اللہ [۱۹] امام احمد رضا کے سائنسی نظریات، مولانا فیضان المصطفی مصباحی [۲۰] سائنسیات میں امام احمد رضا کی فکری تنقیدیں، ڈاکٹر امجد رضا امجد [۲۱] امام احمد رضا جدید سائنس کی روشنی میں، ایم حسن امام ملک پوری [۲۲] ایک عظیم مسلم سائنس داں احمد رضا، علامہ ریاست علی قادری [۲۳] امام احمد رضا اور سائنسی تحقیق، مولانا محمد شہزاد قادری ترابی۔ اس مقالہ میں اعلی حضرت علیہ الرحمہ کی تحقیقات سکون زمین،

روشنی، ایٹمی پروگرام، دائرہ دنیا، پانی اور برف کے رنگ، ریاضیات، گراموفون، آواز، معاشیات، زمینی پتھر اور سراب پر جدید سائنسی تحقیق پیش کی گئی ہے[۲۴] امام احمد رضا خان کی علم الطبعیات میں خدمات کا جائزہ اور جدید سائنسی نظریات سے تقابل۔

ان مقالوں کے علاوہ مزید مقالات ہیں جن کا ذکر ہم نے طوالت کی وجہ سے نہیں کیا ہے۔ اعلی حضرت علیہ الرحمہ کی تحقیقات پر کام کرنے والوں کی ان بیش بہا کوششوں کو انٹرنیشنل زبانوں میں ترجمہ کرا کر ہمیں غیروں کے سامنے پیش کرنی چاہیے۔

سائنس کے تعلق سے اعلی حضرت کا نظریہ

اعلی حضرت علیہ الرحمہ بنیادی طور فقیہ واصولی تھے، مفسر ومحدث تھے، اسلامی محقق ومجدد تھے، ان کی سائنسی تحقیقات بھی اسلامی رنگ میں رنگی ہوئی ہیں، بقول ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی ''اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے سائنس کو بھی اسلامی رنگ میں رنگ کر، دینی علوم میں ان کا استعمال فرما کر، انہیں علوم دینیہ بالخصوص علم فقہ کا خادم بنا دیا''۔[مقالہ امام احمد رضا اور نظریہ صوت وصدا، ماہنامہ اعلی حضرت اگست 2009ء]

اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے سائنسی علوم کے تعلق سے خود اپنا نظریہ ان لفظوں میں پیش کیا ہے۔

''سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات ونصوص میں تاویلات دور از کار کر کے سائنس کے مطابق کر لیا جائے۔ یوں تو معاذ اللہ اسلام نے سائنس قبول کی نہ کہ سائنس نے اسلام، وہ مسلمان ہوگی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل سے اُسے خلاف ہے سب میں مسئلہ اسلامی کو روشن کیا جائے دلائلِ سائنس کو مردود و پامال کر دیا جائے جا بجا سائنس ہی کے اقوال سے اسلامی مسئلہ کا اثبات ہو، سائنس کا ابطال واسکات ہو، یوں قابو میں آئے گی''۔[فتاوی رضویہ، ج:۲۷،ص:ص:۵۴، ناشر المدینہ ڈیجیٹل لائبریری ورژن 2016]

سائنس جیسے اہم مضمون کے دلائل پر اسلامی دلائل کا غلبہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے اس کا حل یوں پیش فرمایا ہے:

آپ اُسے بچشم پسند دیکھتے ہیں۔ وعين الرضاء عن كل عيب كليلة۔ (رضامندی کی آنکھ ہر عیب کو دیکھنے سے عاجز ہوتی ہے۔) اُس کے معائب مخفی رہتے ہیں، مولیٰ عزوجل کی عنایت اور حضور سید عالم ﷺ کی اعانت پر بھروسہ کر کے، اس کے دعاوی باطلہ مخالفۂ اسلام کو بنظرِ تحقیر ومخالفت دیکھیے، اس وقت ان شاء اللہ العزیز القدیر اس کی ملمع کاریاں آپ پر کھلتی جائیں گی اور یونہی سائنس کے مقابل آپ نصرتِ اسلام کے لیے تیار ہو جائیں گے کہ۔ ولكن عين السخط تبدى المساويا۔ (لیکن ناراضگی کی آنکھ عیبوں کو عیاں کرتی ہے۔)[مرجع سابق ملخصاً]

اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے جن سائنسی مسائل کو نوک قلم پر لایا ہے یقینا ان کو اسلامی لبادہ اڑھا دیا ہے۔ دائرۂ اسلام میں لا کھڑا کیا ہے۔

صدر المدرسین دار العلوم عربیہ اہل سنت منظر اسلام، التفات گنج، امبیڈکر نگر

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا عالم اسلام کے ایک عظیم محقق

مفتی کمال الدین اشرفی مصباحی

دنیائے اسلام میں ایسی شخصیتوں کی کمی نہیں جنہوں نے اپنے علم وفضل اور عقل وبصیرت سے ساری دنیا کو مستفیض اور متحیر کیا ،حکیم بوعلی سینا،عمر خیام،امام رازی،امام غزالی،اور فارابی وغیرہ دنیائے علم وفن کی وہ عظیم ہستیاں ہیں جن کے علمی کارناموں پر رہتی دنیا تک فخر کیا جائے گا،ان میں کوئی فلسفہ وحکمت کا امام ہے،کوئی ریاضی وہیئت کا،تو کوئی منطق وجغرافیہ کا،لیکن ان سبھوں سے زیادہ حیرت انگیز شخصیت وہ ہے جو ہندوستان کی مردم خیز سرزمین بریلی میں پیدا ہوئی جنہیں دنیائے سنیت فقیہ اسلام مجدد اعظم امام اہل سنت امام احمد رضا محدث بریلوی کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ کی شخصیت ایسی پہلو دار اور جامع علوم وفنون ہے کہ ان کی ذات کے کسی ایک پہلو اور ان کے علوم وفنون میں سے کسی ایک فن پر سیر حاصل بحث کے لیے اس فن کا ماہر ہی اس سے عہدہ برآ ہوسکتا ہے اور کما حقہ بحث کر سکتا ہے،امام احمد رضا قدس سرہ کے تمام علمی کمالات کا جائزہ لینا ہمارے موضوع علم اور دائرہ فکر سے باہر ہے،یہاں پر ہم فقہ وافتا کے حوالے سے امام احمد رضا کا امتیازی مقام صرف ان کا مجموعہ فتاویٰ **''العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ''** کی روشنی میں کچھ خامہ فرسائی کی سعادت حاصل کریں گے، جن سے یہ بخوبی ظاہر ہوگا کہ فقہ حنفی اور چودہویں صدی کی کتب فتاویٰ میں فتاویٰ رضویہ کو کیا انفرادیت حاصل ہے،علمی اور فقہی اعتبار سے اس کے محاسن وکمالات،خصوصیات وامتیازات کی حیثیت کیا ہے،نیز امام احمد رضا قدس سرہ فقہ وافتا کے کس اعلی مقام پر فائز تھے اور میدان تحقیق وافتا میں آپ کیا امتیازی شان رکھتے تھے؟ آنے والے سطور میں ان چیزوں کو اختصار کے ساتھ ذکر کیے جائیں گے۔

امام احمد رضا قدس سرہ کے مجموعہ فتاوی کا جائزہ لینے کے بعد ہر وہ شخص جس نے مشہور فقہائے کرام کی تصانیف کا مطالعہ کیا ہوگا وہ اس نتیجہ پر با آسانی پہونچ سکتا ہے کہ امام ابن ہمام کی شان درایت اور رنگ اجتہاد سے مزین فکر جو ان کی خصوصیت تھی ان کے بعد صرف امام احمد رضا قدس سرہ کو وہ نصیب ہوئی،اور مسائل کی تنقیح وتوضیح،فقہ کی جملہ متداول کتابوں پر نظر رکھتے ہوئے جو علامہ اجل ابن عابدین شامی کی ایک مسلمہ خصوصیت تھی وہ بھی آپ ہی کے حق میں مقدر ہوئی،گویا کہ امام حمد رضا قدس سرہ کی ذات میں بیک وقت امام ابن ہمام کی خصوصیات بھی تھیں اور علامہ ابن عابدین شامی کی بھی۔

امام احمد رضا قدس سرہ جس مسئلہ پر بھی قلم اٹھاتے تھے خواہ وہ کلیہ ہو یا جزئیہ تو اس کے ہر ایک پہلو پر تنقیح وتحقیق کر کے اس سے متعلق ہر ممکنہ رخ اور صورت کو پیش فرماتے تھے،اس کے بعد ہی اس کے جواز یا عدم جواز یا استحباب کا حکم صادر فرماتے تھے یہ ایک ایسی خوبی ہے جو ان کے ہم عصر دیگر فقہا میں نظر نہین آتی۔بالخصوص وہ تعمق فکر،جودت طبع اور ذہن رسا کے ساتھ ساتھ علوم قرآن ،علوم تفسیر وحدیث اور اصول حدیث پر کمال ودسترس کے حوالے سے بھی وہ منفرد نظر آتے ہیں صرف یہی نہیں کہ علوم منقولات پر آپ

کی گرفت کافی قوی تھی بلکہ علوم معقولات پر بھی کامل دسترس رکھتے تھے،علم کلام ،فلسفہ،منطق ،فلکیات اورطبعیات وغیرہ علوم پر بھی آپ کوکافی عبور تھا،اس لیے کہ ایک فقیہ اور مفتی کے پاس مختلف النوع کے مسائل آتے ہیں اگر وہ ان تمام علوم سے بہرہ ورنہیں تو جواب باصواب دینے سے قاصر رہے گا، فقہ کی دنیا بہت وسیع ہےاوراس میں جمیع علوم وفنون داخل ہیں اور یہ سب حسب ضرورت آپ کوحاصل تھے بلکہ آپ اس میں استادانہ کمال رکھتے تھے۔

ایک فقیہ کے لئےعلم حدیث میں کامل مہارت ودسترس کا ہونا بے حدضروری ہےاوراس میں کوئی شک نہیں کہ امام احمد رضا قدس سرہ جیسے بے مثال فقیہ تھے ویسے ہی بلند پایہ محدث بھی تھے،علم حدیث میں آپ کوکافی تبحر حاصل تھا،اوراس فن میں آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا چنانچہ جب آپ سے پوچھا گیا کہ حدیث کی کتابوں میں کون کون سی کتاب پڑھی یا پڑھائی ہیں تو آپ نے جواب میں یہ ارشادفرمایا:

”مسند امام اعظم وموطا امام محمد، وکتاب الاثار امام محمد وکتاب الخراج امام ابو یوسف ، وکتاب الحج امام محمد، وشرح معانی الآثارامام طحاوی، وموطاامام مالک، ومسند امام شافعی، ومسند امام محمد، وسنن دارمی، وبخاری ومسلم، وابوداود وترمذی، ونسائی، وابن ماجہ، وخصائص نسائی، وملتقی ابن الجارود، وذوعلل متناہیہ، ومشکوۃ وجامع کبیر، وجامع صغیر وملتقی ابن تیمیہ، وبلوغ المرام، وعمل الیوم واللیلہ ابن السنی ،وکتاب الترغیب، وخصائص کبریٰ، وکتاب الفرج بعد الشدۃ، وکتاب الاسماء والصفات، وغیرہ پچاس سے زائد کتب حدیث میرے درس وتدریس ومطالعہ میں رہیں“ (اظہار الحق الجلی ،ص ۲۴،مطبوعہ، بزم فیضان رضا ممبئی)

امام احمد رضا قدس سرہٗ کواللہ رب العزت نے وہ ذہانت وفطانت اورعلوم اسلامیہ میں حیرت انگیز مہارت عطا کی تھی کہ آپ نے ۱۴؍رمضان المبارک ۱۲۸۶ھ میں صرف پونے چودہ سال کی عمر میں مروجہ علوم وفنون سے فارغ التحصیل ہوکر رضاعت سے متعلق ایک فتوی تحریر فرمایا جسے آپ کے والد ماجد مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دیکھ کر نہ صرف پسند کیا بلکہ انتہائی مسرت اورخوشی کا اظہار کیااوراسی دن سے فتوی نویسی کی عظیم ذمہ داری آپ کے سپرد کردی اور آپ نے اس دن سے لے کر تادم اخیر تحقیق و افتا کی یہ گراں قدر ذمہ داری نہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دی،اور فقہی تحقیقات کے وہ جواہر پارے لٹائے کہ عالم اسلام کے ایک عظیم مفتی اورفقیہ اسلام کی حیثیت سے متعارف ہوئے ،آپ کا وصال ۲۵ ؍صفر المظفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء کو ہوا اس حساب سے اگر دیکھا جائے تو آپ نے اپنی زندگی کا چون سال کا ایک طویل عرصہ فتوی نویسی میں وقف کیا۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ کی ذات ستودہ صفات مرجع انام تھی،اپنی تحقیقات اورافتا کی خدمات سے آپ نے صرف برصغیر ہند و پاک کے مسلمانوں کی رہنمائی نہیں فرمائی بلکہ پورے عالم اسلام کی امت مسلمہ کوآپ نے اپنی فقہی بصیرت اور کارافتا کے ذریعے فیض پہنچایا،آپ کی خدمت میں ایشیا و یورپ کے اکثر ممالک سے سوالات آتے تھے،استفتا کی کثرت اس قدر تھی کہ کبھی ایک ایک دن میں پانچ پانچ سوسوالات جمع ہوجاتے تھےاورآپ پوری تحقیق کے ساتھ ان سب کے جوابات ارسال فرماتے تھے جو کہ ایک انتہائی حیرت انگیز اورفکرآمیز ہے،آپ کی خداداد ذہانت وفطانت سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کاعلم علم کسبی نہیں بلکہ علم عطائی اورعلم لدنی تھا۔استفتا کی کثرت کے بارے میں ایک جگہ آپ کوخودتحریر فرماتے ہیں:

فقیر کے یہاں علاوہ ردّ وہابیہ خذلہم اللہ تعالیٰ ودیگر مشاغل کثیرہ دینیہ کے کار فتاویٰ اس درجہ وافر ہے کہ دس مفتیوں کے کام سے زائد ہے، شہر ودیگر بلاد وامصار وجملہ اقطار ہندوستان وبنگال وپنجاب ومالیبار وبرہما واراکان وچین وغزنی وامریکہ وافریقہ حتیٰ کہ سرکار حرمین محترمین سے استفتا آتے ہیں اور ایک وقت میں پانچ پانچ سوجمع ہوجاتے ہیں (فتاویٰ رضویہ: ج ۴: ص ۱۴۸ مطبوعہ رضا اکیڈمی)

امام احمد رضا قدس سرہ نے مختلف علوم وفنون پر تقریباً ایک ہزار تصانیف امت مسلمہ کے حوالہ کیا اور ہر چیز سے متعلق ان کی دینی رہنمائی فرمائی آپ کی صرف عربی حواشی وشروح اور تصانیف کی تعداد دو سو سے متجاوز ہے، علمائے حرمین شریفین آپ کی عربی تصانیف کے منتظر رہتے تھے، آپ کی تمام تصانیف میں اس فن سے متعلق علم کا ایک دریا ہے اس لئے قاری کو اطمینان کامل ہوجاتا ہے اور مکمل تشفی وسیرابی حاصل ہوتی ہے۔

علم فقہ میں امام احمد رضا محدث بریلوی کی بے شمار تصنیفات ہیں جن میں بعض رسائل ہیں، بعض تحقیقی فتاوے ہیں، بعض شروح وحواشی ہیں، آپ کے حواشی میں جد المتار علی رد المحتار (حاشیہ شامی) جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے، بہت اہم ہے بظاہر یہ حاشیہ ہے لیکن حقیقت میں متن، شرح وحاشیہ کا مجموعہ ہے اس سے نہ صرف حدیث وفقہ بلکہ بکثرت علوم وفنون میں امام احمد رضا کی جلالت شان کا اندازہ ہوتا ہے، امام احمد رضا قدس سرہٗ محدث بریلوی کی فقہی بصیرت کے حوالے سے بے شمار شواہد اس کے اندر موجود ہیں جو آپ کی حیرت انگیز تحقیقات پر دال ہیں، ان کے علاوہ دیگر تصانیف میں بھی آپ کی فقہی بصیرت کے بے شمار حوالے ملتے ہیں، ان سب میں فتاوی رضویہ امام رضا قدس سرہٗ کا وہ عظیم فقہی شاہکار ہے، جو ہندوسندھ، عرب وعجم پوری دنیائے اسلام میں مقبول ومتعارف ہے، اہل علم اپنی علمی تحقیقات اور مفتیان کرام اپنے فتاوے میں اس سے استشہاد واستناد کرتے ہیں جو ضخیم بارہ جلدوں میں غیر مترجم اور تیس جلدوں میں مترجم کی شکل میں جہازی سائز میں موجود ہے، اس مقالہ میں ہم اس کے چند اہم خصائص پر روشنی ڈالنے کی سعادت حاصل کریں گے، جن سے فتاویٰ رضویہ کی امتیازی شان بھی واضح ہوگی اور صاحب کتاب امام احمد رضا قدس سرہٗ کی فقہی تحقیق اور افتا کی بصیرت بھی نمایاں ہوگی۔

فتاوی رضویہ امام احمد رضا قدس سرہ کا وہ عظیم کارنامہ ہے جس کو برصغیر ہندو پاک اور دیگر ممالک کے علما وفضلا، فقہائے کرام اور مفتیان اسلام نے اسلامک انسائیکلو پیڈیا اور ایک عظیم فقہی شاہکار قرار دیا ہے اور آپ کی وسعت نظر، علمی تبحر اور فقہی مقام کا اعتراف کیا ہے، ذیل میں چند اقوال ملاحظہ کریں:

مارہرہ شریف کے مشہور عالم دین سید شاہ اولاد رسول محمد میاں مارہروی فرماتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت کو میں ابن عابدین پر فوقیت دیتا ہوں کیونکہ جو جامعیت اعلیٰ حضرت کے ہاں ہے وہ ابن عابدین شامی کے ہاں نہیں''۔ (مقدمہ امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، ص: ۲۴)

سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ

''فتاویٰ رضویہ بارہ جلدوں میں ہے جس کی ہر جلد تقریباً ہزار صفحات پر مشتمل ہے، جن میں فقہ کے ہزار ہا مسائل ایسی تحقیق

سے بیان ہوئے جو اپنی مثال آپ ہیں، آپ کے بیشتر فتاویٰ کثیر التعداد آیات قرآنی، احادیث کریمہ اور روایت اصول وفروع کی بوجھل شہادتوں سے گراں بار ہوتے ہیں'' [مقدمہ فتاویٰ رضویہ جلد سوم، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ص:۱۴۱]

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرآدبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''علم فقہ میں حضرت ممدوح (امام احمد رضا) کو وہ تبحر و کمال حاصل تھا جس کو عرب و عجم، مشارق و مغارب کے علمانے گردنیں جھکا کر تسلیم کیا، تفصیل تو ان کے فتاویٰ دیکھنے پر موقوف ہے مگر اجمال کے ساتھ دو لفظوں میں یوں سمجھئے کہ موجودہ صدی میں دنیا بھر کا ایک مفتی تھا جس کی طرف تمام عالم کے لوگ حوادث و وقائع میں استفتا کے لیے رجوع کرتے تھے، ایک قلم تھا جو دنیا بھر کے لئے فقہی فیصلے دیتا جا رہا تھا، وہی قلم بدمذہبوں کے جواب میں بھی چلتا اور اہل باطل کے تصانیف کا بالغ رد بھی کرتا تھا اور زمانہ بھر کے سوالوں کا جواب بھی دیتا تھا''۔

سید اسماعیل بن خلیل مکی نے آپ کے فتاویٰ کے فقہی عناصر کو دیکھ کر کہا:

''ہمارے آقا نے فتاویٰ پر مشتمل ہمیں نمونے کے طور پر چند اوراق عنایت فرمائے، ہمیں اللہ عز شانہٗ سے امید ہے کہ ان کی تکمیل کے لئے آپ کے اوقات میں آسانی اور جلدی کے مواقع عطا فرمائے گا چونکہ وہ خالص علمیت پر مبنی ہیں ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آپ کو آخرت میں سرخروئی عطا فرمائے گا اور میں قسم کھا کر کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ ان فتوؤں کو اگر امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھتے تو یقیناً ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی اور اس کے مؤلف کو اپنے تلامذہ میں شامل فرماتے۔ (الاجازت المتنیہ، ص:۹)

شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال لکھتے ہیں:

''میں نے ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے یہ رائے قائم کی ہے کہ ہندوستان کے دور آخر میں ان جیسا طباع و ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا، ان کے فتاویٰ ان کی ذہانت، فطانت، جودت طبع، کمالات فقاہت اور علوم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد عدل ہیں''

(مقالات یوم رضا لاہور: ص:۹، شمارہ ۱۹۷۱ء)

پاکستان کے ایک غیر مقلد مولوی نظام الدین احمد پوری نے امام احمد رضا قدس سرہٗ کا رسالہ ''**الفضل الموھبی اذا صح الحدیث فھو مذھبی**'' دیکھ کر یہ کہا: یہ سب منازل فہم حدیث مولانا کو حاصل تھے؟ افسوس میں ان کے زمانے میں رہ کر بھی بے خبر و بے فیض رہا، علامہ شامی اور صاحب فتح القدیر مولانا کے شاگرد ہیں، یہ تو امام اعظم ثانی معلوم ہوتے ہیں۔

(المیزان کا امام احمد رضا نمبر، ص:۱۸۶)

مولانا عبدالحی ندوی رائے بریلی لکھتے ہیں:

''فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر جو آگاہی آپ (امام احمد رضا) کو حاصل تھی اس کی نظیر آپ کے زمانے میں ملنا ناممکن ہے، آپ اس وصف خاص میں دحیہ عصر تھے، میرے قول پر آپ کا مجموعہ فتاویٰ اور خاص کر آپ کا رسالہ ''**کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم**'' شاہد ہے'' (معارف رضا، کراچی، ص:۸۷، شمارہ: ۱۹۸۸ء)

ملک غلام علی نائب ابوالاعلیٰ مودودی رقم طراز ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کے بارے میں اب تک ہم لوگ سخت غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں، ان کے بعض تصانیف اور فتاویٰ کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجے پر پہونچا ہوں کہ جو علمی گہرائی میں نے ان کے یہاں پائی ہے وہ بہت علما میں کم پائی جاتی ہے اور عشق خدا اور سول تو ان کے سطر سطر سے پھوٹا پڑتا ہے'' (ہفت روزہ شہاب، شمارہ نومبر ۱۹۶۲ء)

ماہنامہ معارف اعظم گڑھ میں آپ کے فقہی تبحر کے تعلق سے یوں ذکر ملتا ہے:

''مولانا احمد رضا مرحوم اپنے وقت کے زبردست عالم، مصنف اور فقیہ تھے انہوں نے چھوٹے بڑے سینکڑوں فقہی مسائل میں رسالے لکھے ہیں، قرآن کا ایک سلیس ترجمہ بھی کیا ہے، ان علمی کارناموں کے ساتھ ہزار فتوؤں کے جوابات بھی انہوں نے دیئے ، ان کے بعض فتوے کئی کئی صفحے کے ہیں جن کا جواب مولانا نے بڑی وسعت نظری سے دیا ہے، بہر حال مولانا کے مخصوص خیالات (مسئلۂ تکفیر) سے قطع نظر اس کے فتاوے اس قابل ہیں کہ ان کا مطالعہ کیا جائے ان سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے'' (ماہنامہ معارف، شمارہ فروری ۱۹۶۲ء)

ایک دوسری جگہ یوں رقمطراز ہے:

''دینی علوم خصوصا فقہ وحدیث پر ان کی نظر وسیع اور گہری تھی، مولانا جس دقت نظر اور تحقیق کے ساتھ علما کے استفسارات کے جوابات تحریر فرماتے اس سے ان کی جامعیت، علمی بصیرت، استحضار اور ذہانت کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے، ان کے عالمانہ اور محققانہ فتاویٰ مخالف وموافق ہر طبقے کے مطالعہ کے لائق ہیں'' (ماہنامہ معارف، شمارہ: ستمبر ۱۹۴۹ء)

امام احمد رضا قدس سرہٗ کی فقہی بصیرت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ عوام سے زیادہ اہل علم آپ کے قریب تھے اور فقہ وافتا کے ماہرین بھی آپ کی حیرت انگیز فقہی بصیرت کے گن گایا کرتے تھے، مولانا سراج احمد خان پوری اپنے دور کے جلیل القدر فاضل تھے اور علم میراث میں تو انہیں تخصص حاصل تھا، ''الزبدۃ السراجیہ'' لکھتے وقت ذوی الارحام کے صنف رابع کے بارے میں مفتیٰ بہ قول دریافت کرنے کے لئے دیوبند، سہارنپور اور دیگر علمی مراکز کی طرف رجوع کیا لیکن کہیں سے تسلی بخش جواب ان کو نہیں ملا، پھر انہوں نے وہی سوال بریلی شریف بھیجوایا، ایک ہفتہ کے اندر انہیں جواب موصول ہو گیا جسے دیکھ کر ان کا دل باغ باغ ہو گیا اور تاحیات امام احمد رضا قدس سرہٗ کے فضل وکمال اور فقہی تبحر کے گن گاتے رہے۔

مشہور ریاضی داں اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر سید ضیاء الدین مرحوم ریاضی کے ایک مسئلے میں الجھ گیے اس کو حل کرنے کے لئے وہ جرمنی جانا چاہتے تھے لیکن قدرت الٰہی ان کو امام احمد رضا قدس سرہٗ کی علمی چوکھٹ پر لے آئی، مسئلہ پیش کیا، ایک لمحہ میں آپ نے اسے حل فرمادیا، انہوں نے حیران ہو کر ارشاد فرمایا: ''یہ علم لدنی ہے کسب وریاضت سے حل نہیں ہوتا، یہ عطائے ربانی ہے''۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۵۵، مطبوعہ کراچی)

مفتیان کرام سے عموماً عوام الناس رجوع کرتے ہیں اور جن چیزوں کے بارے میں انہیں حکم شرعی معلوم نہیں ہوتا ان کی واقفیت

حاصل کرتے ہیں لیکن فتاویٰ رضویہ کے تمام مجلدات کے مطالعہ کرنے سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہٗ سے رجوع کرنے اور احکام شرعی جاننے والوں میں ایک بڑی تعداد ان حضرات کی ہے جو خود ماہرین علوم وفنون تھے، زینت درسگاہ تھے، مسند دار الافتا تھے اور علم وفن میں مشہور زمانہ تھے، مزید تفصیل کے لئے تو فتاویٰ رضویہ کے تمام مجلدات کے سائلین اور مستفتیان کے اسمائے گرامی اور ان میں اہل علم کی معرفت کے بعد ہی اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے تاہم بطور نمونہ جامعہ نظامیہ لاہور کے ایک فاضل محقق مولانا خادم حسین کے تحقیقی مقالہ کی ایک جھلک پیش کرتے ہیں جو انہوں نے فتاویٰ رضویہ کی نو جلدوں (پہلی سے ساتویں، اور دسویں و گیارہویں) کے سائلین کے اسمائے گرامی کی تحقیق کرنے کے بعد لکھا ہے جس کا عنوان ہے ''امام احمد رضا بحیثیت مرجع العلما'' ان کے فراہم کردہ اعداد وشمار کے مطابق ان جلدوں میں چار ہزار پچانوے (۴۰۹۵) استفتا ہیں جن میں سے تین ہزار چونتیس (۳۰۳۴) عوام الناس کے استفتا ہیں اور ایک ہزار اکسٹھ (۱۰۶۱) استفتا علما اور دانشوروں کے پیش کردہ ہیں۔ (مقدمہ فتاویٰ رضویہ، ج:۱)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ استفتا کرنے والوں میں ایک چوتھائی تعداد علما اور دانشوروں کی ہے یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہٗ کسی مسئلہ کا جواب دیتے وقت صرف ہاں یا نہیں میں جواب نہیں دیتے بلکہ سائلین کے معیار کے حساب سے دلائل وبراہین کے انبار لگا دیتے ہیں۔

امام احمد رضا کا فقہی مقام طبقات فقہا کی روشنی میں

فقہائے کرام کے طبقات اور ان کے مقام ومرتبہ جاننے کے بعد اگر آپ مجدد اسلام امام احمد رضا قدس سرہ کا طبقات فقہا کی روشنی میں جائزہ لیں گے اور ان کے فقہی مقام ومرتبہ کا تعین کریں گے تو آپ کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہوگا کہ امام احمد رضا قدس سرہ کی ذات والا صفات میں بہت سی مجتہدانہ خصوصیات پائی جاتی ہیں اور آپ کے بیان واستدلال میں واضح طور پر اجتہاد کی جھلک دکھائی دیتی ہے، مجتہدین فقہا کی الگ الگ خوبیاں آپ کی ذات میں تنہا جمع نظر آتی ہیں اور آپ شان فقاہت کے مختلف رنگوں میں رنگے ہوئے ملتے ہیں، ایک عدیم المثال جید وعبقری فقیہ ومجتہد کی گونا گوں خوبیاں اور اوصاف وکمالات آپ کے اندر بدرجہ اتم موجود ہیں اور آپ ان سب کے جامع کامل ہیں چنانچہ جب قواعد شرعیہ کے وضع کے لحاظ سے آپ کی ذات کا ہم مطالعہ کرتے ہیں تو آپ کے اندر **''مجتہدین فی الشرع''** جیسے ائمہ اربعہ کی جھلک پائی جاتی ہے، غیر منصوص احکام کو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قواعد کی روشنی میں استنباط واستخراج کے اعتبار سے جب آپ کے فقہی مقام پر غور کرتے ہیں تو آپ کے اندر **''مجتہدین فی المسائل''** جیسے امام طحاوی اور خصاف وغیرہ کی صفتیں ملتی ہیں اور آپ ''مجتہدین فی المسائل'' کے طبقے میں نظر آتے ہیں، مسائل شرعیہ کی تفصیل کی حیثیت سے جب آپ کے فتاویٰ کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ امام رازی جیسے فقہا کی صف میں نظر آتے ہیں اور جب مختلف اقوال وروایات کے درمیان تطبیق یا ترجیح کی نظر سے دیکھتے ہیں تو آپ امام ابوالحسن قدوری جیسے فقہائے کرام کی صف میں نظر آتے ہیں۔

مفتی وشیخ الحدیث ادارۂ شرعیہ رائے بریلی یوپی

تحقیقات رضا میں نظم وضبط کا اہتمام

مفتی کونین نوری مصباحی

اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، مجدد اعظم، امام احمد رضا خان قدس سرہ العزیز اجتہاد فی المسائل کے منصب پر فائز تھے اور آپ کے علم وتحقیق میں جو نظم اور ضبط موجود ہے وہ ماضی کے کئی سو سال کے علمی ذخیرہ میں نظر نہیں آیا، اس دعویٰ کے ثبوت پر چند شواہد پیش کرتا ہوں اور فیصلہ اہل علم پر چھوڑتا ہوں۔

شریعت کے احکام:

اصولین نے جو احکام شرعیہ کی تقسیم کی امر یعنی کرنا اور نہی یعنی نہ کرنا دونوں میں طلب ہے ایک میں فعل اور دوسرے میں ترک فعل اب اس کے مدارج پہلے جو کتابوں میں لکھی گئیں پانچ اقسام کا ذکر ہے مستحب، مباح، حرام، مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی پھر اصولین نے اس کی مزید تحقیق کی اور اس میں توسیع کر کے اقسام پانچ کے نو مراتب وجود میں آئے اور وہ فرض، واجب، سنت مؤکدہ ،سنت غیر مؤکدہ، مستحب، مباح، حرام، مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی لیکن اب بھی جب احکام شرعیہ کے ان مدارج کو ارمغان نظر سے دیکھیں گے تو ایک بہت بڑا اخلجان پیدا ہوگا اور وہ یہ کہ امر اور نہی جب دونوں احکام شرعیہ ہیں تو پھر ان کے مدارج بھی برابر اور یکساں ہونا چاہئے یعنی جس طرح طلب فعل میں درجہ بدرجہ نیچے آتے ہیں اسی طرح طلب ترک فعل میں بھی درجہ بدرجہ نیچے آنا چاہئے ایسا تو نہیں ہوسکتا کہ ایک جانب مدارج زیادہ ہوں اور دوسری جانب کم ورنہ اس سے ایک منقسم پیدا ہوگا لہٰذا احکام شرعیہ میں جو طلب فعل ہے اس کا پہلا درجہ فرض کا ہے، دوسرا درجہ واجب کا، تیسرا درجہ سنت مؤکدہ کا، چوتھا درجہ سنت غیر مؤکدہ کا اور پانچواں درجہ مستحب کا ۔ یہ پانچ درجے ہوئے اور ان کے نیچے دونوں کے لیے مشترک مباح ہے، اب ضروری تھا ان پانچ مدارج کے بالمقابل طلب ترک فعل میں بھی پانچ مدارج ہوں۔ اور یہ بالکل اصولی بات ہے عقل سلیم فہم مستقیم اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ پانچ مدارج جانب ترک میں بھی ہونا چاہئے لیکن جب دیکھتے ہیں تو ادھر حرام، مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی یعنی فقط تین درجے ہیں یہ ایک بہت بڑا اخلجان تھا عقلیں حیران تھیں کہ آخر شریعت کے احکام میں یہ فرق تو ہرگز نہیں ہوسکتا، یہ کمزوری تو نہیں ہوسکتی لیکن قربان جائیں اعلیٰ حضرت کے علمی تحقیق میں نظم وضبط پر کہ آپ اپنی قوت علمیہ اور خداداد صلاحیتوں سے احکام شرعیہ میں آنے والے اس کمزوری کا دفاع کیا یعنی احکام شرعیہ کے مدارج کا سفر جو نو کی تعداد پر آ کے رکا تھا، اسے گیارہ تک پہنچا کر اس سفر کی تکمیل فرمادی چنانچہ آپ لکھتے ہیں :''بتوفیق اللہ تعالیٰ تحقیق فقیر سب خللوں سے پاک ہے اس نے ظاہر کیا کہ بلکہ احکام گیارہ ہیں پانچ جانب فعل میں متنازلا ، پانچ فرض چار واجب تین سنت مؤکدہ دو غیر مؤکدہ، ایک مستحب اور پانچ جانب ترک میں متصاعدا خلاف اولیٰ دو مکروہ تنزیہی تین اسائت چار مکروہ تحریمی پانچ حرام جن میں میزان مقابلہ اپنے کمال اعتدال پر ہے کہ ہر ایک اپنے نظیر کا مقابل ہے اور سب کے بیچ میں

گیارہواں مباح خالص۔

اس تقریر منیر کو حفظ کر لیجئے کہ ان سطور کے غیر میں نہ ملے گی اور ہزار ہا مسائل میں کام دے گی اور صد ہا عقدوں کا حل کرے گی کلمات اس کے موافق مخالف سب طرح کے ملیں گے مگر بحمد اللہ تعالی حق اس سے متجاوز نہیں فقیر طمع رکھتا ہے کہ اگر حضور سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے حضور یہ تقریر عرض کی جاتی ضرور ارشاد فرماتے کہ یہ عطر مذہب وطراز مذہب ہے۔ والحمد اللہ رب العالمین'' [فتاوی رضویہ جلد اول، ص: ۱۷۵، رضا اکیڈمی]

اصول فقہ کی تاریخ میں اعلی حضرت کی انفرادیت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ اس تقریر منیر کو حفظ کر لیجئے ان سطور کے علاوہ آپ کو یہ ترتیب اور کہیں نہیں مل سکتی بات وہی کر سکتا ہے جن کو اصول کی تمام کتابیں ازبر ہوں اور اپنے علم وتحقیق کے نظم وضبط پر کامل اعتماد اور پورا یقین ہو ورنہ ایسا نہ ہو کے بات خلاف حقیقت ہو جائے اور قائل متہم بالکذب ہو جائے۔

مسئلہ اسراف فی الوضو:

اس مسئلہ پر بھی مباحث تھے۔فقہاے کرام کی اپنی تحقیقات تھیں لیکن وہی بات کہ نظم نہ تھا، اس لیے نظم کے فقدان کی وجہ سے جگہ جگہ اقوال آرا نظریات اور فتاوی میں اختلاف نظر آ رہا تھا ار پڑھنے والا اس کو تضاد تصور کرتا تھا، چنانچہ اعلی حضرت نے پہلے اس مسئلہ پر فقہاے کرام کے اقوال وفتاوی نقل کئے یعنی علامہ محقق ابراہیم حلبی اور طحطاوی کے یہاں اسراف فی الوضو کے مسئلہ پر حرام کا فتوی تھا مدقق علائی کے یہاں مکروہ تحریمی امام زیلعی کے نزدیک مکروہ تنزیہی اور صاحب فتح القدیر امام ابن ہمام کے یہاں خلاف اولی کا حکم تھا، جب یہ چاروں اقوال وفتاوی جدا جدا تھے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اسراف فی الوضو پر کونسا حکم دیا جائے چنانچہ اعلی حضرت نے سب سے پہلے اسراف کے درج ذیل معنی ان کے حوالہ جات کے ساتھ شرح وبسط کے ساتھ تحریر فرمائی (۱) غیر حق میں صرف کرنا (۲) حکم الہی کی حد سے بڑھنا (۳) ایسی بات میں خرچ کرنا جو شرع مطہر یا ثروت کے خلاف ہو اولا حرام اور ثانی مکروہ تنزیہی (۴) طاعت الہی کے غیر میں اٹھانا (۵) حاجت شرعیہ سے زیادہ استعمال کرنا (۶) غیر طاعت یا بلا حاجت خرچ کرنا (۷) ذلیل غرض سے کثیر مال اٹھا دینا (۸) حرام میں سے کچھ یا حلال کو اعتدال سے زیادہ کھانا (۹) دینے میں حق کی حد سے کمی یا بیشی (۱۰) لائق وپسندیدہ بات میں قدر لائق سے زیادہ اٹھا دینا (۱۱) بے فائدہ خرچ کرنا۔

آپ فرماتے ہیں:''ان تمام معانی میں سب سے جامع ونافع وواضح تر تعریف اول ہے اور کیوں نہ ہو کہ اس عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی تعریف ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم علم کی گٹھڑی فرماتے اور جو خلفاے اربعہ رضی اللہ تعالی عنہم کے بعد تمام جہان سے علم میں زائد ہو اور جو ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ جیسے امام الائمہ کا مورث علم ہے۔ [فتاوی رضویہ اول، ص: ۱۸۳]

پھر حاصل حکم لکھ کر تمام اقوال مختلفہ متضادہ کے مابین تطبیق پیدا کر کے ہر ایک کا جدا جدا محل بیان کر کے امت مسلمہ کے سامنے وحدت کی صورت میں پیش فرمایا یعنی وضو یا غسل میں سنت سمجھ کر بلا حاجت پانی خرچ کیا جائے تو حرام ہے۔'' بلا اعتقاد سنت

وبلا اعتقاد حاجت وضو یا غسل میں پانی خرچ کرے کہ وہ پانی ضائع ہو تو مکروہ تحریمی ہے، نہ تو سنت کا اعتقاد ہو نہ پانی ضائع کرنے کا ارادہ لیکن عادۃ بلا وجہ پانی زیادہ خرچ کرتا ہو تو مکروہ تنزیہی ہے، نہ اعتقاد سنت ہو نہ پانی ضائع کرنے کا ارادہ ہو، نہ ہی بلاضرورت خرچ کرنے کی عادت ہو بلکہ نادرا بلاضرورت پانی خرچ ہو جائے تو خلاف اولی ہے۔

حاصل حکم ہے: بالجملہ حاصل حکم یہ نکلا ہے حاجت زیادت اگر بے اعتقاد سنیت ہو، مطلقا یا جائز و گناہ اگرچہ دریا میں، اگر پانی ضائع جائے تو جب بھی مطلقا مکروہ تحریمی ہے اگرچہ اعتقاد سنیت نہ ہو۔ اور اگر فساد عقیدت نہ اضاعت تو خلاف ادب ہے مگر عادت کرلے تو مکروہ تنزیہی ہے۔

بحمد للہ تعالی فقہ جامع وفکر نافع ودرک بالغ ونور بازغ وکمال توفیق وجمال تطبیق وحسن تحقیق وعطر تدقیق وباللہ التوفیق واحمد للہ رب العالمین [فتاوی رضویہ جلد اول، ص:۲۰۷]

اعلی حضرت نے اس تنقیح جلیل کے ماتحت ایک فائدہ مہمہ ذکر کیا ہے جس میں پانی زیادہ نہ خرچ ہونے کے لیے چند امور کی نشاندہی فرمائی ہے۔

(۱) وضو دیکھ دیکھ کر ہوشیاری واحتیاط کے ساتھ کریں عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ وضو بہت جلد کرنا چاہئے اور اسی معنی پر کہتے ہیں کہ "وضو جوان کا سا اور نماز بوڑھوں کی سی" یہ غلط ہے۔ بلکہ وضو میں بھی درنگ وترک عجلت مطلوب ہے (۲) بعض لوگ چلو لینے میں پانی ایسا ڈالتے ہیں کہ ابل جاتا ہے حالانکہ جو گرا بیکار گیا اس سے احتیاط چاہئے (۳) ہر چلو بھرا ہونا ضروری نہیں بلکہ جس کام کے لیے لیں اس کا اندازہ رکھیں مثلا ناک میں نرم بانسے تک پانی چڑھائے تو پورا چلو کیا ضرور، نصف بھی کافی ہے۔ بلکہ بھرا چلو کلی کے لیے بھی درکار نہیں (۴) لوٹے کی ٹونٹی متوسط معتدل چاہئے نہ ایسی تنگ کہ پانی بدیر دے، نہ فراخ کہ حاجت سے زیادہ گرائے اگر لوٹا ایسا ہو تو احتیاط کرے پوری دھار نہ گرائے بلکہ باریک [فتاوی رضویہ جلد اول، ص:۲۰۹]

دور حاضر میں ٹونٹی سے وضو کرنے والوں کے لیے لمحہ فکر یہ ہے کہ ناک میں چڑھانے اور کلی کے لیے چلو میں پانی کتنا لیا جاتا ہے اور کتنا ابل کر بہہ جاتا ہے اور دوران مسح تو مت پوچھیئے جب تک مسح رأس ہوتا ہے ٹونٹی کھلی رہتی ہے اور پانی کا ضائع ہوتا ہے۔

اللہ تعالی ہم سب کو احکام شرعیہ پر صحیح طور پر عمل کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

شیخ الحدیث دار العلوم غریب نواز، الہ آباد، یوپی

روافض کی اذان امام احمد رضا کی تحقیقات کے آئینے میں

مفتی ساجد رضا مصباحی

اذان شعائر اسلام سے ہے، اس کے الفاظ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مقرر ہیں، اس میں کسی قسم کی کمی وزیادتی جائز نہیں۔لیکن روافض نے اذان میں علی ولی اللہ، وصی رسول اللہ، خلیفۃ رسول اللہ بلافصل جیسے کلمات کا اضافہ کر کے اپنی بد باطنی اور خباثت کا بدترین نمونہ پیش کیا ہے، بلاشبہ یہ اضافہ خلاف اسلام ہے بلکہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بالخصوص خلیفۂ راشد حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف بغض وعداوت کی ایک بدترین مثال ہے۔

امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ [۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ] سے روافض کی اذان اور اس میں اضافے کے حوالے سے سوال کیا گیا تو آپ نے بڑے محققانہ انداز میں اس کی تردید فرمائی اور دلائل قاہرہ وباہرہ کے ذریعہ اس حقیقت کی عقدہ کشائی فرمائی کہ یہ اضافہ نہ صرف یہ کہ اہل سنت کے عقائد ومعمولات کے خلاف ہے بلکہ روافض کے مسلّم ائمہ وفقہا کے یہاں بھی یہ اضافہ درست نہیں ہے۔

۲۱؍ذی قعدہ ۱۳۰۶ھ کو صدر انجمن محب اسلام کی جانب سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی خدمت میں سوال ہوا کہ:

''کیا فرماتے ہیں علمائے اہل سنت وجماعت اس مسئلہ میں کہ بالفعل اہل تشیع نے اپنی اذان وغیرہ میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت کلمۂ خلیفۃ رسول اللہ بلافصل کہنا اختیار کیا ہے، پس اہل سنت کو اس کلمہ کا سننا بمنزلہ سننے تبرّا کے ہے یا نہیں اور اس کے انسداد میں کوشش کرنا باعث اجر ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔''

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ [۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ] نے اس سوال کا انتہائی تحقیقی جواب رقم فرمایا، جو ایک رسالے کی صورت اختیار کر گیا، اس رسالے کا نام ''الأدلة الطاعنة فی أذان الملاعنة ۱۳۰۶ھ'' (ملعونوں کی اذان کے بارے نیزے چبھونے والے دلائل) رکھا، یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد: ۲۳ میں شامل ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ [۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ] نے اپنے تفصیلی جواب کی ابتدائی سطروں میں واضح انداز میں تحریر فرمایا کہ اس کلمۂ مبغوضہ کا اضافہ خالص تبرا ہے، اس میں صراحتاً حضرات خلفائے ثلثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خلافتِ راشدہ کی نفی ہے۔آپ تحریر فرماتے ہیں:

''یہ کلمۂ مغضوبہ مبغوضہ مذکورۂ سوال خالص تبرا ہے، اس کا سننا سنّی کے لیے بمنزلہ تبرا سننے کے نہیں بلکہ حقیقتاً تبرا سننا ہے۔ والعیاذ باللہ رب العلمین، تبرا کے معنی اظہار براءت وبیزاری جس پر یہ کلمۂ خبیثہ نہ کنایۃً بلکہ صراحۃً دال ہے کہ اس میں بالتصریح

خلافتِ راشدۂ حضرات خلفاء ثلثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی نفی ہے اور اس نفی کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ وہ بعد حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسند نشین نہ ہوئے کہ ان کا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد تخت خلافت پر جلوس فرمانا، فرمان واحکام جاری کرنا، نظم ونسق ممالک اسلامیہ وتمام امور ملک ومال ورزم وبزم کی باگیں اپنے دست حق پرست میں لینا وہ تاریخی واقعہ مشہور ومتواتر اظہر من الشّمس ہے جس سے دنیا میں موافق مخالف یہاں تک کہ نصاریٰ ویہود ومجوس وہنود کسی کو انکار نہیں بلکہ ان محبان خدا ونوابان مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روافض کو زیادہ عداوت کا مبنیٰ یہی ہے، ان کے زعم باطل میں استحقاق خلافت حضرت مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم الاسنیٰ میں منحصر تھا، جب بحکم الٰہی خلافت راشدہ اول ان تین سرداران مومنین کو پہنچی، روافض نے انھیں معاذ اللہ مولیٰ علی کا حق چھیننے والا ٹھہرایا اور تقیۂ شیعہ کی بدولت حضرت اسد اللہ الغالب کو عیاذاً باللہ سخت نامردو وبزدل وتارک حق ومطیع باطل بتایا:

ع دوستی بے خرداں دشمنی است

[فتاویٰ رضویہ مترجم، ج: ۲۳ ''رسالہ الادلۃ الطاعنۃ فی اذان الملاعنۃ ۱۳۰۶ھ، ص: ۷۴۳]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اپنے اس تحقیقی جواب میں بڑے مدلل انداز میں یہ واضح فرمایا ہے کہ روافض زمانہ نے اہل سنت کی ایذا رسانی اور حضرات خلفاے راشدین کے طعن کے لیے اذان میں جو اضافے کیے ہیں وہ ان کے مذہب کے بھی خلاف ہیں، آپ تحریر فرماتے ہیں:

''مجھے بتوفیق عزوجل یہاں یہ ظاہر کرنا ہے کہ یہ کلمات جو روافض حال نے سنیوں کی ایذا رسانی کو اذان میں بڑھائے ہیں، ان کے مذہب کے بھی خلاف ہیں:

۱۔ حدیث وفقہ کی رو سے بھی اذان ایک محدود عبارت معدود کلمات کا نام ہے، جس میں یہ ناپاک لفظ داخل نہیں۔

۲۔ ان کے نزدیک بھی اس اذان منقول میں عبارت بڑھانا ناجائز وگناہ اور اپنے دل سے ایک نئی شریعت نکالنا ہے۔

۳۔ ان کے پیشوا خود لکھ گئے کہ ان زیادتیوں کی موجب ایک ملعون قوم ہے جنھیں امامیہ بھی کافر جانتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے مذکورہ بالا تینوں امور پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے، ان تینوں دعووں پر مذہب امامیہ کی معتبر کتب سے واضح عبارات مع ترجمہ نقل کر کے روافض کی اذان کے تار و پود بکھیر دیے ہیں۔ سند امر اول، سند امر دوم، سند امر سوم کے عنوان سے آپ نے دلائل وبراہین کے انبار لگاتے ہوئے یہ ثابت فرمایا ہے کہ روافض کی موجودہ اذان ان کے مذہب اور ان کے معتمد علما کی صراحتوں کے بھی خلاف ہے۔

امر اول میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ ''حدیث وفقہ کی رو سے بھی اذان ایک محدود عبارت معدود کلمات کا نام ہے، جس میں یہ ناپاک لفظ داخل نہیں۔'' اس پر آپ شرائع الاسلام، المقدمۃ السابقۃ فی الاذان والاقامۃ، مطبعۃ الآداب فی النجف الاشرف جلد اول ص: ۷۵ کی عبارت نقل فرماتے ہیں:

"ألأذان علی الأشهر ثمانية عشر فصلا التكبير أربع والشهادة بالتوحيد ثم بالرسالة ثم يقول حي على الصلوة ثم حي على الفلاح ثم حي على خير العمل والتكبير بعده ثم التهليل كل فصل مرتان۔"

ترجمہ: اذان مشہور تر قول پر اٹھارہ کلمے ہیں، تکبیر چار بار، اور گواہی توحید کی پھر رسالت کی، پھر حی علی الصلوۃ، پھر حی علی الفلاح، پھر حی علی خیر العمل اور اس کے بعد اللہ اکبر پھر لا الہ الا اللہ ہر کلمہ دو بار۔

خضیدحی جوشہید ثانی کہا جاتا ہے اس کی شرح مدارک میں لکھتا ہے:

هذا مذهب الأصحاب لا أعلم فيه مخالفا والمستند فيه ما رواه ابن بابويه والشيخ عن أبي بكر الحضرمي وكليب الأسدي عن أبي عبد الله عليه السلام أنه حكى لهما الأذان فقال الله أكبر الله أكبر الله أكبر الله أكبر، اشهد أن لا اله الا الله أشهد أن لا اله الا الله أشهد أن محمدا رسول الله، أشهد أن محمد رسول الله، حي على الصلوة، حي على الصلوة، حي على الفلاح، حي على الفلاح، حي على خير العمل، حي علىٰ خير العمل، الله أكبر، الله أكبر لا اله الا الله، لا اله الا الله، والاقامة كذا، وعن اسمعيل الجعفي قال سمعت أبا جعفر عليه السلام يقول الاذان والاقامة خمسة وثلثون حرفا فعد ذلك بيده واحدا واحدا، الاذان ثمانية عشر حرفا، والاقامة سبعة عشر حرفا، وأشار المصنف بقوله على الأشهر الىٰ ما رواه الشيخ بسنده الى الحسين بن سعيد عن النصر بن سويد عن عبد الله بن سنان قال سألت أبا عبد الله عليه السلام عن الأذان فقال تقول الله اكبر الله اكبر، أشهد أن لا اله الا الله، أشهد أن لا اله الا الله، أشهد أن محمدا رسول الله، أشهد أن محمد رسول الله، حي على الصلوة، حي على الصلوة، حي على الفلاح، حي على الفلاح، حي على خير العمل، حي على خير العمل، ألله أكبر الله أكبر، لا اله الا الله، وروى زرارة والفضيل عن أبي عبد الله عليه السلام نحو ذلك وحكى الشيخ عن بعض الأصحاب تربيع التكبير في آخر الأذان وهو شاذ مردود بما تلونا من الأخبار اه، ملخصا"

اذان کے وہی اٹھارہ کلمے ہونا مذہب تمام امامیہ کا ہے، جس میں میرے نزدیک کسی نے خلاف نہ کیا اور اس کی سند وہ حدیث ہے جو ابن بابویہ و شیخ نے ابوبکر حضرمی و کلیب اسدی سے روایت کی کہ حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام نے ان کے سامنے اذان یوں بیان فرمائی۔ اللہ اکبر ۴، اشھد ان لا الہ الا اللہ ۲، اشھد ان محمد رسول اللہ ۲، حی علی الصلوۃ ۲، حی علی الفلاح ۲، حی علی خیر العمل ۲، اللہ اکبر ۲، لا الہ الا اللہ ۲، اور فرمایا اسی طرح تکبیر کہے، اور اسمعیل جعفی سے روایت ہے کہ میں حضرت امام ابوجعفر علیہ السلام کو فرماتے سنا کہ اذان و تکبیر کا مجموعہ پینتیس کلمے ہیں، پھر حضرت نے اپنے دست مبارک سے ایک ایک کر کے گنے، اذان اٹھارہ کلمے اور تکبیر سترہ اور وہ جو مصنف (یعنی حلی نے شرائع الاسلام میں] کہا کہ مشہور تر قول پر اذان کے اٹھارہ کلمے ہیں وہ اس سے اس حدیث کی طرف اشارہ کرتا ہے جو شیخ نے بسند خود حسین بن سعید اس نے نصر بن سوید اس نے عبد اللہ بن سنان سے روایت کی کہ میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے اذان کو پوچھا، فرمایا: یوں کہہ اللہ اکبر ۲، اشھد ان لا الہ الا اللہ ۲، اشھد ان محمد رسول اللہ ۲، حی علی الصلوۃ ۲، حی علی الفلاح ۲، حی علی خیر العمل ۲، اللہ اکبر ۲، لا الہ الا اللہ ۲۔ (یعنی اس حدیث میں شروع اذان صرف دو تکبیر سے ہے۔ تو اذان

کے سولہ ہی کلمے رہیں گے) اور زرارہ وفضیل نے امام ممدوح سے یوں ہی روایت کی اور شیخ نے بعض امامیہ سے آخر اذان میں چار تکبیریں نقل کیں اور وہ شاذ مردود ہے، بسبب ان حدیثوں کے جو ہم نے ذکر کیں۔ اھ ملخصا''

یہ ساتویں صدی ہجری کے معروف رافضی محقق وفقیہ ابوالقاسم جعفر بن حسن بن یحییٰ بن سعید حلی جو محقق حلی اور محقق اول کے لقب سے مشہور ہے کی مشہور زمانہ تصنیف شرائع الاسلام فی مسائل الحلال والحرام نیز اس کی شرح مدارک الاحکام کی عبارت اور اس کا ترجمہ ہے جس کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اپنے رسالہ ''الادلة الطاعنة فی اذان الملاعنة ۱۳۰۶ھ'' میں نقل فرمایا ہے، جس میں رافضی محقق وفقیہ نے کہیں بھی روافض زمانہ کے اضافہ کردہ ملعون کلمے کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ جس سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ روافض زمانہ کا یہ اضافہ ان کے مذہب کے بھی خلاف اور محض صحابہ دشمنی کی بنیاد پر ہے، ان کے مذہب کی قدیم فقہی مآخذ میں ان کلمات کا کوئی ذکر نہیں ملتا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اللمعۃ الدمشقیۃ مولفہ ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن مکی بن محمد شاملی جزینی (۷۳۴-۷۸۶ھ) کی عبارت نقل فرما کر اس مسئلے کو مزید آشکارا فرمادیا ہے، اللمعۃ الدمشقیہ فقہ امامیہ کی معروف کتاب ہے ،جس میں تمام ابواب فقہ پر ابحاث موجود ہیں اور روافض کے یہاں یہ فقہ کی جامع کتاب سمجھی جاتی ہے۔ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

شہید شیعہ ابوعبداللہ بن مکی لمعۂ دمشقیہ میں لکھتا ہے:

''یکبر اربعا فی أول الأذان ثم التشهدان ثم حیعلات الثلث ثم التکبیر ثم التهلیل مثنیٰ فهذه ثمانیة عشر فصلا، فهذه جملة الفصول المنقولة شرعا ولا یجوز اعتقاد شرعیة غیر هذه الفصل فی الأذان والأقامة کاالتشهد بالولایة لعلی اه ملخصا۔

اول اذان میں چار بار اللہ اکبر کہے پھر دونوں شہادتین، پھر تینوں حی علیٰ، پھر اللہ اکبر، پھر لا الہ الا اللہ ہر کلمہ دوبار، یہ اٹھارہ کلمے ہیں اور کل یہی ہیں جو شرع میں منقول ہوئے، ان کے سوا اذان اور اقامت میں اور کسی کو مشروع جاننا جائز نہیں، جیسے أشهد أن علیا ولی اللّٰہ۔ اھ ملخصا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے دوسرا دعویٰ یہ فرمایا تھا کہ ''ان کے نزدیک بھی اس اذان منقول میں عبارت بڑھانا ناجائز وگناہ اور اپنے دل سے ایک نئی شریعت نکالنا ہے۔''

اس امر کی تائید کے لیے امام اہل سنت نے مدارک الاحکام کی دو عبارتیں نقل فرمائی ہیں:

ألأذان سنة متلقاً من الشارع کسائر العبادات فیکون الزیادة فیه تشریعا محرما کما یحرم زیادة أن محمداواٰله خیر البریة فان ذٰلک وان کان من أحکام الایمان الا أنه لیس من فصول الاذان۔

اذان ایک سنت ہے جسے شارع (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے تعلیم فرمایا مثل اور عبادتوں کے، تو اس میں کوئی لفظ بڑھانا اپنی طرف سے نئی شریعت ایجاد کرنا ہے اور یہ حرام ہے جیسے ان محمد واٰلہ خیر البریۃ کا بڑھانا حرام ہوا کہ یہ اگرچہ احکام ایمان سے ہے مگر

اذان کے کلمات سے نہیں۔

الأذان عبادة متلقاة من صاحب الشرع فيقتصرفي كيفيتها على المنقول والروايات المنقولة عن أهل البيت عليهم السلام خالية عن هذااللفظ فيكون الاتيان به تشريعامحرما۔

اذان ایک عبادت ہے کہ صاحب شرع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سیکھی گئی تو اس کی کیفیت میں اسی قدر اقتصار کیا جائے جس قدر شارع علیہ الصلاۃ والسلام سے منقول ہے اور حضرات اہل بیت کرام علیہم السلام سے جو روایتیں منقول ہوئیں وہ اس لفظ سے خالی ہیں تو اس کا بڑھانا نئی شریعت تراشنا ہوگا کہ حرام ہے۔

مذکورہ تمام عبارتیں اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ اذان میں بارگاہ رسالت سے مقرر الفاظ کے علاوہ کچھ اضافہ جس طرح اہل سنت کے یہاں روا نہیں، اسی طرح روافض کے یہاں بھی اس کی اجازت نہیں، ان کے معتمد علما بھی اس کو حرام قرار دیتے ہیں، لیکن روافض زمانہ نے محض اہل سنت کو ایذا پہنچانے کے لیے ان الفاظ کا اضافہ کر لیا ہے۔

تیسرے دعوے میں امام اہل سنت نے فرمایا کہ: ''ان کے پیشوا خود لکھ گئے کہ ان زیادتیوں کی موجب ایک ملعون قوم ہے جنھیں امامیہ بھی کافر جانتے ہیں۔''

اس کی شہادت کے لیے شیعوں کے مجتہد اور بہت بڑے عالم شیخ صدوق شیعہ ابن بابویہ قمی کی معروف کتاب ''من لا یحضرہ الفقیہ'' کی یہ عبارت نقل فرمائی ہے:

''روى ابو بكر الحضرمي و كليب الأسدي عن أبي عبد الله عليه السلام أنه حكى لهما الأذان فقال الله أكبر، الله أكبر، الله أكبر، الله أكبر، أشهد أن لا اله الا الله، أشهد أن لا اله الا الله، أشهد أن محمد رسول الله، أشهد أن محمد رسول الله، حي على الصلوة، حي على الصلوة، حي على الفلاح، حي على الفلاح، حي علىٰ خير العمل، حي علىٰ خير العمل، ألله أكبر، ألله أكبر، لا اله الا الله، وقال مصنف هذ الكتاب هذا هو الاذان الصحيح لا يزاده فيه ولا ينقص منه والمفوضة لعنهم الله قد وضعوا اخبارا وزادوا في الاذان محمد وآل محمد خير البرية مرتين، وفي بعض رواياتهم بعد اشهد ان محمد رسول الله، اشهد ان ولي الله مرتين ومنهم من روى بدل ذلك واشهد ان عليا امير المومنين حقا مرتين ولا شك في ان عليا ولي الله وانه امير المومنين حقا وان محمدا واله صلوت الله عليهم اجمعين خير البرية ولكن ليس ذلك في اصل الاذان وانما ذكرت ذلك ليعرف بهذه الزيادة المتهمون بالتفويض المدلسون انفسهم في جملتنا۔

ابوبکر حضرمی وکلیب اسدی حضرت ابو عبداللہ علیہ السلام سے راوی کہ اس جناب نے ان کے سامنے اذان یوں کہہ کر سنائی، اللہ اکبر ۴، اشھد ان لا الہ الا اللہ ۲، اشھد ان محمد رسول اللہ ۲، حی علی الصلوۃ ۲، حی علی الفلاح ۲، حی علیٰ خیر العمل ۲، اللہ اکبر ۲، لا الہ الا اللہ ۲۔ مصنف اس کتاب کا کہتا ہے یہی اذان صحیح ہے نہ اس میں کچھ بڑھایا جائے نہ اس سے کچھ گھٹایا جائے، اور فرقۂ مفوضہ نے اللہ ان پر لعنت کرے کچھ جھوٹی حدیثیں اپنے دل سے گھڑیں اور اذان میں محمد وآل محمد خیر البریۃ دوبار بڑھایا اور انھیں کی بعض

روایات میں اشھد ان محمد رسول اللہ کے بعد اشھد ان علیا امیر المومنین حقا دو بار روایت کیا، اور اس میں شک نہیں کہ علی ولی اللہ ہیں اور بے شک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی آل علیہم السلام تمام جہاں سے بہتر ہیں مگر یہ کلمے اصل اذان میں نہیں، اور میں نے اس لیے ذکر کر دیا کہ اس زیادتی کے باعث وہ لوگ پہچان لیے جائیں جو مذہب تفویض سے متہم ہیں اور براہ فریب اپنے آپ کو ہمارے گروہ (یعنی فرقۂ امامیہ) میں داخل کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا عبارت میں بھی امامیہ کا شیخ صدوق صاف صاف شہادت دے رہا ہے کہ ان کے یہاں اذان میں کل اٹھارہ کلمے ہیں، یہ زیادتیاں فرقۂ مفوضہ کی تراشی ہوئی، جن پر یہ صاحب لعنت بھیج رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی ان کی تفصیلات کے بعد ذکر فرماتے ہیں کہ:

''اگر بالفرض یہ کلمۂ ملعونہ ان اذان مذہبی میں داخل ہوتا اور ان کے یہاں روایات میں آتا تو کہہ سکتے کہ صرف اہل سنت کا دل دکھانا مقصود نہیں بلکہ اپنی رسم مذہبی پر نظر ہے، اب کہ یقینا ثابت کہ کلمۂ مذکورہ جو ان کے مذہب میں بھی نہیں، نہ صاحب شرع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کی روایت، نہ حضرات ائمہ اطہار سے اس کی اجازت، نہ ان کے پیشواؤں کے نزدیک اذان کی یہ ترتیب وکیفیت، بلکہ خود انھیں کی معتبر کتابوں میں تصریح کہ اذان میں صرف اتنا بڑھانا بھی حرام ہے کہ اشھد ان علیا ولی اللہ اور یہ زیادتیاں اس فرقۂ ملعونہ کی نکالی ہوئی ہیں جو باتفاق اہل سنت وشیعہ کافر ہیں تو ایسی حالت میں اس کے بڑھانے کو ہرگز ہرگز کسی رسم مذہبی کی ادا پر محمول نہیں کر سکتے بلکہ یقیناً سوا اس کے اہل سنت کو آزار دینا اور ان کا دل دکھانا اور ان کی توہین مذہبی کرنا مد نظر ہے اور کوئی غرض مقصود نہیں۔''

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اس بات کی بھی وضاحت فرمائی کہ کلمات اذان میں اضافہ نے کرنے والا ''مفوضہ'' نامی فرقہ ہے جو روافض اور اہل سنت دونوں کے نزدیک کافر ہے، ان کے عقائد انتہائی غلیظ ہیں۔ من لایحضرہ الفقیہ میں اس فرقے کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے۔

''المفوضة هم الذين فوضو االامور من التحليل والتحريم الى النبى وعلى وقالواان اللّٰه تعالىٰ لم يحرم شئيا ولم يحلل بل هما عليهما السلام'' [حاشیہ من لایحضرہ الفقیہ، ص: ۹۳، مطبوعہ قدیم لکھنو]

ترجمہ: مفوضہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے تمام امور کے حلال وحرام کرنے کا اختیار حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کر رکھا ہے اور ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ تو کسی شئی کو حلال کیا اور نہ ہی حرام بلکہ یہ دونوں کام ان دونوں حضرات کا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ روافض کی اذان میں اضافہ کیے گئے کلمات خود ان کے بھی مذہب کے خلاف بھی ہیں، اس کا اضافہ ایک ایسے فرقے نے کیا ہے جو اہل سنت اور روافض دونوں کے نزدیک کافر ہیں۔ ائمۂ اہل بیت رضی اللہ عنہم سے مروی ومنقول اذان انہی کلمات پر مشتمل ہے جو اہل سنت وجماعت کی اذان میں ہیں۔

مدیر اعلیٰ سہ ماہی پیغام مصطفیٰ اتر دیناج پور بنگال/ خادم درس افتا دار العلوم غریب نواز داہوگنج، کشی نگر یوپی

امام احمد رضا اور رد روافض

مفتی محمد شاکر رضا قادری مصباحی

اسلام ایک آفاقی اور ابدی مذہب ہے جو اپنی حقانیت اور سچائیت کی بنا پر زندہ و تابندہ ہے اور یہ اظہر من الشمس ہے کہ اس کے اصولیات وفروعیات کا ہر قانون ایسا مسلم اور ٹھوس ہے کہ باوجود لاکھ انتھک کوششوں کے دنیاوی ہر طاقت بدلنے میں ناکام ثابت ہوئی ، یہ تاریخ کا بہت بڑا المیہ اور ناگفتہ بہ باب ہے کہ روز ازل ہی سے گزرتے وقت کے ساتھ مختلف خارجی حملوں اور داخلی فتنوں، تحریف وتاویل جیسے چیلنجوں کا سامنا کرتا آرہا ہے۔

پہلی صدی ہجری کے اوائل کے بعد رافضیت (شیعت) کا فتنہ جنم لیا، چودہ سوسال کا عرصہ گزر گیا جس کی مسموم ہوائیں کبھی بھی تھمتی نظر نہیں آئیں، اپنی چالاکی تقیہ بازی اور افتراء بازی کے ذریعہ شرق سے غرب تک اپنے پیروں کو پسارتے چلا گیا اور ہنوز جاری ہے۔شیعہ اگرچہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں لیکن ان کے افکار وعقائد اسلامی عقائد ونظریات سے بالکل مختلف اور متضاد ہیں ،یہی وجہ ہے کہ اس فرقہ کے باطل خیالات وعقائد کو ہر دور میں علمائے حق نے آشکار کیا ہے، زبانی اور قلمی رد فرمایا ہے۔

ہندو پاک بشمول بنگلہ دیش میں رافضیت نے کب قدم کب رکھا، یہ حتمی طور پر معلوم نہ ہوسکا، البتہ اتنا ضرور ہے کہ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو سلسلۂ چشتیہ کے عظیم بزرگ اور خلیفہ ہیں سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ کے، بواسطۂ حضرت خواجہ بختیار کاکی وحضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمہا اللہ تعالیٰ، ان کے مبارک دور میں، بلکہ آپ کے بہت بعد حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی (ولادت شب جمعہ ۱۴ رشوال ۹۷۱ھ مطابق ۱۵۶۳ء) کے زمانہ میں صرف ہندوستان میں اہل سنت وجماعت ہی کے لوگ تھے، کوئی دوسرا فرقہ نہیں تھا۔آپ اپنے ''**مکتوبات**'' میں لکھتے ہیں:

''مسلمانان ملک ما ہمہ اہل سنت وجماعت اند'' ہمارے ملک (ہندوستان) کے سب مسلمان اہل سنت وجماعت ہیں۔لیکن بعض تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کے دور میں شیعوں کے بعض طلبہ ہندوستان میں آگئے تھے۔۔۔کیوں کہ آپ نے ایک رسالہ بنام ''**ردشیعہ**'' یا ''**رد روافض**'' تحریر کیا تھا جو اس وقت کی پکار تھی، مگر وہ فرقہ یا گروہ کی شکل میں نمودار نہیں ہوا تھا۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ جب یہاں مسلم سلطنتیں اور ریاستیں قائم ہوئیں اسی اثنا میں رافضی بھی کثیر تعداد میں ہندوستان میں قدم رکھنے لگے اور یہی زیادہ قرین قیاس ہے کہ باہر دیش ایران وغیرہ سے لوگ بزنس اور تجارت (کاروبار) کی غرض سے آئے اور اپنے کاروبار کے نام پر یہاں رافضیت کی تشہیر کی، اور داغ بیل ڈالی۔لیکن یہاں کے اکثر مسلم سلطنتیں اور مغلیہ حکومت کے حکمران وسربراہان اہل سنت وجماعت تھے۔ پہلے سے حجاز مقدس حرمین شریفین، عراق، کوفہ، بصرہ، مصر اور شام وغیرہ کی اسلامی

اتحادی طاقت کو یہی رافضی نقصان پہنچا چکا تھا، اور یہاں بھی اتحاد اہل سنت و جماعت کی خوشگوار فضا کو سب سے پہلے اسی فرقہ نے تہہ وبالا اور پارہ پارہ کیا۔ رافضیت جب ہندوستان میں داخل ہوگئی تو یہاں بھی کافی ہاتھ پیر مارا، اور ہندوستان کے صنعتی اور معاشی ترقی یافتہ بلاد۔۔۔۔دہلی، کولکاتا، بمبئی، لکھنؤ، سورت، سندھ، لاہور وغیرہ جیسے بڑے بڑے شہروں میں گھس پیٹ گئی، اور اپنی تقیہ بازی کے سبب سکہ جمانے میں کافی حد تک کامیاب ہونے لگی۔[۱]

بتایا جاتا ہے کہ علاقۂ سیمانچل قدیم پورنیہ (بشمول دیناج پور، مالدہ، کشن گنج، ارریہ اور کٹیہار) میں رافضیت دور ہمایوں میں آئی اور کافی لوٹ مار کا بازار گرم رکھا جس کی روک تھام کے لئے ہمایوں کو ایران سے سید دستور خان کو بلانا پڑا، جیسا کہ اس کی تفصیل میں کچھ حضرت امیر القلم علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی دام فیضہ یوں رقم طراز ہیں:

''پورنیہ میں شیعیت بادشاہ ہمایوں کے زمانہ میں آئی۔ بھوٹانی اور نیپالی، پورنیہ پر پے در پے کبھی رہزنی کرتے تھے۔ کبھی حملے کرتے تھے۔ ان کو روکنے کے لیے ہمایوں نے سید دستور خان کو ایران سے بلایا۔ دستور خان مذہباً شیعہ تھے۔ جنگ جو، بہادر، مدبر شخص تھے۔ سید جلال الدین نے ایک قلعہ تعمیر کرایا، جو جلال گڑھ کہلایا۔ ان کو پرگنہ سرجاپور جاگیر میں دی گئی۔ اب یہ خاندان نواب کہلایا اور کھگڑا کشن گنج میں اپنی کوٹھی اور کچہری بنوائی۔ اسی خاندان کے لوگ مرشدآباد میں آباد ہوئے۔ یا پہلے سے آباد شیعوں سے رشتے ہوئے۔ بہت بعد میں اس خاندان کے نواب سید عطا حسین اور سید فدا حسین نے شیعیت ترک کردی اور مذہب اہل سنت اختیار کر لیے۔ شیعوں کا ایک خاندان سیٹی پورنیہ میں آباد ہے۔ چوڑی پٹی کشن گنج میں جو شیعہ خاندان ہے، وہ بلگرام سادات کی ایک شاخ، جو شیعہ ہوئی تھی، اسی کی نسل سے ایک شاخ کواتھ، آرہ، پٹنہ اور کشن گنج میں آباد ہوئی۔ یہ وہاں طبابت کی غرض سے آئے تھے۔ شعر و شاعری بھی کرتے تھے، آج بھی ہیں۔''[۲،۳]

رافضیوں کے بیرونی حملوں سے مسلمانوں کے دین و ایمان کے تحفظ، عقائد و اعمال کی اصلاح اور دفاع ناموس صحابہ میں علمائے اہل سنت کا عظیم کردار رہا ہے جو کبھی بھی بھلایا نہیں جاسکتا۔ جب رافضیوں کے فتنوں کا ادراک علمائے اہل سنت نے کر لیا تو ان کے خلاف کمر بستہ ہوگئے اور اپنے موقف کو دلائل و براہین کے ساتھ پیش کیا اور دشمنان صحابہ پر ضرب کاری لگائی، جس میں اوپر گزرا کہ مجدد الف ثانی امام ربانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ''**رد روافض**'' نامی رسالہ قلم بند فرمایا تھا، اور تیرہویں صدی ہجری میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پیش پیش رہے ہیں، جنہوں نے ''**ازالۃ الخفاء فی خلافۃ الخلفاء**'' اور ''**قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین**'' اور ان کے فرزند و جانشین حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''**تحفۂ اثنا عشریہ**'' تحریر فرما کر روافض کے سامنے ایک کھلا چیلنج کھڑا کر دیا جس کا علمی جواب ان کے پاس کل تھا اور نہ آج ہے۔ اس کتاب کے تعلق سے ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی نے ان کے رد میں **تحفۂ اثنا عشریہ** بہت ہی زبردست کتاب تصنیف فرمائی ہے کہ تمام شیعہ باوجود سعی بلیغ اس کے جواب سے قاصر ہیں۔''[۴]

ان کے علاوہ کثیر علماء نے روافض کے رد میں کتابیں تصنیف فرمائیں ہیں، جس کا احاطہ یہاں ناممکن سا ہے۔

مگر انیسویں صدی کا وہ المناک دور گزرا ہے جس میں قادیانی، وہابی، غیر مقلد، ناصبی، نیچری، ندوی، سلفی، اسماعیلی، نانوتوی، گنگوہی، انبیٹھوی، تھانوی اور ٹانڈوی وغیرہ جیسے درجنوں فتنے اپنے نئے نئے نظریات کی کاشت کرنے اور مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے میں سرگرم عمل تھے، افتراق بین المسلمین کے اسباب وآلات مہیا کر کے ہوا دے رہے تھے، سینکڑوں ان گنت باطل جماعتیں اور تحریکات عروج پر تھے اور منھ کھلے ہوئے تھے، وہیں پر رافضیہ اور تفضیلیہ فتنہ جو پہلے سے اپنا قدم جما چکا تھا اپنے کفریہ عقائد اور گمراہ کن نظریات کی تشہیر وتعمیر میں بھلا کیوں پیچھے رہتا، لہذا وہ بھی اپنے ہدف کی کامیابی کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کرنے لگا۔ خدا بھلا کرے چودھویں صدی کے اس مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا، جنہوں نے اس دور میں اٹھنے والے ہر باطل فرقوں اور نظریات کی سرکوبی فرما کر انہیں انجام تک پہنچایا اور روافض اور تفضیلیہ کا بھی رد بلیغ فرمایا۔ ان کے رد میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کم وبیش تیرہ (۱۳) رسالے ہیں، چھ روافض اور سات تفضیلیہ کے رد وابطال میں، ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ رقم فرماتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت امام اہل سنت قدس سرہ نے (رد روافض میں) چھ کتابیں تصنیف فرمائی ہیں: (۱) الادلۃ الطاعنہ فی اذان الملاعنہ (۲) دفعۃ الباس علی جاحذ الفاتحۃ والفلق والناس (۳) ثلج الصدر لایمان القدر (۴) رد الرفضہ (۵) لمعۃ الشمعہ لھدی شیعۃ الشنیعہ (۶) فضائل فاروق رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ۔'' [۵]

جب کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے تفضیلیہ کے رد میں بھی چھ بلکہ سات کتابیں تصنیف فرمائی، جو حسب ذیل ہیں: (۱) مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین (۲) الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی (۳) الرائحۃ العنبریہ من المجمرۃ الحیدریہ (۴) الصمصام الحیدری علیٰ حمق العیار المفتری (۵) الجرح الوالج فی بطن الخوارج (۶) الاسئلۃ الفاضلہ علی الطوائف الباطلہ۔ [۶] (۷) منتھی التفصیل لمبحث التفضیل [۷]

روافض کے اصل چار فرقے ہیں۔ **پہلا فرقہ** شیعانِ علی مخلصین، **دوسرا فرقہ**: تفضیلیہ، **تیسرا فرقہ** تبرائی، **چوتھا فرقہ** غالی۔ **(۱)** پہلا فرقہ ان مخلصین اور جاں نثار ساتھیوں کا ہے جو اہل سنت و جماعت کے مقتدا و پیشوا ہیں۔ یہ حضرات اصحاب کبار، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کی حق شناسی اور ظاہر و باطن کی پاسدار، نیز جنگ وجدل کے باوجود سینہ کو بے کینہ اور پاک وصاف رکھنے میں جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قدم بقدم رہے۔ ان ہی کو شیعانِ اولیٰ، اور شیعان مخلصین کہتے ہیں۔ **(۲)** دوسرا تفضیلی شیعوں کا تھا، جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو تمام صحابہ سے افضل کہتے تھے۔ **(۳)** تیسرا فرقہ تبرائی شیعوں کا تھا، ان کو شیعہ سَبِیَّہ بھی کہتے ہیں۔ یہ لوگ عقیدۃً صحابہ کرام راضوان اللہ علیہم کو ظالم، غاصب، بلکہ کافر ومنافق مانتے اور کہتے تھے۔ **(۴)** چوتھا فرقہ غالی شیعوں کا تھا، اور یہ ابن سبا کے خاص الخاص شاگردوں اور راز دار دوستوں کا گروہ تھا اور یہی گروہ جناب امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی الوہیت کا قائل تھا۔ [۸]

یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا نے روافض کے فرقوں کے غالی اور تبرائی کے لحاظ سے حکم نقل فرمایا اوران کا رد کیا ہے، کہ رافضی اگر مولا علی کو شیخین پر فضیلت دیتا ہے تو وہ بدمذہب ہے، اور اگر شیخین یا کسی ایک کی خلافت کا منکر ہو تو عند الفقہاء کافر اور عند المتکلمین بدمذہب، اور اللہ تعالیٰ پر کوئی حکم دے پشیمان ہونے کا گمان رکھتا ہے یا قرآن حکیم کو ناقص بتائے یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم خواہ ائمہ طاہرین میں سے اللہ عزوجل کے نزدیک انبیائے سابقین علیہم الصلاۃ والسلام سے افضل بتائے تو وہ یقیناً کافر اور مرتد ہے آپ فرماتے ہیں:

"الرافضی ان فضل امیر المؤمنین علیاً علی الشیخین رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھم فمبتدع کما فی "الخلاصۃ" و"الھندیۃ "وغیرھما۔ وان انکر امامتھما او احدھما فاکفرہ الفقھاء وبدّعہ المتکلمون وھو الاحوط۔ وان زعم بالبدء علی اللّٰہ تعالیٰ۔ او ان القرأن الموجود ناقص حرّفہ الصحابۃ او غیرھم۔ او ان المومنین او غیرہ من الائمۃ الطاھرین افضل عند اللّٰہ من الانبیاء السابقین صلی اللّٰہ تعالی علیھم وسلم اجمعین ۔ کما تفصح بہ رفضۃ بلادنا ونص علیہ مجتھد ھم فی عصرنا فھو کافر قطعاً وحکمہ حکم المرتدین کمافی "الھندیۃ" عن "الظھیریۃ" وفی "الحدیقۃ الندیۃ" وغیرھا من الکتب الفقھیّۃ وقد فصلنا القول فی ذلک فی رسالتنا "المقالۃ المفسرۃ عن احکام البدعۃ المکفرۃ۔"

رافضی اگر امیر المؤمنین علی کو شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تفضیل دے تو بدمذہب ہے جیسا کہ خلاصہ وعالمگیری وغیرہما میں ہے ۔ اور اگر شیخین یا ان میں ایک کی خلافت کا منکر ہو تو فقہا اسے کافر کہتے ہیں اور متکلمین صرف بدمذہب بتاتے ہیں اور اسی قول میں احتیاط زیادہ ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ پر کوئی حکم دے کر پشیمان ہونے کا گمان کرے یا یہ قرآن موجود ناقص ہے اس میں صحابہ خواہ کسی اور نے تحریف کر دی یا یہ کہ امیر المومنین خواہ ائمہ طاہرین سے کسی کو اللہ عزوجل کے نزدیک انبیائے سابقین علیہم الصلوۃ والسلام سے افضل بتائے جیسا کہ ہمارے ملک کے رافضی صاف صاف کہتے ہیں اور ہمارے زمانے میں ان کے مجتہد نے اس کی تصریح کر دی، تو وہ یقیناً کافر ہے، اور اس کا وہی حکم ہے جو مرتدوں کا ہے جیسا کہ عالمگیری میں فتاویٰ ظہیریہ سے اور حدیقہ ندیہ وغیرہ کتب فقہیہ میں ہے۔[۹]

آج کی تاریخ میں روافض زمانہ تبرائی کے ساتھ علی العموم منکران ضروریات دین ہیں اور سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ منکر ضروریات دین کافر و مرتد ہیں، علمائے اعلام فرماتے ہیں: من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر۔[۱۰] جو ان کے کفر و عذاب میں شک کرے خود کافر ہے، اور بہت عقائد کفریہ کے علاوہ دو کفر صریح میں کہ اُن کے عامی عالم جاہل مرد و زن چھوٹے بڑے سب اس میں شریک ہیں۔ لکھتے ہیں:

''روافض زمانہ صرف تبرائی نہیں، بلکہ یہ تبرائی علی العموم منکران ضروریات دین اور باجماع مسلمین یقیناً قطعاً کفار مرتدین ہیں، یہاں تک کہ علمائے کرام نے تصریح فرمائی کہ جو انہیں کافر نہ جانے خود کافر ہے، بہت عقائد کفریہ کے علاوہ دو کفر صریح میں کہ اُن کے عامی عالم جاہل مرد و زن چھوٹے بڑے سب بالاتفاق گرفتار ہیں۔

کفر اول: قرآن عظیم کو ناقص بتاتے ہیں، کوئی کہتا ہے اس میں سے کچھ سورتیں **امیر المومنین عثمان غنی ذوالنورین** یا دیگر صحابہ یا اہلسنت رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے گھٹا دیں۔ کوئی کہتا ہے کچھ لفظ بدل دیے، کوئی کہتا ہے یہ نقص وتبدیل اگر چہ یقینا ثابت نہیں محتمل ضرور ہے اور جو شخص قرآن مجید میں زیادت یا نقص یا تبدیلی کسی طرح کے تصرف بشری کا دخل مانے یا اسے محتمل جانے بالاجماع کافر مرتد ہے کہ صراحۃً **قرآن عظیم** کی تکذیب کر رہا ہے، اللہ عزوجل **سورۂ حجر** میں فرماتا ہے:

انا نحن نزلنا الذکر وانّا له لحافظون۔ (ترجمہ) **بیشک** ہم نے اتارا قرآن اور **بیشک بالیقین** ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

(اس آیت کے تحت) **بیضاوی شریف** مطبع لکھنو ص ۴۲۸ میں ہے: لحفظون ای من التحریف والزیادۃ **والنقص**۔ (ترجمہ) تبدید وتحریف اور کمی بیشی سے حفاظت کرنے والے ہیں۔

جلالین شریف (ص ۲۱۱/اصح المطابع دہلی) میں ہے: لحفظون من التبدیل والتحریف والزیادۃ والنقص۔ (ترجمہ) **یعنی حق** تعالیٰ فرماتا ہے ہم خود اُس کے نگہبان ہیں اُس سے کہ کوئی اُسے بدل دے یا اُلٹ پلٹ کردے یا کچھ بڑھا دے یا گھٹا دے۔

جمل مطبع مصر جلد ۲ ص ۵۶۱ میں ہے: بخلاف سائر الکتب المنزلۃ فقد دخل فیھا التحریف والتبدیل بخلاف القراٰن فانه محفوظ عن ذلک لایقدر احد من جمیع الخلق الانس والجن ان یزید فیه او ینقص منه حرفاً واحد او کلمة واحدۃ ۔(ترجمہ) **یعنی** بخلاف اور کتب آسمانی کے کہ اُن میں تحریف وتبدیل نے دخل پایا، اور قرآن اس سے **محفوظ** ہے، تمام مخلوق جن وانس کسی کی جان نہیں کہ اس میں ایک لفظ یا ایک حرف بڑھا دیں یا کم کردیں۔

کفر دوم: ان کا ہر متنفس **سیدنا امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم** ودیگر ائمہ طاہرین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو حضرات عالیات انبیائے سابقین علیہم الصلوۃ والتحیات سے **افضل** بتاتا ہے، اور جو کسی غیر نبی کو نبی سے **افضل** کہے باجماع مسلمین کافر بے دین ہے۔ **شفاء شریف** ص ۳۶۵ میں انہی اجماعی کفروں کے بیان میں ہے:

وکذلک نقطع بتکفیرہ غلاۃ الرافضۃ فی قولھم ان الائمة افضل من الانبیاء۔ (ترجمہ) اور اسی طرح ہم **یقینی** کافر جانتے ہیں اُن غالی رافضیوں کو جو ائمہ کو انبیاء سے **افضل** بتاتے ہیں۔ مختصراً [۱۱]

غالی رافضی جو مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو معاذ اللہ خدا مانتے ہیں، یا کہتے ہیں کہ نبوت ان کے لیے تھی جبرئیل نے غلطی کی اور اسی طرح کی اور باتیں جو کفری ہیں، قطعاً یقینا اجماعاً کافر ومرتد ہیں۔ جو کوئی ان کے کفر میں ذرا شک وشبہ رکھے وہ بھی بالیقین کافر ہے، علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ **"شفاء شریف"** میں لکھتے ہیں۔

"ولھذا نکفر من لم یکفر من دان بغیر ملۃ المسلمین من الملل، ووقف فیھم او شک او صحح مذھبھم وان اظھر مع ذلک الاسلام واعتقدہ ابطال کل مذھب سواہ فھو کافر باظھارہ ما اظھر من خلاف ذلک" [۱۲]

ہم اسی واسطے کافر کہتے ہیں ہر اس شخص کو جو کافروں کو کافر نہ کہے، یا ان کی تکفیر میں توقف کرے یا شک کرے یا ان کے مذہب کی تصحیح کرے اگر چہ اس کے ساتھ اپنے آپ کو مسلمان جتاتا اور اسلام کی حقانیت اور اس کے سوا ہر مذہب کے باطل ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو

کہ وہ اس کے خلاف اس اظہار سے کہ کافر کو کافر نہ کہا خود کافر ہے۔

علامہ ابراہیم حلبی غنیۃ شرح منیۃ المصلی میں رقم طراز ہیں:

”والمراد بالمبتدع من یعتقد شیئاً علیٰ خلاف ما یعتقدہ اھل السنۃ والجماعۃ، وانما یجوز الاقتداء بہ مع الکراھۃ اذالم یکن ما یعتقدہ یؤدی الی الکفر عند اھل السنۃ۔ اما لو کان مؤدیا الی الکفر فلا یجوز اصلاً کالغلاۃ من الروافض الذین یدعون الالوھیۃ لعلی رضی اللہ عنہ او ان النبوۃ کانت لہ فغلط جبرئیل ونحو ذلک مما ھو کفر، وکذا من یقذف الصدیقۃ او ینکر صحبۃ الصدیق او خلافتہ او یسب الشیخین“[۱۳]

بدمذہب سے مراد وہ جو کسی بات میں اہلسنت و جماعت کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو اور اس کی اقتداء کراہت کے ساتھ اس حال میں جائز جب اس کا عقیدہ اہلسنت کے نزدیک کفر تک نہ پہنچا تا ہو، اگر کفر تک پہنچائے تو اصلاً جائز نہیں جیسے غالی رافضی کہ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو خدا کہتے ہیں یا یہ کہ نبوت ان کے لیے تھی جبرئیل نے غلطی کی، اور اسی قسم کی اور باتیں کہ کفر ہیں۔ اور یوں ہی حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو معاذ اللہ اس تہمت ملعونہ کی طرف نسبت کرے یا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت یا خلافت کا انکار کرے یا شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو برا کہے۔☆☆☆

مصادر و مراجع

[۱] تحفۂ اجمیریہ ص ۹، ۱۰ مطبوعہ قادری مشن اتر دیناج پور و شاخ سورت۔ [۲] سیما نچل: کل اور آج ص ۱۸۔ [۳] تحفۂ اجمیریہ ص ۱۰۔ [۴] حیات اعلیٰ حضرت جلد دوم ص ۱۴۶ ترتیب جدید از مفتی مطیع الرحمن رضوی زید شرفہ۔ [۵] مذکورہ حوالہ۔ [۶] حیات اعلیٰ حضرت جلد دوم ص ۲۰۶، ۲۰۷ ترتیب جدید۔

نوٹ: یہاں حیات اعلیٰ حضرت ترتیب جدید جلد دوم ص ۲۰۶ پر سہو قلم سے چھ کی جگہ سات ہو گیا ہے، جس کی وجہ سے شمار کرنے میں بھی ایک کتاب کا ذکر دوبارہ آ گیا ہے جس کا نام رد روافض میں آ چکا ہے، بعد میں وہی سہو حیات رضا مرتبہ علامہ حنیف خان رضوی بریلوی زید علمہ میں بھی درج ہو گیا ہے۔ البتہ اِس میں ایک کتاب کا مزید اضافہ ہے جس کا نام ”**منتھی التفصیل لمبحث التتفضیل**“ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منہ قادری

[۷] حیات رضا حصہ دوم ص ۲۷۱ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف۔ [۸] تحفۂ اجمیریہ ص ۶۔ [۹] فتاویٰ رضویہ ج ۲۰ ص ۳۶۰/ امام احمد رضا اکیڈمی۔ [۱۰] درمختار مع شامی ج ۶ ص ۳۵۶ باب المرتد۔ [۱۱] ردالرفضہ ص ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۲۔ [۱۲] شفا شریف ص ۳۶۲ بحث اجماعی کفر۔ [۱۳] غنیۃ شرح منیہ ص ۴۴۳ دارالکتاب دیوبند۔

[امام احمد رضا دارالافتاء قادری مشن اتر دیناج پور و شاخ شالیمار پارک اون سورت]

تراجمِ قرآن میں کنز الایمان کی امتیازی خصوصیات

مولانا طفیل احمد مصباحی

ترجمہ نگاری ایک مستقل فن ہے جو تصنیف و تالیف سے زیادہ دشوار اور دقت طلب فن ہے۔ کسی بھی زبان کا ادیب، مصنف اور نثر نگار اپنی زبان میں بڑی آسانی کے ساتھ اپنے مافی الضمیر کا اظہار کر لیتا ہے، لیکن دوسری زبان کے علمی و ادبی سرمایے کو اپنی زبان میں منتقل کرتے وقت اس کو بہت ساری مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جس کا اندازہ ایک مترجم ہی لگا سکتا ہے۔ لغت کی مدد سے ایک زبان سے دوسری زبان میں لفظ بہ لفظ ترجمہ کر دینا یا اصل کے مفہوم کی ترجمانی کر دینا حقیقتاً ترجمہ نگاری نہیں۔ ترجمہ کا کمال یہ ہے کہ اس میں اصل کی روح سرایت کر جائے اور ترجمہ پر اصل کا گمان گذرے۔ ترجمہ کی اہمیت و افادیت اور اس کی علمی، ادبی، سماجی اور تمدنی ضرورتوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کے لیے ترجمے کا سہارا لینا انسان کی بنیادی ضروریات میں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عالمی سرگرمیوں میں سے ایک عظیم سرگرمی ترجمہ نگاری بھی ہے۔ دو اجنبی ملک ترجمہ نگاری کی بدولت ہی ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں اور اپنے تجارتی تعلقات استوار کرتے ہیں۔ ترجمہ نگاری عہدِ قدیم سے رائج ہے۔ اردو میں مختلف زبانوں سے تراجم کا آغاز عہدِ مغلیہ سے ہو چکا تھا اور سولہویں صدی عیسوی بلکہ اس سے قبل ہی اردو ترجمہ کا کام شروع ہو چکا تھا۔ ترجمہ نگاری کے اسباب و محرکات یہ ہیں: مذہبی ضرورت اور دعوتی و تبلیغی تقاضے، ترقی یافتہ اقوام کی تہذیب، علوم و فنون اور ادبیاتِ عالم سے آگاہی کی فطری خواہش، زبان و ادب کی ترقی و توسیع، اقتصادی، معاشی، سیاسی اور صحافتی ضروریات۔ ترجمہ کے مختلف طریقے ہیں: لفظی ترجمہ، آزاد ترجمہ، تخلیقی ترجمہ وغیرہ۔ سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں اردو نثر و نظم میں درجنوں تراجم وجود میں آئے۔ انیسویں صدی میں فورٹ ولیم کالج اور دہلی کالج سے تراجم نگاری کے فن کو مزید فروغ حاصل ہوا۔ ۱۹۰۳ء میں انجمن ترقی اردو، دہلی کا قیام عمل میں آیا، جس کے تحت مغربی زبانوں، عربی، فارسی اور سنسکرت سے اردو میں متعدد کتابوں کے ترجمے ہوئے۔ اسی طرح دار الترجمہ عثمانیہ، حیدرآباد کے زیرِ اہتمام مختلف موضوعات پر تقریباً ساڑھے چار سو کتابیں اردو میں ترجمہ کی گئیں۔ حضرت شاہ عبد القادر دہلوی اور حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی نے پہلی بار قرآن شریف کا اردو میں ترجمہ کیا۔ غرض کہ اردو زبان میں ترجمہ نگاری کی رفتار دن بدن سے تیز سے تیز تر ہوتی گئی، جس سے ترجمہ نگاری کی اہمیت و ضرورت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ترجمہ نگاری کے آغاز و ارتقا کو سمجھنے کے لیے یہ اقتباس ملاحظہ کریں:

اردو ادب کے ابتدائی عہد میں بہت بڑی تعداد میں فارسی، عربی اور سنسکرت سے اردو نثر میں ترجمے کیے گئے۔ یہ ترجمے مذہب، تصوف، شاعری، داستانیں، ہیئت اور فلسفہ کی کتابوں کے تھے۔ ان کتابوں کی تفصیل بیان کرنے کے لیے ایک پوری کتاب کی ضرورت ہوگی۔ یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ اردو میں پہلا ترجمہ کون سا ہے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ شاہ میراں جی خدا نمانے ابو

الفضائل عبداللہ بن محمد عین القضا ہمدانی کی تصنیف ''تمہیداتِ ہمدانی'' کا عربی سے اردو میں جو اردو ترجمہ کیا تھا، وہ اردو کا پہلا ترجمہ ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ ملا وجہی نے پہلی بار شاہ جی نیشا پوری کی فارسی تصنیف ''دستورِ عشاق'' کا اردو میں ''سب رس'' کے نام سے ترجمہ کیا۔ ۱۷۰۴ء میں شاہ ولی اللہ قادری نے شیخ محمود کی فارسی تصنیف ''معرفت السلوک'' کا اردو میں ترجمہ کیا۔ اٹھارہویں صدی عیسوی کے اوائل میں سید محمد قادری کی فارسی تصنیف ''طوطی نامہ'' کا ترجمہ ہوا۔ تقریباً اسی زمانے میں فضل علی فضلی نے ملا حسین واعظ کاشفی کی فارسی کتاب ''روضۃ الشہدا'' کا اردو میں ''کربل کتھا'' کے نام سے ترجمہ کیا۔ ان ترجموں کے بارے میں یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ ترجمہ باقاعدہ ترجمہ نہیں بلکہ کتابوں کی تلخیص یا آزاد ترجمہ ہوتے تھے۔ ان میں ترجمہ نگاری کے ان سائنٹفک اصولوں کی پابندی نہیں کی جاتی جو اچھے ترجموں کے لیے ضروری ہیں۔ عیسائیوں نے جب ہندوستان میں تاجروں کی حیثیت سے قدم رکھا تو ان کے مبلغین نے اپنی مذہبی کتابیں ترجمہ اور تالیف کر کے شائع کیں۔ اٹھارہویں صدی کے وسط میں انھوں نے توریت اور انجیل کے اردو ترجمے شائع کیے، جس کا ترجمہ بنجمن شولٹز (BenjamainSchultze) نے کیا تھا۔ اس کے بعد شولٹز نے کتاب دانیال کا اردو ترجمہ شائع کیا۔ ان تمام کتابوں کی فہرست سی اے گیر یرسن نے اپنی کتاب ''ہندوستان کا لسانی جائزہ'' جلد نہم میں دی ہے۔ اردو میں قرآن شریف کا پہلا ترجمہ مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی نے کیا۔ یہ ترجمہ لفظی تھا۔ یعنی قرآن شریف کے ہر لفظ کا اس طرح ترجمہ کیا گیا کہ اردو فقروں کی ساخت بالکل بدل گئی۔ اس ترجمے میں سلاست اور روانی نہ ہونے کی وجہ سے اصل مفہوم سمجھنا مشکل تھا۔ شاہ رفیع الدین نے یہ ترجمہ ۱۷۷۶ء میں کیا تھا۔ تقریباً انیس سال بعد یعنی ۱۷۹۵ء میں شاہ رفیع الدین کے چھوٹے بھائی شاہ عبدالقادر دہلوی نے بھی قرآن شریف کا اردو میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ پہلے ترجمے کے مقابلے میں سلیس، شگفتہ اور آسانی سے سمجھ میں آنے والا تھا۔ اب تک اردو میں دیگر زبانوں سے جتنے تراجم ہوئے تھے، وہ انفرادی کوششوں کا نتیجہ تھے۔ فورٹ ولیم کالج پہلا ادارہ تھا، جس نے منظم اور باقاعدہ طریقے پر عربی، فارسی اور سنسکرت سے اردو میں ترجمے کیے۔ [فن ترجمہ نگاری، ص: ۱۱ تا ۱۲، مطبوعہ: انجمن ترقی اردو، نئی دہلی]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ اور کنز الایمان:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی قدس سرہ اپنے وقت کے مجدد، پچاس سے زائد علوم وفنون کے متبحر عالمِ دین، تقریباً ایک ہزار کتب و رسائل کے مایۂ ناز مصنف، متکلم، فقیہِ اسلام، محدث، مفسر، قادر الکلام شاعر اور عربی، فارسی و اردو زبان کے ممتاز ادیب تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شاعری ونثر نگاری کی طرح ان کے ترجمۂ قرآن ''کنز الایمان'' میں زبان و بیان اور ترجمہ وتفسیر کا حسن علی وجہ الکمال پایا جاتا ہے۔ ایک مترجمِ قرآن اور مفسرِ قرآن کے لیے جن اساسی علوم کی ضرورت ہوا کرتی ہے، وہ امام موصوف میں بدرجۂ اتم موجود تھے۔ ترجمۂ قرآن وتفسیرِ قرآن پاک کے حوالے سے علمائے علم تفسیر نے چار اصول کی نشاندہی فرمائی ہے: (۱) تفسیر القرآن بالقرآن (۲) تفسیر القرآن بالحدیث (۳) تفسیر القرآن بآثار الصحابة و التابعين (۴) تفسير القرآن باللغة العربية و القواعد الاسلامية۔ کنز الایمان کا تجزیاتی مطالعہ کرنے والوں پر مخفی نہیں کہ اعلیٰ حضرت کا یہ ترجمۂ قرآن علمائے

مفسرین کے بیان کردہ اصول وضوابط کے عین مطابق ہے۔علامہ غلام رسول سعیدی کے بقول: اس ترجمہ میں اردو، عربی کے اسلوب میں رنگی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔اگر قرآن مجید اردو میں اترا ہوتا تو یہ عبارت اس کے قریب تر ہوتی اور جو فصاحتِ زبان سے آشنا ہو، اسے کہنا پڑے گا کہ اس ترجمہ میں زبان و بیان کی بلاغت اعجاز کی سرحدوں کو چھوتی معلوم ہوتی ہے اور مولانا کوثر نیازی تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ ''امام احمد رضا نے عشق افروز اور ادب آموز ترجمہ کیا ہے۔۔۔کنز الایمان روح پرور ترجمہ، عشقِ رسول کا خزینہ اور معارف اسلامی کا گنجینہ ہے''۔اردو تراجمِ قرآن میں کنز الایمان بہت ساری امتیازات وخصوصیات کی حامل ہے، جن میں چند یہ ہیں:

لفظی و با محاورہ ترجمہ کا حسنِ امتزاج: ''کنز الایمان'' ایک اسم بامسمّٰی ترجمہ ہے۔یہ کنز الایمان بھی ہے اور کنز الادب و الترجمۃ بھی۔یہ ترجمہ نہ محض لفظی ہے اور نہ صرف با محاورہ، بلکہ لفظی اور با محاورہ ترجمے کا حسنِ امتزاج اس کی سطر سطر سے نمایاں ہے۔

کنز الایمان کے لفظی و معنوی محاسن کا اندازہ مندرجہ ذیل مثالوں سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے: (۱) ذالک الکتاب لا ریب فیہ۔

مولوی محمود الحسن دیوبندی اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ ''اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔''اور مولوی اشرف علی تھانوی اس کا ترجمہ یوں لکھتے ہیں: یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں''۔اس آیت میں جو کلمہ نفی ''لا'' ہے، وہ لائے نفی جنس ہے، جو اپنے مدخول سے حکم کی نفی کرتا ہے۔عربی محاورہ کے مطابق یہاں جنسِ ریب (شک) کی نفی ہے اور لفظ ''فی'' کا مدخول ظرفی ہوتا ہے کبھی زمان کے لیے اور کبھی مکان کے لیے تو اب آیت کا معنی یہ ہوگا کہ ''قرآن مجید جنسِ ریب کا محل نہیں بنا''۔جس کا مفہوم اور خلاصہ یہ ہوا کہ قرآنِ مقدس میں کسی نے شک نہیں کیا۔حالاں کہ قرآن کریم کی دوسری آیت میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ قرآن محلِ ریب بنا ہے اور کفار و مشرکین نے اس کی آیتوں میں شک کیا ہے۔جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا یہی وہ اشکال تھے جسے دور کرنے کے لیے علامہ تفتازانی نے ''مطول'' اور علامہ بیضاوی نے تفسیرِ بیضاوی میں لمبی چوڑی عبارتیں تحریر کی ہیں۔لیکن امام احمد رضا قدس سرہ نے اتنی مہارت و نفاست کے ساتھ زیرِ نظر آیت کا ترجمہ کیا ہے کہ مذکورہ اشکال رفع ہو گیا ہے۔آپ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: وہ بلند مرتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں۔''ذالک'' جو اشارہ بعید کے لیے آتا ہے اور اشارہ بعید ''وہ'' کا معنی رکھتا ہے۔یہاں امام موصوف نے ''ذالک الکتاب'' کا ترجمہ ''وہ بلند رتبہ کتاب'' کر کے عبارت کا حسن بڑھا دیا ہے اور کتاب اللہ کی عظمت و حقانیت میں چار چاند لگا دیا ہے۔

قرآنِ مقدس سراپا معجزہ ہے اور اس کے وجوہِ اعجاز میں سے ایک نمایاں وجہ اس کا منفرد اور جداگانہ اسلوبِ بیان ہے۔ چنانچہ احمد حسن الزیات رقم طراز ہیں: من قائل أنہ الفصاحۃ الرائعۃ المذہب الواضح و الأسلوب الموثق ونحن الی ہذا الرأی أمیل، فان القوم الذین تحدوا بہ لم یکونوا فلاسفۃ و لا فقہاء حتی یکون عجزہم عن الاتیان بمثلہ معجزۃ، انما کانوا بلغاء مصادع و خطباء مصاقع و شعراء فحولاً، وفی القرآن من دقۃ التشبیہ والتمثیل و بلاغۃ الاجمال والتفصیل و روعۃ الأسلوب و قوۃ الحجاج ما یعجز طوق البشر و یرمی المعارضین بالسّکات والحصر۔[تاریخ الادب العربی، ص: ۸۹]

یعنی بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن میں شاندار فصاحت، واضح فکر ونظریہ اور مستحکم اسلوب پائے جاتے ہیں۔ میری بھی یہی رائے ہے۔ کیوں کہ قرآن کے ذریعے جس قوم کو للکارا گیا اور چیلنج کیا گیا، وہ نہ تو منطقیانہ موشگافیوں سے واقف تھے، نہ ہی فہم وفراست کے حامل کہ ان کا اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز رہنا معجزہ ہوتا، ہاں وہ میدانِ بلاغت کے ہیرو، بلند پایہ مقرر اور قادر الکلام شاعر تھے۔ نیز قرآن میں دقیق تشبیہ وتمثیل، ایجاز واطناب، حسین اسلوب اور قوت استدلال نے انسانی قوت کو درماندہ کر دیا اور مخالفین پر سکتہ طاری کر دیا۔

اس صداقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جملہ آسمانی والہامی کتابوں میں قرآنِ مقدس وہ واحد کتاب ہے، جو ہر جہت سے بے مثل اور لاجواب ہے۔ اس کے معانی، مفاہیم، طریقۂ تبشیر وانذار، اسالیبِ بیان، اندازِ تخاطب، تمثیلات، غرض کہ جس زاویے سے دیکھا جائے، اس کی انفرادیت نمایاں ہے۔ قرآن مقدس کا اسلوب نہایت دلکش، دلنشیں، منفرد اور جداگانہ حیثیت کا حامل ہے۔ حسنِ کلام، شکوہِ بیان، انتخابِ الفاظ اور مضامین میں ربط وتسلسل قرآنی اسلوب کی چند ایسی خصوصیات ہیں، جنہیں نہ تو لفظی ترجمہ اپنے اندر سمو سکتا ہے اور نہ ہی بامحاورہ ترجمہ۔ قرآن کے منفرد اور جداگانہ اسلوبِ بیان کے لیے ایسے ہی منفرد اور جداگانہ ترجمے کی ضرورت ہے، جس میں لفظی اور بامحاورہ ترجمہ کی بیک وقت دونوں خصوصیات موجود ہوں۔ اردو تراجمِ قرآن میں کنزالایمان وہ واحد ترجمہ ہے، جس میں قرآن کے منفرد اور مخصوص اسلوب کی ترجمانی دیکھنے کو ملتی ہے۔ پروفیسر طاہر القادری کے بقول:

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز وہ واحد شخصیت ہیں، جنہوں نے ''کنزالایمان'' کے نام سے قرآنِ حکیم کا ایسا ترجمہ کیا ہے جو لفظی ترجمہ کے نقائص سے بھی مبرا ہے اور بامحاورہ ترجمہ کی کمزوریوں سے بھی پاک ہے۔ آپ نے قرآنی عبارات کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ قاری اسے پڑھ کر حتی الوسع ہر لفظ کا معنی بھی سمجھ سکتا ہے اور قرآن کے حقیقی مراد اور مفہوم تک بھی بآسانی رسائی پا لیتا ہے۔ کنزالایمان نہ تو قدیم اسلوب کے اعتبار سے محض لفظی ترجمہ ہے اور نہ ہی جدید اسلوب کے لحاظ سے فقط بامحاورہ۔ کنزالایمان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے لفظی ترجمے کے محاسن کے حوالے سے قرآن کے ہر ہر لفظ کا مفہوم اس طرح واضح کر دیا ہے کہ اسے پڑھ لینے کے بعد کسی لغت کی طرف رجوع کرنے کی حاجت نہیں رہتی اور بامحاورہ ترجمہ کے محاسن کو بھی اس خوبی و کمال کے ساتھ اپنے اندر سمو لیا ہے کہ عبارت میں کسی قسم کا بوجھ یا ثقل محسوس نہیں ہوتا۔ [کنزالایمان کی فنی حیثیت، ص: ۱۰ تا ۱۱ ناشر: منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور]

(۲) و یعلمک من تاویل الاحادیث۔ اس کا بامحاورہ ترجمہ بالعموم یہ کیا جاتا ہے کہ اللہ تجھے خوابوں کی تعبیر سکھا دے گا۔ اسی طرح لفظی ترجمہ کرنے والوں نے بھی ''تاویل الاحادیث'' کا ترجمہ کچھ اس طرح کیا ہے کہ بات واضح نہیں ہوتی۔ اس طرح دونوں طرح کے تراجم (لفظی و بامحاورہ) سے لفظ ''تاویل'' کا معنی واضح نہ ہو سکا اور یہ پتہ نہیں چل سکا کہ ''تاویل'' کسے کہتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی اس کا ترجمہ کچھ اس طرح کرتے ہیں: ''اور (تیرا رب) تجھے باتوں کا انجام نکالنا سکھائے گا''۔ آپ نے ''احادیث'' کا ترجمہ ''باتوں'' سے کیا ہے۔ کیوں کہ حدیث ''بات'' کو کہتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے تاویل

کا معنی: ''انجام نکالنا'' کیا ہے۔قرآن پاک کے ترجمہ کی پوری تاریخ میں یہ ایسا منفرد ترجمہ کہیں نظر نہیں آتا۔ایک مجدد کا قلمِ اعجاز رقم ہی ایسا منفرد، معنی خیز اور بلیغ ترجمہ کرسکتا ہے۔

اب رہا یہ دعوی کہ تاویل کا وہی معنی راجح ہے، جو امام موصوف نے کیا ہے، تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ لغت کی رو سے تاویل مشتق ہے ''اول'' سے اور ''اول'' کا معنی ہے: ''رد الشئی الی الغایۃ المرادۃ منہ'' یعنی کسی چیز کا غایتِ مقصودہ یعنی انجام کی طرف لوٹ آنا۔ اسی کو ''تاویل'' کہتے ہیں۔لہذا تاویل کا مطلب انجام نکالنا، انجام سے باخبر ہونا، مقصودِ اصلی سے مطلع ہونا ہے اور امام موصوف نے ''من تاویل الاحادیث'' کا جو ترجمہ ''باتوں کا انجام نکالنا'' کیا ہے، وہ عربی قواعد و لغت کے عین مطابق ہے۔اربابِ تفسیر اور علماے لغت نے اس کا یہی معنی متعین کیا ہے۔نیز مذکورہ ترجمہ لفظی بھی ہے اور با محاورہ بھی۔ بامحاورہ اس طرح کہ اس میں لفظی ترجمے کا کوئی جھول نہیں پایا جاتا۔اس ترجمہ سے نہ عبارت کی روانی متاثر ہوئی ہے اور نہ تسلسل ٹوٹا ہے۔نہ کہیں عبارت میں سقم پیدا ہوا ہے اور نہ مضمون کا نظم مضمحل ہوا ہے۔یوں اس ترجمے میں لفظی اور بامحاورہ ترجموں کا حسن کمال خوبی کے ساتھ یکجا کر دیا گیا ہے۔

قرآن کے تفسیری اور معنوی پہلوں کا التزام:

ترجمۂ قرآن یا پھر کسی بھی فن کی کتاب کے ترجمے کا مقصد یہ ہوا کرتا ہے کہ اس کے مفہوم اور معنی مراد تک رسائی حاصل کی جائے اور مطلوب و مقصود کو اچھی طرح سمجھا جائے۔''کنز الایمان'' کا ایک امتیازی وصف یہ بھی ہے کہ اس میں بعض مقامات پر قرآن کے معنوی پہلو یا مرادی تفسیر کا التزام کیا گیا ہے تا کہ قرآن کا معنوی پہلو اولِ نظر میں واضح ہو جائے اور قاری کو ترجمہ کے بعد دیگر کتبِ تفاسیر کی جانب رجوع نہ کرنا پڑے۔قرآن مقدس کے معنوی پہلوں کی تفہیم کے لیے سورہ رحمن شریف کی ابتدائی چار آیتوں کا یہ ترجمہ ملاحظہ کریں، جو امام احمد رضا کے قلم سے معرضِ وجود میں آیا ہے: الرحمن، علم القران، خلق الانسان، علمہ البیان، ترجمہ: رحمن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔انسانیت کی جان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا۔ ما کان و ما یکون کا بیان انہیں سکھایا۔اس کے برعکس دیگر مترجمین نے مذکورہ آیات کا ترجمہ کچھ اس طرح کیا ہے: (۱) رحمن نے قرآن کی تعلیم دی۔اس نے انسان کو پیدا کیا، پھر اس کو گویائی سکھائی۔ (۲) رحمن نے قرآن پڑھایا، اس نے انسان کو پیدا کیا۔ پھر اس کو بولنا سکھایا۔ (۳) بڑے رحم والے خدا نے قرآن محمد کو سکھایا۔اسی نے آدم کو پیدا کیا، اس کو بولنا سکھایا۔ (۴) نہایت مہربان خدا نے اس قرآن کی تعلیم دی۔اس نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا۔

اعلی حضرت قدس سرہ نے سورہ رحمن کی ان آیات کے مرادی ترجمے میں جس تفسیری مہارت کا ثبوت دیا ہے، اسے لغت و تفاسیر کے تناظر میں دیکھنا ضروری ہے۔متعدد مفسرین نے ''خلق الانسان'' سے انسانیت کی جان اور انسان کا فردِ کامل حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی مراد لیا ہے۔ چنانچہ تفسیرِ قرطبی میں ہے: و عن أبن عباس أیضا و أبن کیسان: الانسان ہاہنا یراد بہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، والبیان بیان الحلال من الحرام، والہدی من الضلال، و قیل: ما کان و ما یکون؛ لأنہ یبین عن الأولین والآخرین و یوم الدین۔[تفسیر قرطبی، جلد: ۱۷، ص: ۱۵۲، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

تفسیرِ خازن میں ہے: وقیل أراد بالانسان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم، علمہ البیان یعنی بیان ما یکون وما کان، لأنہ صل اللہ علیہ وآلہ وسلم ینبئی عن خبر الأولین والآخرین وعن یوم الدین، وقیل: علمہ بیان الأحکام من الحلال والحرام والحدود والأحکام [تفسیرِ خازن، الجز الرابع، ص: ۲۲۵ مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت]

صوتی حسن:

اعجازِ قرآنی پر نظر رکھنے والے علمائے کرام اس حقیقت سے خوب واقف ہیں کہ قرآن مقدس کے اسلوبِ بیان میں ایک منفرد صوتی حسن، پر کیف نغمگی، سلاست و روانی اور وجد آفریں صوتی جمال پایا جاتا ہے۔صوتی حسن اور حلاوتِ کلام سے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ ''الفوز الکبیر'' میں تحریر فرماتے ہیں: آیات وابیات کے درمیان فرق کے سلسلے میں واضح اور فیصلہ کن بات جو کہی جاسکتی ہے، وہ یہ ہے کہ دونوں ایسے نغمے ہیں جو پڑھنے اور سننے والوں کے لیے لذت واہتزاز کا باعث بنتے ہیں۔۔۔

کلمہ کے آخر میں الف کا آنا بھی وسیع قافیہ ہے، جس کا اعادہ لذت بخش ہے، اگر چہ حرفِ روی مختلف ہو۔اس لیے کہیں ''کریما'' کہیں ''حدیثا'' اور کہیں ''بصیرا'' آتا ہے اور اگر حرفِ روی کی موافقت کا اس صورت میں التزام کیا جائے تو وہ از قبیلِ التزامِ مالا یلزم ہوگا۔جیسا کہ سورہ مریم وسورہ فرقان کے اوائل میں واقع ہے۔اسی طرح آیات کے اندر کسی ایک حرف کی موافقت مثلا: سورہ قتال میں م، اور سورہ رحمن میں ن کا بار بار آنا باعثِ فرحت ولذت ہوتا ہے۔اسی طرح کچھ کلام کے بعد کسی ایک جملہ کا اعادہ لذت بخش ہوتا ہے۔جیسا کہ سورہ شعراء وسورہ قمر وسور مرسلات میں۔کبھی ذہنِ سامع میں شگفتگی پیدا کرنے اور کلام کی لطافت اجاگر کرنے کے لیے سورت کے آخری حصے کے فواصل، اس کے اوائل سے مختلف ہوتے ہیں۔مثلا: سورہ مریم کے آخر میں اِدّا۔لقد جِئتم شیئا اِدا۔ اور ہدّا۔ وتخِر الجِبال ہدّا۔اور سور فرقان کے آخر میں سلاما اور کراما۔[الفوز الکبیر فی اصول التفسیر مترجم، ص: ۸۲ تا ۸۵، مطبوعہ: مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور]

اسی طرح آیتِ کریمہ: خذوہ فغلوہ ثم الجحِیم صلوہ ثم فِی سِلسِلِ ذرعہا سبعون ذِراعا فاسلکوہ۔بھی صوتی حسن اور حلاوتِ کلام کی ایک پر کیف اور بہترین مثال ہے۔صوتی حسن کی مثال گرتی آبشار سے دی گئی ہے کہ جس کے گرنے سے فضاں میں ترنم اور نغمگی بکھر جاتی ہے۔قرآن کے اس صوتی حسن اور دل پذیر اسلوبِ بیان کو اپنے ترجمے میں سمونے کا کام بھی وہی شخص کرسکتا ہے، جو اپنے وقت کا مجددِ اعظم، ادیبِ اعظم اور مترجمِ اعظم ہو اور جس کو تبحرِ علمی کے باعث ''اعلی حضرت'' جیسے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہو۔اس سلسلے میں سورہ تکویر کی مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں اور پھر اعلی حضرت کا ترجمہ دیکھیں، آپ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوجائیں گے کہ آیاتِ قرآنی میں جو صوتی حسن اور نغمگی وترنم ہے، اس کی جھلک اعلی حضرت کے ترجمے میں بدرجِ اتم موجود ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اِذا الشمس کُوِرت، واِذا النجوم انکدرت، واِذا الجِبال سیِرت، واِذا العِشار عُطِّلت، واِذا الوحوش حُشِرت، واِذا البِحار سُجِرت۔ واِذا النفوس زوّجت، واِذا الموءود ۃسُئلت، بِایِّ ذنب قُتِلت، واِذا

الصُّحفُ نُشِرت ،وِاِذا السَّمآ ءُکُشِطت و، اِذا الجحِیم سُعِّرت ،وِاِذا الجنّۃاُزلِفت ۔ترجمہ: جب دھوپ لپٹی جائے اور جب تارے جھڑ پڑیں اور جب پہاڑ چلائے جائیں اور جب تھکی اونٹیاں چھٹی پھریں اور جب وحشی جانور جمع کیے جائیں اور جب سمندر سلگائے جائیں اور جب جانوں کے جوڑ بنیں اور جب زندہ دبائی ہوئی سے پوچھا جائے کس خطا پر ماری گئی اور جب نامہ اعمال کھولے جائیں اور جب آسمان جگہ سے کھینچ لیا جائے اور جب جہنم بھڑکا یا جائے اور جب جنت پاس لائی جائے۔

ایجاز واختصار:

تراجمِ قرآن میں کنزالایمان کی امتیازی خصوصیات میں سے ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں ایجاز واختصار پایا جاتا ہے۔ ایجاز واختصار کلام کی ایک بڑی خوبی ہے، جس سے کلام کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں: (۱)واللہ یرزق من یشا بغیر حساب۔ اور خدا جسے چاہے بے گنتی دے۔(کنزالایمان) اور رزق اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں بے اندازہ دیتے ہیں۔(ترجمہ تھانوی)(۲)واللہ یھدی من یشا الی صراط مستقیم۔اور اللہ جسے چاہے سیدھی راہ دکھائے۔(کنز الایمان)اور اللہ جس کو چاہتے ہیں راہ راست بتاتے ہیں۔(ترجمہ تھانوی)(۳)واللہ لایھدی القوم الظّٰلمین۔اور اللہ ظالموں کو راہ نہیں دیتا ہے۔(کنزالایمان) اور جولوگ بے انصاف ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ نہیں دیتے۔(ترجمہ تھانوی)(۴)ولاتعثوا فی الارض مفسدین۔اور زمین میں فساد مچاتے مت پھرو۔(کنزالایمان) اور زمین میں فساد کرتے ہوئے حد سے مت نکلو۔(ترجمہ تھانوی)

مذکورہ بالا ترجموں پر غور کریں کہ مولوی اشرف علی تھانوی کے ترجموں کے مقابل امام احمد رضا محدث بریلوی کے ترجموں میں ایجاز واختصار کے علاوہ جامعیت،لسانی چاشنی اور معنوی حسن بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔

اطنابِ افادی:

علمِ معانی کی اصطلاح میں مخصوص فائدے کے لیے مطلب سے زیادہ الفاظ لانے کو''اطناب'' کہا جاتا ہے،اس کا مقابل ایجاز ہے۔ایجاز اور اطناب کا اثر مختلف ہوتا ہے۔اس لیے موقع کی مناسبت سے بعض اوقات ترجمہ وغیرہ میں ان دونوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔لیکن اس طور پر کہ ایجاز''دائرۂ مخل'' اور اطناب''سرحدِ ممل'' میں داخل نہ ہونے پائے۔اگر اطناب سے مقصود کسی امرِ ضروری کی وضاحت ہو اور یہ قاری وسامع کو ملولِ خاطر کرنے کا سبب نہ بنے تو اطناب ایک امرِ محمود ہے۔''کنزالایمان'' میں ایجاز و اختصار کے علاوہ تفہیمِ مطالب کی غرض سے''اطناب'' کی چاندنی بھی صفحہ قرطاس پر جگمگاتی نظر آتی ہے۔مثلا:(۱)زین للذین کفروا الحیا الدنیا ۔ترجمہ: کافروں کی نگاہ میں دنیا کی زندگی آراستہ کی گئی۔(۲)ان المنفقین یخدعون اللّٰہ وھو خادعھم ۔ترجمہ: بیشک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دینا چاہتے ہیں اور وہی انہیں غافل کر کے مارے گا۔(۳)قل ن کان للرحمن ولد فانا اول العابدین۔ترجمہ: تم فرماؤ بفرضِ محال رحمن کے کوئی بچہ ہوتا تو میں سب سے پہلے پوجتا۔(۴)ان ربی علی صراط مستقیم ۔ترجمہ: بیشک میرا رب سیدھے راستے پر ملتا ہے۔(۵)وعصی آدم ربہ فغوی۔ترجمہ: اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی۔

پہلی آیت میں ''نگاہ میں'' دوسری آیت میں ''اپنے گمان میں'' اور ''غافل کر کے مارے گا'' تیسری آیت میں ''بفرضِ محال ''چوتھی آیت میں ''ملتا ہے'' اور پانچویں آیت میں ''تو جو مطلب چاہا تھا'' کا اضافہ من قبیلہ اطناب ہے اور اس سے مقصود مقامِ الوہیت ومنصبِ رسالت کی پاس داری کے علاوہ ازالہ شبہات ہے، جو متعلقہ آیات سے وارد ہوتے ہیں۔

سلاست وروانی اور صفائی و برجستگی:

فصاحت و بلاغت، سلاست و روانی، سادگی اور صفائی و برجستگی بھی ''کنز الایمان'' کی ایک اہم ترین خصوصیت ہے۔ از اوّل تا آخر مکمل کنز الایمان کا مطالعہ کر جائیں، کہیں بھی آپ کو عبارت میں کسی قسم کا ثقل، جھول، تعقید اور سلاست و روانی کے خلاف بات نظر نہیں آئے گی۔ تفصیل سے قطعِ نظر صرف ایک مثال کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں: یبنی اقِمِ الصلوۃ وأمر بِالمعروفِ وانہ عنِ المنرِ واصبِر علی ما اصاب اِن ذلِ مِن عزمِ الامورِ .ولا تصعِر خدلِلناسِ ولا تمشِ فِی الارضِ مرحا اِن اللہ لا یحِب مختال فخور .واقصِد فِی مشیِ واغضض مِن صوتِ اِن انر الاصواتِ لصوت الحمِیر۔ ترجمہ: اے میرے بیٹے! نماز برپا رکھ اور اچھی بات کا حکم دے اور بری بات سے منع کر اور جو افتاد تجھ پر پڑے، اس پر صبر کر۔ بے شک یہ ہمت کے کام ہیں اور کسی سے بات کرنے میں اپنا رخسار کج نہ کر اور زمین پر اتراتا نہ چل، بے شک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اتراتا، فخر کرتا، اور میانہ چال چل اور اپنی آواز پست کر، بیشک سب آوازوں میں بری آواز گدھے کی ہے۔

شانِ الوہیت ومقامِ نبوت ورسالت کا پاس ولحاظ:

اردو تراجمِ قرآن میں ''کنز الایمان'' وہ واحد ترجمہ ہے جس میں شانِ الوہیت کا احترام بھی ملحوظ رکھا گیا اور عظمتِ نبوت و رسالت کا تقدس بھی پیشِ نظر رہے۔ شانِ الوہیت و مقامِ نبوت ورسالت کا پاس ولحاظ، ایک ایسی خوبی ہے جو کنز الایمان کو دیگر تراجمِ قرآن سے منفرد وممتاز کرتا ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ کے ترجمہ قرآن کے بارے میں استاد سعید بن عزیز یوسف زئی (امیر جمعیت برادرانِ اہلِ حدیث، پاکستان) تحریر کرتے ہیں: جہاں تک علمائے دیوبند کا تعلق ہے، وہ تو نہایت شد و مد سے اس کی مخالفت کرتے ہیں بلکہ تکفیر کرتے ہیں۔ مگر میں نہایت وضاحت کے ساتھ یہ کہوں گا کہ الٓمّٓ سے لے کر والناس تک ہم نے ''کنز الایمان'' میں نہ تو کوئی تحریف پائی ہے اور نہ ہی ترجمہ میں کسی قسم کی غلط بیانی کو پایا ہے۔ نہ ہی کسی بدعت اور شرک کرنے کا جواز پایا ہے، بلکہ یہ ایک ایسا ترجمہ قرآن مجید ہے کہ جس میں پہلی بار اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ جب ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے بیان کی جانے والی آیتوں کا ترجمہ کیا گیا ہے تو بوقتِ ترجمہ اس کی جلالت، علوت، تقدس وعظمت و کبریائی کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے۔ دیگر تراجم خواہ وہ اہل حدیث سمیت کسی بھی مکتبِ فکر کے علما کے ہوں، ان میں یہ بات نظر نہیں آتی ہے۔ اسی طرح وہ آیتیں جن کا تعلق محبوب خدا، شفیعِ روزِ جزا، سید الاولین والآخرین، امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے یا جن میں آپ سے خطاب کیا گیا ہے تو بوقتِ ترجمہ جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب نے یہاں پر بھی اوروں کی طرح صرف لفظی اور نحوی ترجمہ سے کام نہیں چلایا ہے، بلکہ صاحبِ وما ینطق عن الھوی اور ورفعنا لک ذکرک کے مقامِ عالی شان کو ہر جگہ ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ یہ ایک ایسی خوبی ہے جو

کہ دیگر تراجم میں بالکل ناپید ہے۔[مولانا احمد رضا خان اور ان کے معاصر علمائے اہلِ سنت کی علمی وادبی خدمات،ص: ۱۴، ناشر: تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی، پاکستان]

ذیل میں چند آیاتِ کریمہ پیش کی جاتی ہیں اور ان کے ساتھ دیگر مترجمین کے تراجم بھی لکھے جاتے ہیں، تاکہ شانِ الوہیت ومقامِ نبوت ورسالت سے متعلق امام موصوف کے محتاط فکر وقلم کا اندازہ لگایا جا سکے:

(۱) وأمروا مر اللّٰہ و اللّٰہ خیر الماکِرین۔مولانا محمود الحسن دیوبندی نے لکھا ہے: اور مکر کیا ان کافروں نے اور مکر کیا اللہ نے اور اللہ کا مکر سب سے بڑھ کر ہے۔مولانا وحید الزماں نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے: اور وہ اپنا داؤں کر رہے تھے اور اللہ اپنا داؤں کر رہا تھا اور اللہ سب داؤں کرنے والوں میں بہت داؤں کرنے والا ہے۔ اللہ رب العزت کی شانِ رفیع میں مکر اور داؤ جیسے بھونڈے اور غیر مہذب الفاظ کا استعمال کسی بھی اعتبار سے درست نہیں ہیں۔اب اعلیٰ حضرت کے محتاط قلم کا جلوہ دیکھیں: ان کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کی ہلاکت کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ بہتر تدبیر فرمانے والا ہے۔

(۲) اللّٰہ یستہزِء بِہِم۔مولانا محمود الحسن دیوبندی نے اس کا ترجمہ کیا ہے: اللہ ان سے ہنسی کرتا ہے۔مولانا وحید الزماں نے لکھا ہے: اللہ ان سے دل لگی کرتا ہے۔فتح محمد خاں جالندھری نے لکھا ہے: ان منافقوں سے اللہ ہنسی کرتا ہے۔مگر اعلیٰ حضرت کی ترجمہ نگاری کا یہ حسین منظر ملاحظہ فرمائیں: اللہ ان سے استہزا فرماتا ہے جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔

(۳) ما انت تدرِی ما الِکتاب ولا الِایمان۔مولانا محمود الحسن دیوبندی نے کہا: اے نبی! تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور کیا ہے ایمان۔اشرف علی تھانوی نے اس کا ترجمہ کیا ہے: آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا چیز ہے۔"نبی" کا معنی ہی ہوتا ہے: غیب کی خبر دینے والا، غیب کی باتیں بتانے والا۔پھر امام الانبیاء حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ کہنا کہ "ان کو ایمان کی خبر نہیں تھی"۔کس قدر توہین آمیز اور مضحکہ خیز ہے۔لیکن امام احمد رضا قدس سرہ نے جب اس آیت کا ترجمہ کیا تو نبوت ورسالت کے عظیم ترین مقام ومنصب کا خیال رکھتے ہوئے ترجمے کا حق ادا کر دیا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں: اس سے پہلے تم نہ کتاب جانتے تھے اور نہ احکام شرع کی تفصیل۔

(۴) قالوا تاللہ لفِی ضلالِ القدِیم۔مولانا محمود الحسن دیوبندی لکھتے ہیں: لوگ بولے قسم اللہ کی تو تو اسی قدیم غلطی میں ہے۔مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھا: وہ کہنے لگے کہ بخدا آپ تو اپنے اسی پرانے غلط خیال میں مبتلا ہیں۔یہ ترجمہ بھی شانِ رسالت ومقامِ نبوت کے منافی ہے۔اب اعلیٰ حضرت کا ایمانی تیور اور محتاط فکر ملاحظہ کریں، آپ لکھتے ہیں: بیٹے بولے: خدا کی قسم! آپ اپنی اسی پرانی خودرفتگی میں ہیں۔

بھاگلپور

امام احمد رضا کی معقولی فقاہت

مفتی محمد شہنواز نوری شفق مصباحی

فضل خداوندی اگر شامل حال نہ ہو تو منطق و فلسفہ تو کیا خود قران و حدیث سے بھی ہدایت نہیں مل سکتی حالانکہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ ہی ہدایت کا بنیادی سر چشمہ اور خدارسی و حق شناسی کا حقیقی ذریعہ ہیں بلکہ ایسی صورت میں دین سیکھ کر بھی آدمی بے دین ہو جاتا ہے۔ارشاد خداوندی ہے:{ یضل به کثیرا و یهدی به کثیرا و ما یضل به الا الفاسقین }

غالبا ایسے ہی علم کو حجاب اکبر کہا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بہت سے صاحبان علم و فن بالخصوص ماہرین علوم عقلیہ، عقل کے غلام اور نفس کے تابع ہو کر گمراہ و گمراہ ہو گئے، اس کے برخلاف فضل مولا اور رحمت حق نے جن قدسی نفوس دستگیری اور جن پاکیزہ ہستیوں کی نگہبانی کی انہوں نے علوم عقلیہ کو بھی دین وملت خادم اور شرع وسنت کا تابع بنا دیا اور دین مبین و شرع متین کی لازوال خدمات سے تاریخ رقم کر دی۔

بلاشبہ ماضی قریب میں امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی عظیم الشان ذات انہیں بابرکات قدسی صفات نفوس میں سے ایک ہے جن پر اللہ رب العزت کا خاص کرم اور خصوصی فضل رہا کہ انہوں نے علوم نقلیہ کے ساتھ ساتھ عقلی علوم مثلا منطق و فلسفہ ریاضی و ہندسہ تکسیر و حساب توقیت نجوم وغیرہا فنون عقلیہ کی روشنی میں بہت سے ابواب فقہیہ و کلامیہ کا اضافہ فرمایا ہے۔ بلکہ اس میں کافی حد تک ایجادات اور تحقیقات نادرہ بھی پیش کی ہیں۔ذیل میں بعض مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن کو پڑھنے کے بعد ہر منصف قاری کے فکری دریچے روشن ہو جائیں گے۔(۱)

سلب شے کے تین طریقے:

(غیر مسلموں کا رد) اس سلسلے میں امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کا منطقی استدلال ملاحظہ کیجئے!

فرماتے ہیں۔تقریر جواب بعون الوہاب اقول و باللہ التوفیق ایجاب و سلب متناقض ہیں جمع نہیں ہو سکتے۔ وجود شے اس کے لوازم کے وجود کا مقتضی اور ان کے نقائض و منافیات کا نافی ہے کہ لازم کا منافی موجود ہو تو لازم نہ ہو اور لازم نہ ہو تو شے نہ ہو تو ظاہر ہوا کہ سلب شے کے تین طریقے ہیں اول خود اس کی نفی مثلا کوئی کہے انسان ہے ہی نہیں۔ دوم اس کے لوازم سے کسی شے کی نفی مثلا کوئی کہے انسان تو ہے لیکن وہ ایک ایسی شے کا نام ہے جو حیوان یا ناطق نہیں۔ سوم اس کے منافیات میں سے کسی شے کا اثبات مثلا کوئی کہے انسان حیوان ناحق یا حیوان ساحل سے عبارت ہے۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں پچھلوں نے اگرچہ زبان سے انسان کو موجود کہا مگر حقیقتا انسان کو نہ جانا وہ اپنے زعم باطل میں کسی ایسی چیز کو انسان سمجھے ہوئے ہیں جو ہرگز انسان نہیں تو انسان کی نفی اور اس سے جہل میں یہ دونوں اور وہ پہلا جس نے سرے سے انسان کا انکار کیا سب برابر ہیں فقط لفظ میں فرق ہے۔ مولا عزوجل کو جمیع صفات کمال لازم

ذات اور جمیع عیوب ونقائص اس پر محال بالذات کہ اس کے کمال ذاتی کے منافی ہیں، کفار میں ہر گز کوئی نہ ملے گا جو اس کی کسی صفات کمالیہ کا منکر یا معاذ اللہ اس کے لیے کسی عیب ونقص کا مثبت نہ ہوتو دہریہ اگر قسم اول کے منکر ہیں کہ نفس وجود سے انکار رکھتے ہیں تو باقی سب کفار دو قسم اخیر کے منکر ہیں کہ کسی کمال لازم ذات کے نافی یا کسی عیب منافی ذات کے مثبت ہیں بہر حال اللہ کو نہ جاننے میں وہ اور دہریئے برابر ہوئے وہی لفظ وطرز ادا کا فرق ہے دہریوں نے سرے سے انکار کیا اور ان قہریوں نے اپنے اوہام تراشیدہ کا نام خدا رکھ کر لفظ کا اقرار کیا۔

مولا سبحانہ وتعالی فرماتا ہے! (ارأیت من اتخذ الھہ ھوہ) دیکھوتو وہ جس نے اپنی خواہش کو خدا بنالیا۔لہذا آیت کریمہ (لیقولن اللہ) کے تتمہ میں ارشاد ہوا (قل الحمدللہ بل اکثرھم لایعلمون) اگر ان سے پوچھو کہ آسمان وزمین کا خالق کون ہے؟ کہیں گے اللہ: (قل الحمدللہ) تم کہو حمد اللہ کو کہ اس کے منکر بھی ان صفات میں اسی کا نام لیتے ہیں اپنے معبودان باطل کو اس لائق نہیں جانتے مگر کیا اس سے کوئی سمجھے کہ وہ اللہ کو جانتے ہیں نہیں نہیں اکثر اسے جانتے ہی نہیں وہ تو یونہی اپنی سی اٹکلیں دوڑاتے ہیں جیسے اور بہتیرے معبود گڑھ لیے کہ (ان ھی الا اسماء سمیتموھا انتم واباء کم ماأنزل اللّٰہ بھا من سلطان) وہ تو نرے نام ہیں کہ تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے دھر لیے اللہ نے ان کی کوئی سند نہ اتاری۔یونہی اپنی اندھی اٹکل سے ایک سب سے بڑی ہستی خیال کر کے اس کا نام اللہ رکھ لیا حالانکہ وہ اللہ نہیں کہ جس صفات کی اسے بتاتے ہیں اللہ عزوجل ان سے بہت بلند وبالا ہے (تعالی اللّٰہ عما یقول الظالمون علوا وکبیرا ° سبحان رب العرش عما یصفون) (فتاویٰ رضویہ جلد۱ صفحہ ۷۳۶)(۲)

کذب باری محال ہے:

(طرز منطقی) کذب باری کے محال ہونے پر امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان کا قضیہ ممکنہ عامہ کے ذریعے سے شاندار استدلال دیکھیے!

فرماتے ہیں: جب اس کا کذب ممکن ہوا تو اس کا صدق ضروری نہ رہا اور جب اس کا صدق ضروری نہ رہا تو اس کی کون سی بات پر اطمینان رہے گا ہر بات میں احتمال رہے گا کہ شاید جھوٹ کہہ دیا ہو جب جھوٹ بول سکتا ہے تو اس یقین کا کیا ذریعہ ہے کہ اس نے کبھی نہ بولا ہو کیا اسے کسی کا ڈر ہے یا اس پر کوئی حاکم وافسر ہے جو اسے دبا دے گا اور جو بات وہ کر سکتا ہے نہ کرنے دے گا یا وہ ذریعہ صرف یہی ہو سکتا تھا کہ خود اس کا وعدہ ہو کہ ہمیشہ صحیح بولے گا یا اس نے فرما دیا ہے کہ میری سب باتیں سچی ہیں، مگر جب اس کا جھوٹ ممکن ٹھہرا تو سرے سے اس وعدہ وفرمان ہی کے صدق پر کیا اطمینان رہا، ہوسکتا ہے کہ پہلا جھوٹ ہی بولا ہو معاذ اللہ اس کا کذب ممکن مان کر دین وشریعت اسلام وملت کسی کا اصلا پتہ نہیں رہتا جزا وسزا جنت ونار حساب وکتاب حشر ونشر پر ایمان کا کوئی ذریعہ نہیں رہتا۔(فتاویٰ رضویہ جلد۶ صفحہ ۲۷۶)(۳)

کذب باری محال ہے:

(طرز فلسفی) امتناع بالذات اور امتناع بالغیر کی بحث کو فلسفۂ الہیات کے طرز پر یوں رقم فرماتے ہیں۔ ہر ممتنع بالغیر محال

بالذات کو مستلزم اور باوجود اس کے خود ممکن بالذات ہوتا ہے اس کا امکان ذاتی اس محال بالذات کے امکان ذاتی کو مستلم ہونا محال بالذات اور لم یہ ہے کہ ان میں استلزام ہی عارضی تھا نہ ذاتی ورنہ محال بالذات ہوتا نہ بالغیر یوں تو لازم کہ باری تعالی وتقدس واجب الوجود نہ رہے یا تمام موجودات واجب بالذات ہو جائیں، وجہ ملازمت سنیئے زید آج موجود ہوا اس کا اس وقت وجود علم الٰہی سبحانہ و تعالی میں تھا یا نہیں اگر نہیں تو علم محیط باری جل وعلا منتفی ہوا اور انتفاع علم کہ مقتضائے ذات ہے انتفاء مقتضی کو مقتضی تو باری عز وجل معاذ اللہ معدوم ہوا اور اگر تھا تو اس وقت اس کا عدم بھی ممکن ذاتی تھا یا نہیں اگر نہیں تو زید واجب بالذات ہوا اور ہاں تو اس کا اس وقت عدم کہ ممکن بالذات ہے عدم علم اور عدم عالم کو مستلزم تو تمہارے طور پر عدم ذات ممکن تو باری جل جلالہ واجب الوجود نہ ہوا اب تو آپ کو اپنی جہالت پر یقین ایا، واقعی تم بیچارے معذور ہو کہ حقائق کے علوم و دقائق کے فہوم میں بیچاری گنگوہی تعلیم کا حصہ رکھا ہی نہ گیا۔
(فتاویٰ رضویہ جلد ۶ صفحہ ۲٦۹)(٤)

واجب تعالی پر کچھ واجب نہیں۔معتزلہ اور فلاسفہ ارسال رسل کو واجب تعالی پر واجب قرار دیتے ہیں یعنی واجب تعالی فعل وترک کا مختار نہیں بلکہ فعل پر مضطر ہے، متکلمین نے فلاسفہ کے اس مسلک سے اختلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ارسال رسل میں واجب تعالی مختار ہے لیکن وہ رسولوں کو ضرور مبعوث فرمائے گا۔

علامہ ابوالبرکات نسفی نے فرمایا: ارسال الرسل مبشرين ومنذرين في حيز الامكان بل في حيز الوجوب والظاهر استحالة تخلفه۔

امام ابن ہمام نے علامہ نسفی کی اس عبارت پر اپنی تحریر میں اعتراض فرمایا ہے کہ یہاں نسفی سے لغزش ہوئی اور آپ مذہب اعتزال کے جھانسے میں آ گئے۔

اعلی حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ امام نسفی کا قول اعتراض سے خالی ہے کیونکہ مذہب حق سے مطابقت کی اس میں پوری گنجائش ہے، اہل حق کے نزدیک اللہ تعالی پر کچھ واجب نہیں اور نہ اس پر کسی کا حکم ہے وہ قادر مطلق ہے یعنی کرنا نہ کرنا دونوں اس کے لیے برابر ہے کسی ایک جہت کی ترجیح اس کی صفت ارادہ سے متعلق ہے نہ کہ صفت قدرت سے۔

نیز کسی بھی فعل کے حسن وقبح سے متعلق بحث کرتے ہوئے علامہ نسفی پر وارد اعتراض کا جواب دیا اور اہل سنت و جماعت کا اس تعلق سے جو نظریہ ہے اس کو مکمل طور پر واضح فرمادیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اشاعرہ کے نزدیک افعال کا حسن وقبح عقلی نہیں ہے لہذا فرماں بردار کو ثواب دینا کافر کو عذاب دینا اور ارسال رسل وغیرہ قبل ورود حکم ان کے یہاں حسن ہیں نہ قبیح تو ان چیزوں کا تعلق ارادہ اور حکمت سے ہوا۔

اور ائمہ ماتریدیہ افعال میں حسن وقبح عقلی مانتے ہیں لیکن ان کا حکم صرف اللہ تعالی کی طرف سے ہے عقل کو ان میں دخل نہیں تو شئی ممکن بالذات ہوگی، تعلق قدرت کے قابل ہے کہ مطلق قدرت امکان ذاتی سے متعلق ہے اور امتناع بالغیر تعلق قدرت سے مانع نہیں، اللہ کے علم وخبر کے خلاف جو ممکن بالذات ہیں ان کا وقوع محال ہے کیونکہ ارادے کا تعلق صرف امکان سے نہیں ہے

بلکہ امکان وقوعی سے ہے جس کا نکتہ یہ ہے کہ تعلق قدرت سے وجود شہ لازم نہیں آتا اور تعلق ارادہ سے وجود منفک نہیں ہوسکتا۔

الحاصل جملہ ممکنات مقدورات الٰہیہ ہیں مطابق حکمت ہوں یا نہ ہوں لیکن ان سے ارادے کا تعلق اس صورت میں ہوگا کہ مطابق حکمت ہو ورنہ سفاہت لازم آئے گی تو جو شئی موافق حکمت ہوگی باری تعالی سے اس کا صدور ارادہ و اختیار سے بطور رجوب ہوگا، قول فلاسفہ کے طور پر نہیں کہ جو موافق امور کا صدور بطور ایجاب مانتے ہیں اور اس کے خلاف سے تعلق قدرت کو ناممکن قرار دیتے ہیں۔

پھر اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی تشریح کی تائید میں ملا بحر العلوم اور ملا بہاری کی عبارت نقل فرمائی ہیں اس کے بعد فرماتے ہیں کہ خلاف حکمت شئی پر قدرت ہونے کا معنی یہ نہیں ہے کہ مخالفت حکمت بھی تحت قدرت ہے، یہ حکمت بھی مقدور ہے اس لیے کہ مقدوریت نفس شئی سے متعلق ہے نہ کہ مخالف حکمت ہونے کی حیثیت سے ورنہ جہل وسفاہت لازم ائیں گے وھما محالان علی اللّٰہ تعالیٰ اور ارادے کا تعلق مطابق حکمت سے ہوتا ہے لہذا حکمت کی مطابقت واجب ہے۔

الحاصل جو باتیں واجب تعالی کے لئے نقص ہوں جیسے کہ کذب، جہل اور عجز وغیرہ یا اپنے علم اور حکمت یا قدرت یا اور کسی صفت کا معدوم کرنا یہ سب محال بالذات ہیں اور جو فی نفسہ نقص نہ ہو بلکہ کسی خارجی سبب سے جیسے علم وخبر کے خلاف کسی کام پر قدرت کا ہونا تو وہ محال بالغیر ہے لہذا متعلق قدرت ہے اور اس سے ارادہ کا تعلق ممکن نہیں۔ فرمان بردار کو ثواب دینا، نافرمان کو عذاب، رسولوں کی بعثت اور انزال کتب وغیرہ عقلا واجب نہیں ہے اور ان کی مخالفت عقلا محال نہیں لیکن مطابقت حکمت ہونے کی وجہ سے واجب بالغیر ہیں۔ (المعتقد المنتقد صفحہ ۱۰۳)(۵)

آب قلیل کا بعض مستعمل ہونے کی صورت میں کل مستعمل مانا جاتا ہے:

فلاسفۂ مشائین کے نزدیک جسم متصل واحد ہے اور ہیولیٰ وصورۃ جسمیہ سے مرکب ہے لیکن متکلمین فرماتے ہیں کہ جسم کی ترکیب جواہر فردہ (ایٹم) سے ہے، برتن کے پانی کے کسی حصے کے مستعمل یا نجس ہونے سے پورے برتن کا پانی نجس کیوں قرار دیا جاتا ہے اس سلسلے میں امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان نے جسم کے متصل واحد ہونے اور بحیثیت متکلم اجزاء لایتجزی سے مرکب ہونے کی بحث کی ہے اور اتصال جسم پر صدر شیرازی کے پیش کردہ بارہ براہین ہندسیہ کا رد ایک ہی جواب سے فرمادیا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

اور جو حق مجھ پر ظاہر ہوا وہ یہ ہے کہ پانی اگر متصل واحد ہے حقیقت جیسا کہ فلاسفہ کا خیال ہے تو اس میں شک نہیں کہ اس کے بعض سے ملاقات کل سے ملاقات متصور ہوگی بلکہ یہاں بعض کا تصور ہی نہیں کیونکہ بالفعل تجزی نہیں ہے اور اگر متفرق اجزاء ہوں جیسا کہ ہمارے نزدیک ہے کیونکہ ہمارے نزدیک اجسام جواہر منفردہ سے مرکب ہیں تو اس صورت میں اجزاء مجاور ہوں گے لیکن متصل نہیں ہوں گے کیونکہ دو اجزاء کا اتصال محال ہے۔

میں کہتا ہوں فلاسفہ نے جو تگ ودو کی ہے کہ براہین ہندسیہ سے جز کا ابطال کیا ہے اور شیرازی نے شرح الغوایہ میں جس کا

نام 'هداية الحكمة' ہے ایسے بارہ دلائل قائم کیے ہیں اوران کا نام حجت رکھا ہے ان سے صرف اجزاء کے اتصال کا استحالہ ثابت ہوتا ہے نفس جز کا استحالہ ثابت نہیں ہوتا اور ہندسہ کی بنیاد خطوط متصلہ کے توہم پر ہے اوران کا موجود ہونا خارج میں کچھ ضروری نہیں چہ جائیکہ ان کا اتصال جیسے علم ھیأۃ کا دارومدار منطقوں،محوروں قطبوں اور دائروں کے توہم پر مبنی ہے اگر چہ ان کا خارجی وجود نہ ہو بلکہ اس سے بھی اولی ہے کیونکہ علم ہندسہ ان کے وجود سے بلکہ ان کے منشا کے وجود سے بھی مستغنی ہے توان میں سے کوئی چیز ہم پر وارد نہیں ہوتی للہ الحمد، اس سے بہت سے متکلمین غافل رہے اور متفلسفین کے اعتراضات کے رد میں حیران رہ گئے۔ ہمارے نزدیک جسم اجزائے متفرقہ حقیقتاً متصلہ حساً سے عبارت ہے جیسے کمرہ کے سوراخ سے روشنی کی کرن جب اندر داخل ہوتی ہے تو اس میں ذرات نظر آتے ہیں بلکہ دھوئیں، بخارات اور غبار میں بھی نظر آتے ہیں لہذا پانی حقیقی طور پر بدن سے متصل نہیں ہے، تو اگر حقیقت کا اعتبار کیا جائے تو پانی کسی بھی گندی چیز کے گرنے سے نجس نہ ہو پس معلوم ہوا کہ شریعت مطہرہ نے یہاں حس کا اعتبار کیا ہے اوراس میں شک نہیں کہ حس کے نزدیک کل ایک چیز ہے جیسا کہ متفلسفہ کے نزدیک حقیقت یہی ہے اور وہاں کوئی ایسی روک بھی موجود نہیں جہاں پہنچ کر جوار حسی رک جائے تو اس بنا پر لازم ہوا کہ بعض کی ملاقات کل کی ملاقات قرار پائے بلکہ وہاں بعض ہے ہی نہیں کیونکہ حساً تجزی نہیں ہے اور رہا کثیر تو شرع نے فرمایا ہے کہ اس میں نجاست اثر نہیں کرے گی تو اس کو جوار حسی کچھ مضر نہ ہوگا اس تحقیق عرش نشین سے معلوم ہوا کہ کثیر پانی نجاست کے گرنے سے نجس نہ ہوگا خواہ وہ نظر آنے والی ہو یہاں تک کہ نجاست کا گردو پیش بھی نجس نہ ہوگا اسی طرح تحقیق ہونی چاہیے۔

وهنا تم الكلام مع الامام الهمام، ملك العلماء الكرام نفع الله تعالى ببركاته على الدوام في دار السلام امين۔

(فتاویٰ رضویہ جلد ۱ صفحہ ۲۸۱) اسی بحث سے متعلق دوسری جگہ امام اہل سنت کچھ یوں ارشاد فرماتے ہیں:

اقول و بالله التوفيق وبه الوصول الى ذرى التحقيق اہل سنت حفظہم اللہ تعالی کے نزدیک اگرچہ ترکیب اجسام جواہر فردہ متجاورہ غیر متلاصقہ سے ہے اور یہی حق ہے۔فقیر نے بحمد اللہ تعالی اپنے فتاوی کلامیہ میں اسے قران عظیم سے ثابت کیا ہے جس کی طرف علمائے متقدمین کی نظر اب تک نہیں گئی تھی فیما اعلم واللہ اعلم اذ لم اقف علیہ فی کلامھم۔

مگر اتصال حسی ضروری ہے۔کما بیناہ فی رسالتنا "النميقة الانقى" تمام احکام دین و دنیا اسی اتصال مرئی پر مبنی ہیں۔ یہ اتصال دو قسموں پر ہے قوی وضعیف قوی یہ ہے کہ جب تک خارج سے کوئی سبب پیدا نہ ہو انفکاک نہیں ہوتا ایسی ہی شئی کا نام جامد ہے پھر یہ خود قوت وضعف میں بریاں یا پڑ سے لے کر سنگ خارا کی چٹان اور فولاد تک مختلف ہیں۔مگر یہ نہ ہوگا کہ خود بخود اس کے اجزاء بکھر جائیں یا کہ اتر جائیں۔

ضعیف یہ ہے کہ محض مجاورت کے سوا اجزاء میں عام بستگی و گرفتگی نہ ہو دل پیدا کرنے والا تراکم کہ اجزا یکے بالائے دیگرے ہیں جگہ نہ پانے کے باعث ہو، گنجائش ملتے ہی اجزا اتر کر پھیلنے لگیں ایسی شئی کا نام مائع وسائل ہے اورازاں جا کہ اجزاء میں تماسک یعنی جامدات کی مانند بستگی و گرفتگی نہیں اور میل طبعی ہر ثقیل کا جانب تحت ہے تو نشیب پاتے ہی جو حرکت ثقیل اشیاء میں پیدا

ہوتی ہے جبکہ کوئی مانع نہ ہو جامد میں سارے جسم کو معاً متحرک کرتی تھی کہ اجزاء اول سے آخر تک ایک دوسرے کو پکڑے ہوئے ہیں یہاں ایسا نہ ہوگا بلکہ جانب نشیب کے پہلے اجزا حرکت میں پچھلوں کا انتظار نہ کریں گے ان کے آگے بڑھتے ہی ان کے متصل جو اجزاء تھے جگہ پائیں گے اور وہ اپنے پچھلوں کے منتظر نہ رہ کر جنبش کریں گے یونہی یہ سلسلہ اخیر اجزاء تک پہنچے گا تو جسم کی حرکت، حرکت واحدہ نہ ہوگی بلکہ حرکات عدیدہ متوالیہ اور ازاں جا کہ اگلوں کا بڑھنا اور پچھلوں کا ان سے آملنا مسلسل ہے کوئی انفکاک محسوس نہ ہوگا، جسم واحد کے اجزا میں اسی سلسلے وار حرکت متوالی کا نام سیلان ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد۱ صفحہ ۴۸۷)(۶)

اختلاف مطالع معتبر نہیں:

محدثین وشافعیہ اختلاف مطالع کا اعتبار کرتے ہیں لہذا اہل مغرب کی رویت ہلال اہل مشرق کے لیے بے فائدہ ہے ان کے برخلاف ائمہ حنفیہ اختلاف مطالع کو کوئی حیثیت نہیں دیتے، ایک شہر کی رویت دوسرے شہر پر نافذ ہے اگر شہادت شرعیہ سے ثابت ہو جائے۔ جو حضرات اختلاف مطالع کے قائل ہیں ان کے اقوال تعیین مقدار میں سخت مختلف ہیں بعض نے ایک ماہ کی راہ کو مقرر کیا اور علامہ رملی شافعی نے ۲۴ فرسخ کا فاصلہ متعین فرمایا ان دونوں اقوال میں آٹھ گنے کا فرق ہے اس لیے کہ ہر روز کی منزل ۱۹ میل ہوتی ہے تو مہینے بھر کی راہ ۵۷۶ میل پر مشتمل ہوئی، تین میل کا فرسخ ہوتا ہے لہذا ۱۹۲ فرسخ ہوئے اور علامہ رملی کے قول پر صرف ۲۴ فرسخ ہوئے۔

امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان نے حنفیہ کی تائید میں قواعد ریاضی سے واضح کیا کہ ان مسافتوں کا تعین جو شافعیہ نے کیا ہے بے فائدہ ہے کیونکہ شمس وقمر کے درمیان جب تک کم از کم آٹھ درجہ کا فاصلہ نہ ہو رویت ممکن نہیں اور یہ فاصلہ شرقاً غرباً ہوتا ہے نہ کہ شمالاً جنوباً کہ مشرق میں جو فاصلہ آفتاب ومہتاب کے درمیان ہوگا مغرب میں پہنچ کر وہ فاصلہ زائد ہو جائے گا۔

اب فرض کیجیے کہ آفتاب شمالی ہے اور قمر وقت استہلال عدیم المیل، ایک شہر خط استوا پر ہے اور دوسرا اس سے آٹھ درجہ شمالی ہے اور تیسرا سترہ درجہ شمال پر تینوں شہروں کا طول البلد ایک ہو فرض کیجئے کہ خط استوا پر رویت ہوئی تو سترہ درجہ پر کیا رویت ہوگی آٹھ درجہ پر بھی رویت ضروری نہیں اس لیے کہ خط استوا پر آفتاب جلد غروب ہوگا تو اندھیرے کی وجہ سے رویت ممکن ہوئی نیز وہاں چاند بلند بھی ہوگا اس لیے رویت دیر تک ممکن اور شمال کے دونوں شہروں کا معاملہ بالکل برعکس ہے یہاں آفتاب بھی دیر سے غروب ہوگا اور قمر بھی پستی میں ہوگا پھر فرض کیجئے کہ سترہ درجہ والے شہر میں رویت ہوئی تو خط استوا تو کیا آٹھ درجے والے شہر میں بھی بدرجہ اولی رویت ہوگی حالانکہ آٹھ درجے کے بعد ایک ماہ کی مسافت سے کم اور سترہ درجے کے بعد دو ماہ سے زائد تو معلوم ہوا کہ کبھی دو ماہ سے زائد کی مسافت پر بھی اختلاف مطالع کا اثر نہیں پڑتا اور کبھی ایک ماہ سے کم کی مسافت بھی اثر انداز ہوتی ہے اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ شہروں کا بعد قابل اعتبار شئی نہیں ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۴ صفحہ ۶۳۰ ملخصا)

المختصر دنیا میں جتنے بھی علوم وفنون ہیں ہر ایک سے دین وشریعت کی تقویت وتائید کا کام لیا جا سکتا ہے بلکہ قرآن مجید میں میراث کے تقسیم کے جو اصول وقواعد اور احکام وضوابط مذکور ہیں وہ بالکل حسابی طرز پر ہیں اور صحابہ کرام سے لے کر آج تک تقسیم

میراث کی جو بھی صورتیں ملتی ہیں ان سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرام کو علم الحساب میں بھی مہارت تامہ حاصل تھی کہ حساب کے وہ مسائل جو کئی منزلیں طے کرنے کے بعد یقینی ثابت ہوتے ہیں صحابہ کرام اور تابعین عظام انہیں کاغذ وقلم کی مدد کے بغیر لمحوں میں طے فرما دیتے تھے۔

اسی طرح مختلف دیار وامصار میں دور ودراز مقامات پر صحابہ کرام کے زمانے کی تعمیر کردہ مسجدیں اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ جہت قبلہ متعین کرنے میں وہ علم ہیأۃ اور جغرافیہ کے اچھے ماہر تھے کیونکہ آج ریاضی کے وصول پر سروے کرنے کے بعد بھی ان کو قبلہ سے سر مو متجاوز نہیں پایا جاتا۔

امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان کو قسام ازل نے صحابہ کرام وتابعین عظام کا صدقہ وافر مقدار میں عطا فرمایا تھا یہی وجہ ہے کہ آپ ایک عظیم المرتبت فقیہ ہونے کے ساتھ ریاضی وجغرافیہ وغیرہا علوم کے بلند پایہ امام تھے، آپ نے محقق طوسی جیسے مہندس اور ہیأۃ کے ماہر کی مختلف خطاؤں کی طرف امام نے نشاندہی فرمائی ہے، جس سے امام کی مہارت اشکار ہو جاتی ہے۔ سر ضیاء الدین ریاضی کے جن مسائل میں مدتوں حیران رہے امام اہل سنت نے منٹوں میں ان کی تشفی فرمادی بلکہ علم ریاضی سے اعلی حضرت امام اہل سنت نے علم فقہ کی جتنی خدمتیں کیں ہیں پوری تاریخ اسلام میں ایک مثالی کارنامہ ہے مثلاً سمت قبلہ، طلوع وغروب افتاب، اوقات صوم وصلاۃ کی تخریج، زکوۃ وفطرہ کے لیے اوزان و پیمانہ کا تعین، مسافت سفر کی تقدیر وغیرہ بے شمار مسائل پر آپ کی نادر تحقیقات اور ایجادی قواعد وضوابط نے فقہ اسلامی میں ایک مہتم بالشان باب کا اضافہ کر دیا ہے۔

پرنسپل: دار العلوم فیضان رضا شریفہ روڈ، امرت نگر، ممبرا، تھانے

''حسام الحرمین'' اور تصدیقاتِ مشائخ نقشبندیہ

مولانا غلام مصطفیٰ رضوی نوری

رسولِ گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم محور و مدارِ ایمان ہے۔ ناموسِ رسالت ﷺ کا مسئلہ ہر زمانے میں مسلمانوں کے مابین حساس رہا ہے، اور جب بھی عقیدے کے اِس پہلو پر آنچ آئی مسلمان تڑپ اُٹھے۔ جانوں کا نذرانہ پیش کر کے رسولِ گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت و اُلفت کا بھر پور اظہار کیا، اور گستاخِ رسول کو کیفرِ کردار تک پہنچا کر ہی دَم لیا۔ حفظِ ناموسِ رسالت ﷺ کو ہر فرض سے اہم فرض جانا۔ علامہ ارشد القادری لکھتے ہیں:

''حبِ رسول کی وارفتگی کا یہ رُخ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کسی گستاخ کے خلاف غم وغصہ اور نفرت وغضب کے اظہار کے سوال پر کبھی یہ نہیں دیکھا کہ نشانے پر کون ہے؟ باہر کا ہو یا اندر کا جس نے بھی رسول ﷺ کی شان میں گستاخانہ جسارت کا اظہار کیا؛ مسلمانوں کی غیرتِ ایمانی کی تلوار اُس کے خلاف بے نیام ہوگئی ....علمائے دیوبند کے خلاف بھی ہمارے غم وغصہ کی سب سے بڑی بنیاد یہی ہے، کہ اُن کے اکابر نے اپنی بعض کتابوں میں رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں سخت گستاخانہ کلمات استعمال کیے ہیں۔''(۱)

علمائے دیوبند کی وہ کتابیں جن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں توہین صادر ہوئی، اُن پر علمائے حق نے شرعی گرفت کی، دعوتِ اِصلاح پیش کی، لیکن بجائے ندامت وتوبہ کے وہ ہٹ دَھرمی کے ساتھ گستاخیوں پر قائم رہے، اپنی گستاخانہ عبارتوں کی بے جا تاویلیں کرتے رہے۔

ہندوستان میں وہابیت کا آغاز:

ہندوستان میں وہابیت کا آغاز شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' سے ہوا۔ اُس وقت اکابرینِ اسلام نے ''تقویۃ الایمان'' کا رَد کیا۔ جس کی تعریف میں مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی لکھتے ہیں:

''کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ کتاب ہے۔''

چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں: ''اس کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہے۔''(۲)

شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی ''تقویۃ الایمان'' سے متعلق لکھتے ہیں:

''حضرت مجدد (الف ثانی) کے زمانے سے ۱۲۴۰ھ تک ہندوستان کے مسلمان دو فرقوں میں بٹے رہے: ایک اہلِ سنت و جماعت، دوسرے شیعہ۔ اب مولانا اسماعیل دہلوی کا ظہور ہوا، وہ شاہ ولی اللہ کے پوتے اور شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کے بھتیجے تھے۔ اُن کا میلان محمد بن عبدالوہاب نجدی کی طرف ہوا اور نجدی کا رسالہ ''ردالاشراک'' اُن کی نظر سے گزرا اور انھوں نے اردو میں ''تقویۃ الایمان'' لکھی، اس کتاب سے مذہبی آزاد خیالی کا دور شروع ہوا، کوئی غیر مقلد ہوا، کوئی وہابی بنا، کوئی اہلِ حدیث کہلایا، کسی نے اپنے کو سلفی کہا، ائمہ مجتہدین کی جو منزلت تھی اور احترام دل میں تھا وہ ختم ہوا۔

معمولی نوشت وخواند کے افراد امام بننے لگے۔ اور افسوس اس بات کا ہے کہ توحید کی حفاظت کے نام پر بارگاہِ نبوت کی تعظیم واحترام میں تقصیرات کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ یہ ساری قباحتیں ماہ ربیع الآخر ۱۲۴۰ھ کے بعد سے ظاہر ہونی شروع ہوئی ہیں۔ اس وقت کے تمام جلیل القدر علما کا دہلی کی جامع مسجد میں اجتماع ہوا اور ان حضرات نے بہ اتفاق اس کتاب کا رد کیا۔'' (۳)

مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی ''وہابیت'' سے متعلق لکھتے ہیں:

''اِس وقت اور اِن اطراف میں ''وہابی'' متبعِ سنت اور دین دار کو کہتے ہیں۔'' (۴)

''محمد بن عبدالوہاب کو لوگ وہابی کہتے ہیں وہ اچھا آدمی تھا۔'' (۵)

''محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں ان کے عقائد عمدہ تھے۔'' (۶)

شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی ''وہابیت'' کی ''دیوبندی شاخ'' سے متعلق لکھتے ہیں:

''جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ میں حضرت حاجی (امداداللہ) صاحب رحلت فرمائے خلد بریں ہوئے۔ اب مولوی (اشرف علی تھانوی) صاحب کے واسطے راستہ صاف ہوا۔ ان پر نئی تحقیق کی راہیں کھل گئیں۔ سب سے پہلے انھوں نے علم غیب کے مسئلہ کو چھیڑا اور رسالہ ''حفظ الایمان'' لکھ کر بے حساب غلامانِ بارگاہِ رسالت کو ایذا پہنچائی۔ یہ واقعہ ۱۳۱۹ھ کے اوائل کا ہے۔'' (۷)

حسام الحرمین:

علماے حق نے اپنی ذمہ داری سمجھ کر علماے دیوبند اور برصغیر میں پنپ رہے باطل عقائد پر شرعی گرفت کرتے ہوئے اُنھیں سمجھانے کی کوشش کی اور آخرت کا خوف دلایا۔ جب دیکھا کہ وہ جنبش کو تیار نہیں تو پھر اُن کا شرعی مواخذہ کیا۔ علماے ربانیین میں ایک نمایاں نام امام اہل سنّت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی (ولادت ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء - وصال ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کا ہے۔ آپ نے اُن عقائد و گستاخیوں سے متعلق تنبیہ وتوبہ کی ترغیب کے بعد دینی ضرورت سمجھتے ہوئے علماے حرمین کی خدمت میں بلاکم وکاست گستاخانہ عبارتوں کو پیش کیا، اور حکم شرع واضح کرتے ہوئے علماے حرمین سے تصدیق چاہی۔ جس کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ: علامہ فضل رسول بدایونی (م ۱۲۸۹ھ) کی کتاب ''المعتقد المنتقد'' پر امام احمد رضا نے حاشیہ لکھا بہ نام ''المعتمد المستند''، اس کا خلاصہ امام احمد رضا نے دوسرے سفر حج ۱۳۲۳ھ میں علماے حرمین کی خدمت میں پیش کیا، اور اس میں ہندوستان میں پیدا ہونے والے فرقوں مثلاً قادیانی، نیچری، وہابی، دیوبندی، غیر مقلد وغیرہم کے باطل عقائد ذکر کیے۔ جس پر ۳۳/علماے حرمین نے مذکورہ فرقوں پر فتاویٰ کفر صادر فرمایا، جس کی اشاعت ''حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین'' (۱۳۲۴ھ) کے نام سے ہوئی۔

فتاویٰ 'حسام الحرمین' کی اشاعت عربی میں ہوئی جب کہ اردو اور انگریزی تراجم بھی ہندو پاک سے بار بار شائع ہو چکے ہیں اور ساری دُنیا میں ان کی مقبولیت ہے۔

الصوارم الہندیہ:

علماے حرمین کی تصدیقات ''حسام الحرمین'' کے نام سے شائع تھیں۔ اعلیٰ حضرت کے وصال (۱۳۴۰ھ) کے پانچ سال

بعد ۱۳۴۵ھ میں مولانا حشمت علی خان قادری نے ان فتاویٰ پر علما و مشائخِ برِ صغیر کی تصدیقات لیں اور ان کی اشاعت ''الصوارم الہندیہ'' (۱۳۴۵ھ) کے نام سے کی۔ راقم کے پیشِ نظر ''الصوارم الہندیہ'' کا جو ایڈیشن ہے وہ نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور کا شائع کردہ ہے۔ اس میں ۲۶۸؍تصدیقات موجود ہیں۔

ان سطور میں یہ بتانا مقصود ہے کہ فرقہ ہائے باطلہ کی تردید و مخالفت میں جہاں دوسرے سلاسلِ طریقت کے مشائخ و علما کا اہم رول رہا ہے وہیں سلسلۂ مبارکہ نقشبندیہ سے وابستہ اکابر نے بھی اہلِ سنت کی اشاعت کے ساتھ ساتھ باطل عقائد کی کھلی مخالفت کی، اور فتاوے و تصدیقات جاری کیں۔ آج کل وہابی دیوبندی اپنی حقیقت چھپا کر ''منافقت'' سے کام لیتے ہیں اور کبھی نقشبندی، قادری یا چشتی کہلوا کر بھولے بھالے مسلمانوں کو دیوبندی بنانے کی کوششیں کرتے ہیں، یہی حال ان کی تبلیغی جماعت کا بھی ہے۔ اِس ضمن میں سید اکرام حسین سیکری (سجادہ نشین خانقاہ عالیہ سیکر شریف میرپور سندھ) کے نام (مکتوب محررہ ۲۳؍دسمبر ۲۰۰۳ء میں) پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد لکھتے ہیں:

''یہ آپ نے صحیح فرمایا کہ سلسلۂ نقشبندیہ میں وہابیہ دیوبندیہ داخل ہو گئے ہیں۔ فقیر نے ''جہانِ امام ربانی'' میں اِس کا ازالہ کیا ہے۔ بلکہ شروع ہی میں امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کا ذکر کر دیا ہے اور اپنے ابتدائیے میں یہ واضح کیا ہے کہ وہابیہ دیوبندیہ نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ (کی تعلیمات) کا استحصال کیا ہے اور دوسری طرف امام احمد رضا نے تعلیماتِ مجددیہ کو فروغ دیا۔''(۸)

امام احمد رضا محدث بریلوی نے ''حسام الحرمین'' کی اشاعت کروائی۔ جس پر علمائے دیوبند کی طرف سے کفریہ عبارتوں کی تاویل کی کوشش میں ''المہند'' (از مولوی خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی) شائع ہوئی۔ اس کے حقائق کا پردہ چاک کرتے ہوئے شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی لکھتے ہیں:

''المہند نے حفظ الایمان کی عبارت کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے: ''اس غیب سے مراد کیا ہے۔ یعنی غیب کا ہر ہر فرد یا بعض غیب، کوئی کیوں نہ ہو، پس اگر بعض غیب مراد ہے تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص نہ رہی۔ کیوں کہ بعض غیب کا علم اگر چہ تھوڑا سا ہو، زید و عمرو بلکہ ہر بچہ اور دیوانہ بلکہ جملہ حیوانات اور چوپاؤں کو بھی حاصل ہے۔'' اور اسی عبارت کو عربی جامہ پہنایا ہے۔ رسالہ حفظ الایمان میں جو عبارت ہے، یہ عاجز نقل کر چکا ہے۔ دونوں عبارتوں کے الفاظ میں بڑا فرق ہے۔ اور خرابی کی جڑ ''کلمۂ ایسا'' ہے کو معرب و مترجم صاحب نے حذف کر دیا ہے۔ عبارت کو ان ہی الفاظ سے جو حفظ الایمان میں ہیں، نہ لکھنا اور خرابی کی جڑ کو حذف کرنا، ظاہر کر رہا ہے کہ خود معرب و مترجم کو پورا کھٹکا تھا کہ اگر وہی الفاظ بیان کیے گئے اور انھیں کو عربی کا لباس پہنایا گیا تو یقیناً علمائے کرام کی آرا موافقت میں نہیں آئیں گی۔''(۹)

مشائخ نقشبندیہ اور اہلِ سنت:

مشائخ سلاسلِ حقہ نے ہر دور میں عقائد و معمولاتِ اہلِ سنت کی حفاظت کے لیے سرگرمی دکھائی اور فرق ہائے باطلہ کی تردید کی۔ اہلِ سلسلہ کو فتنۂ وہابیہ سے باخبر کیا۔ اس ضمن میں مشائخ نقشبندیہ کی چند مثالیں ملاحظہ کریں:

[۱] حضرت حاجی دوست محمد نقشبندی قندھاری تحریر فرماتے ہیں: ''ولی کی علامت یہ ہے کہ سب سے پہلے وہ اہل سنت والجماعت کے اعتقادات پر ثابت قدم ہو اور باقی سب اہلِ قبلہ یعنی شیعہ، وہابیہ، رافضیہ وغیرہ وغیرہ فرقوں کے اعتقادات سے دور رہتا

ہو۔''(۱۰)

حضرت دوست محمد قندھاری نقشبندی؛ خان ملا خان کے نام مکتوب (محررہ ربیع الآخر ۱۲۸۱ھ) میں لکھتے ہیں:

''عرض یہ ہے کہ دس رسالے جو فرقۂ وہابیہ کے اقوال و عقائد کے رَد کرنے کے سلسلہ میں تحریر کیے گئے ہیں وہ اس فقیر کو دست یاب ہوئے ہیں۔ چناں چہ آپ کی خدمت میں ارسال کیے جا رہے ہیں، ان شاء اللہ آپ کو مل جائیں گے۔ آپ کو چاہیے کہ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین متین کی ترقی کے لیے ان رسالوں کو رائج کریں۔ فقیر دعا گو ہے کہ رب جلیل آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے اور اللہ جل شانہٗ شریعت مطہرہ اور اہلِ سنت و جماعت کے عقائد پر سلامتی نصیب فرمائے۔''(۱۱)

وہابی فرقے کی تردید و مخالفت میں رسائل کی اشاعت کی ترغیب حضرت دوست محمد قندھاری نقشبندی نے ۱۲۸۱ھ میں دی اس وقت اعلیٰ حضرت کی عمر صرف ۱۰ رسال تھی۔ شیخ نقشبندیت نے اعلیٰ حضرت کے فتاوے سے قبل ہی وہابیت سے بیزاری کا اظہار کیا۔

[۲] ۱۳۴۱ھ کے میلاد سے متعلق شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی لکھتے ہیں: ''میلاد شریف کے مخالف اور اس کو کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَة کہنے والے افراد جیسے مولوی اشفاق الرحمٰن اور صدر بازار دلی کے اہلِ حدیث جو اچانک آزمائش کے لیے اس مبارک محفل میں آ گئے تھے اور یہی کہتے ہوئے گئے کہ بڑی بابرکت محفل تھی تو پھر نیک دل افراد پر اگر بعض حقائق کا اظہار ہو تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔''(۱۲)

میلاد سے متعلق شاہ ابوالخیر مجددی دہلوی کا یہ قول ہے کہ: ''ہم یہ مبارک محفل (میلاد) اس لیے منعقد کرتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا ہو۔ آپ کی محبت اصلِ ایمان ہے۔ اس اصل ہی کو حاصل کرنے کے لیے اس مبارک محفل کا قیام کیا جاتا ہے۔''(۱۳)

[۳] حضرت شاہ احمد سعید مجددی مہاجر مدنی فرماتے ہیں: ''مکہ مکرمہ کے یکتائے روزگار مفسر محدث مولانا عبداللہ سراج حنفی جن کے حلقۂ درس میں اس نومولود فرقہ (وہابیہ) کا سردار نہ صرف بازانوئے ادب حاضر ہوا کرتا تھا، بلکہ آپ کی جامعیت کا معترف بھی تھا، نے بھی - قیام - کے مستحسن ہونے کا فتویٰ دیا ہے، آپ کا مُہر زدہ فتویٰ راقم (شاہ احمد سعید مجددی) کے پاس موجود ہے، جو چاہے دیکھ سکتا ہے۔''(۱۴)

حضرت شاہ احمد سعید مجددی کے فرزند گرامی حضرت شاہ محمد مظہر نقشبندی مجددی مہاجر مدنی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

ولم یذکر احدا بالسوء الا الفرقة الضالة الوهابیة لتحذیر الناس من قباحة افعالهم واقوالهم

پھر اسی صفحہ پر حاشیہ میں لکھتے ہیں: وکان قدس سرہ یقول ادنی ضرر صحبتهم ان محبة النبی صلی اللہ علیه وسلم التی هی من اعظم ارکان الایمان تنقص ساعة فساعة حتی لا یبقی منها غیر الاسم والرسم فکیف یکون اعلاہ فالحذر الحذر عن صحبتهم ثم الحذر الحذر عن رؤیتهم ۔اہ فاحفظه (منه)

حضرت شاہ احمد سعید قدس سرہٗ کسی کی برائی نہیں کرتے تھے سوائے وہابیہ کے گم راہ فرقہ کے، تاکہ لوگوں کو ان کے افعال واقوال کی قباحت سے ڈرائیں، حضرت فرمایا کرتے تھے کہ وہابیوں کی صحبت کا معمولی نقصان یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کی محبت جو ایمان کے بڑے ارکان میں سے ہے، لحظہ بہ لحظہ کم ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ نام ونشان کے علاوہ کچھ بھی نہیں رہ جاتا، جب معمولی ضرر کا یہ حال ہے تو بڑے نقصان کا کیا عالم ہوگا؟ لہٰذا ان کی صحبت سے بچو، ضرور بچو، بلکہ ان کی صورت تک دیکھنے سے ضرور بالضرور اجتناب کرو۔(۱۵)

[۴] مولانا شاہ محمد معصوم مجددی ابن عبدالرشید (م ۱۳۴۱ھ) نے میلاد کے جواز پر ''احسن الکلام فی اثبات المولد والقیام'' (تالیف ۱۳۰۵ھ) نام سے کتاب لکھی۔

آج کل سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کو ''دیوبندی'' بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ حالاں کہ اکابرِ نقشبندیہ کے عقائد وہی تھے جن کی تصریحات امام احمد رضا کی کتب وفتاویٰ میں ملتی ہیں، وہ بھی معمولاتِ اہلِ سنت پر کاربند تھے، بلکہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی ولادت سے کافی پہلے جب وہابی تحریک کا آغاز ہوا اس وقت اکابرِ نقشبندیہ نے وہابیت کی تردید وبیخ کنی میں فتاوے صادر فرمائے، کتابیں تصنیف کیں، دیابنہ کے عقائد باطلہ اجاگر کیے۔ علما کی کتابوں پر تصدیقات ثبت کیں۔

اِس تحریر میں تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ کے لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے مشہور فتاویٰ ''حسام الحرمین'' پر علماومشائخ نقشبندیہ کی تصدیقات دکھانا مقصود ہے۔ اس لیے اسی رُخ سے چند نکات درج کیے جارہے ہیں۔

علماومشائخ نقشبندیہ کی ''حسام الحرمین'' پر تصدیقات:

[۱] پیر جماعت علی شاہ نقشبندی:

سلسلۂ نقشبندیہ کی عظیم وقدیم خانقاہ ''علی پور شریف'' کے بزرگ حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری -حسام الحرمین- کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حسام الحرمین کے فتاویٰ حق ہیں اور اہلِ اسلام کو ان کا ماننا اور ان کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ جو شخص ان کو تسلیم نہیں کرتا وہ راہِ راست سے دور ہے، حضرت رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان مبارک میں جو شخص عمداً وسہواً بھی گستاخی کرے اور آپ کی ادنیٰ توہین وتنقیص کا تقریراً یا تحریراً مرتکب ہو وہ اسلام سے خارج اور مرتد ہے۔''(۱۶)

پیر جماعت علی شاہ نقشبندی محدث علی پوری کی اس تحریر پر مولانا محمد حسین (مہتمم مدرسۂ نقشبندیہ علی پور سیداں)، محمد کرم الٰہی بی اے، مولانا خان محمد وغیرہم کے دستخط ہیں۔

[۲] مولانا دیدار علی الوری رحمانی نقشبندی:

مولانا دیدار علی الوری رضوی نقشبندی مجددی (سابق خطیب و مدرس مسجد وزیر خان لاہور) تحریر فرماتے ہیں: ''حسام الحرمین جو فتویٰ علماے حرمین شریفین ہے، وہ سرتاپا حق وبجا ہے۔ اور جن اقوال پر فتویٰ دیا گیا ہے فریقین میں منصف کو ان کی کتابوں سے ان اقوال کو مطابق کر کے دیکھنا کافی ہے۔''(۱۷)

اس پر مزید دستخط کنندگان میں مولانا سید فضل حسین نقشبندی مجددی گجراتی، سید عبدالرزاق نقشبندی مجددی حیدرآبادی، حاجی احمد نقشبندی شامل ہیں۔

[۳] حضرت قاضی فضل احمد نقشبندی مجددی لدھیانوی:

حضرت قاضی موصوف تحریر فرماتے ہیں: ''تمام مسلمانانِ اہلِ سنت وجماعت کو کتاب مستطاب ''حسام الحرمین'''' کے

مندرجہ فتاویٰ کو مان کر ان پر عمل پیرا ہونا لازم ہے۔اس کے سوا ایک دیگر کتاب ''تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل'' (تصنیف از مولانا غلام دستگیر قصوری ہاشمی نقشبندی مجددی) مصدقہ علما و مفاتی ائمہ اربعہ حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً میں بھی اسی طرح لکھا ہے جیسے کہ کتاب ''حسام الحرمین'' یہ بات طے شدہ ہے کہ عقائد و اقوال مندرجۂ استفتا کلماتِ کفریہ ہیں۔'' (۱۸)

[۴] مفتی اعظم دہلی مفتی شاہ مظہر اللہ نقشبندی:

مفتی شاہ مظہر اللہ نقشبندی مجددی (سابق شاہی امام مسجد فتح پوری دہلی) لکھتے ہیں: ''اس عاجز کا یہ کہاں زہرہ کہ حضرات علمائے کرام حرمین شریفین کے مخالف جنبش لب کشائی کر سکے، ان حضرات نے جو کچھ فرمایا حق و واجب العمل ہے۔'' (۱۹)

مفتی صاحب کے فرزند پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی لکھتے ہیں: ''حضرت (مفتی محمد مظہر اللہ نقشبندی دہلوی- م ۱۹۶۶ء) کے نقش قدم ہمارے سامنے ہیں۔اعلیٰ حضرت نے جن حضرات کی تکفیر فرمائی۔حضرت قبلہ نے ''الصوارم الہندیہ'' میں اس کی (حسام الحرمین کی) تائید فرمائی۔اور مسلک کی علامت اور نشانی بن گئے۔فقیر نے بھی یہی روش اختیار کی اور اغیار سے نہ کبھی مفاہمت کی اور نہ کسی کو یہ مشورہ دیا۔'' (۲۰)

[۵] مولانا نبی بخش حلوائی نقشبندی:

پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی نقشبندی علی پوری کے خلیفہ مولانا نبی بخش حلوائی نقشبندی (م ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۵ء- مصنف تفسیر نبوی، بزبان پنجابی) مرید مولانا غلام دستگیر قصوری ہاشمی نقشبندی اپنی تصدیق میں لکھتے ہیں:

''جو شخص گنگوہی و تھانوی و دیوبندی مذکورین کا معتقد ہو وہ ضرور وہابی، کافر و مرتد ہے۔اس کی کلمہ گوئی و قبلہ روئی وغیرہ کا کوئی اعتبار نہیں وہ قولہ تعالیٰ **و من الناس من یقول امنا باللہ و بالیوم الآخر و ماھم بمومنین** کا مصداق ہو کر اہلِ اسلام سے خارج ہو گیا۔گو بظاہر مسلمان کہلائے۔

............دیوبندی علما آدم نما ابلیس ہیں۔مسلمانوں کی بولی بول کر کافر بناتے ہیں۔'' (۲۱)

[۶] مولانا محمد ریحان حسین عمری مجددی:

مولانا محمد ریحان حسین مجددی (مدرس: مدرسہ ارشاد العلوم رام پور) فرماتے ہیں: ''فتاویٰ حسام الحرمین یقیناً قابلِ عمل ہے اور صحیح ہے۔'' (۲۲)

[۷] مولانا محمد نور الحسین نقشبندی مجددی رام پوری:

مولانا موصوف لکھتے ہیں: ''حسام الحرمین میں جن علمائے حرمین شریفین اہل السنۃ والجماعۃ کے فتوے ہیں وہ حق اور صواب ہیں۔'' (۲۳)

[۸] مولانا محمد معوان حسین مجددی رام پوری:

خانوادۂ مجدد الف ثانی کے فرد فرید شاہ احمد سعید نقشبندی دہلوی کے شاگرد و مرید مولانا شاہ ارشاد حسین مجددی رام پوری کے فرزند مولانا محمد معوان حسین مجددی رام پوری (مدرسہ ارشاد العلوم) لکھتے ہیں:

''حسام الحرمین کے احکام حسبِ نقول صحیحہ معتبرہ لازم الاتباع ہیں۔'' (۲۴)

یوں ہی دیگر علمائے سلسلۂ نقشبندیہ میں مولانا سید غیاث الدین بن مولانا سید غلام محی الدین نقشبندی (سورت)، مولانا محمد حسن عرب المدنی المغربی السنوسی القادری النقشبندی الفضل الرحمانی، مولانا فقیر محمد حسن فاروقی مجددی وغیرہم نے بھی فرق ہائے

باطلہ وہابیہ دیابنہ کی تردید کی اور اہلِ سنت پر استقامت کی تلقین کی۔

مولانا شاہ عبدالغنی مجددی کے شاگرد شیخ عثمان بن عبدالسلام داغستانی (م ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء مدینہ منورہ) نے امام احمد رضا کی کتب الدولۃ المکیۃ، حسام الحرمین و فتاویٰ الحرمین نیز تقدیس الوکیل (از مولانا غلام دستگیر قصوری ہاشمی نقشبندی) پر تقاریظ لکھیں۔(۲۵)

مولانا شاہ عبدالغنی مجددی کے شاگرد مولانا محمود بن صبغۃ اللہ مدراسی نے امام احمد رضا کی تصنیف الدولۃ المکیۃ پر تقریظ لکھی۔آپ حضرت شاہ محمد مظہر نقشبندی مجددی ابن حضرت شاہ احمد سعید مجددی کے مرید تھے۔(۲۶)

مزید جستجو کی جائے تو فروغِ اہلِ سنت کے لیے نقشبندی تعلیمات اور مشائخ نقشبندیہ کے کافی اقوال مل جائیں گے۔اس پہلو سے راقم کی ایک کتاب ''مشائخ نقشبندیہ: حیات وافکار'' مالیگاؤں سے شائع ہو چکی ہے۔جس میں باطل فرقوں کے استیصال میں علما و مشائخ نقشبندیہ کا کردار اور عقائد و معمولاتِ اہلِ سنت کے تحفظ کے لیے علمی و عملی و تحریری خدمات پر صراحت و وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔اُس کتاب کے اندر درجنوں ملفوظات ایسے درج کیے گئے ہیں؛ جن میں وہابیہ سے بچنے کی تلقین و تاکید ہے اور سلسلۂ نقشبندیہ کی اصل تعلیمات جو مسلک اہلِ سنت کے مطابق ہے؛ پر سختی سے گامزن رہنے کی نصیحت کی گئی ہے۔اسی طرح اُس میں ''دیوبندیت'' کے نقشبندی تعلیمات سے انحراف پر شواہد و دلائل پیش کیے گئے ہیں۔

اللہ کریم ہمیں مسلک اہلِ سنت جسے شناخت کے لیے مسلکِ اعلیٰ حضرت بھی کہا جاتا ہے، پر استقامت عطا فرمائے اور مشائخِ کرام کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔ ؎

تیرے غلاموں کا نقش قدم ہے راہ خدا
وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے کے چلے

☆☆☆

حوالہ جات:

(۱)　الصوارم الہندیہ ۱۳۴۵ھ، مرتب مولانا حشمت علی خان قادری، نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، جنوری ۲۰۱۱ء، ص ۶۔۷، مقدمہ

(۲)　فتاویٰ رشیدیہ، مولوی رشید احمد گنگوہی، فرید بک ڈپو دہلی، س ن، ص ۷۸

(۳)　مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان، شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی، حضرت شاہ ابوالخیرا کاڈمی دہلی ۶، ۱۴۳۲ھ/ ۲۰۱۱ء، ص ۹۔۱۰

(۴)　فتاویٰ رشیدیہ، فرید بک ڈپو دہلی، س ن، ص ۱۱۰

(۵)　فتاویٰ رشیدیہ، فرید بک ڈپو دہلی، س ن، ص ۲۸۰

(۶)　مرجع سابق

(۷)　مقاماتِ خیر ۱۳۹۲ھ، شاہ ابوالحسن زید فاروقی، شاہ ابوالخیرا کاڈی دہلی ۱۹۸۹ء، ص ۲۴۳

(۸) مکتوباتِ مسعودی، عبدالستار طاہر، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۵ء، ص ۶۷۔ ۶۸
(۹) مقاماتِ خیر ۱۳۹۲ھ، شاہ ابوالحسن زید فاروقی، شاہ ابوالخیر اکاڈی دہلی ۱۹۸۹ء، ص ۲۴۵
(۱۰) تحفۂ ابراہیمیہ؛ مکتوباتِ مولانا دوست محمد قندھاری، اردو ترجمہ: محمد احمد، طبع زوار اکیڈمی کراچی جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۹۳
(۱۱) تحفۂ ابراہیمیہ؛ مکتوباتِ مولانا دوست محمد قندھاری، اردو ترجمہ: محمد احمد، طبع زوار اکیڈمی کراچی جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۱۶۸۔ ۱۶۹
(۱۲) مقاماتِ خیر ۱۳۹۲ھ، شاہ ابوالحسن زید فاروقی، شاہ ابوالخیر اکاڈی دہلی ۱۹۸۹ء، ص ۳۸۱
(۱۳) مقاماتِ خیر ۱۳۹۲ھ، شاہ ابوالحسن زید فاروقی، شاہ ابوالخیر اکاڈی دہلی ۱۹۸۹ء، ص ۴۴۳
(۱۴) اثبات المولد والقیام، شاہ احمد سعید مجددی، مترجم مولانا محمد رشید نقشبندی، مرکزی مجلس رضا لاہور اکتوبر ۱۹۸۰ء، ص ۳۰
(۱۵) محمد مظہر مہاجر مدنی، مولانا شاہ، المناقب الاحمدیہ والمقامات السعیدیہ، مطبوعہ قزان ۱۸۹۶ء، ص ۱۷۶۔ تحقیق الفتویٰ، مقدمہ از علامہ عبدالحکیم شرف قادری، المجمع الاسلامی مبارک پور ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء، ص ۳۵۔ ۳۶

نوٹ: مقاماتِ سعیدیہ- پہلے فارسی میں ۱۲۷۷ھ میں دلی کے اکمل المطابع میں چھپی، پھر عربی میں ۱۳۱۲ھ میں قزان میں چھپی۔ (مقاماتِ خیر ۱۳۹۲ھ، شاہ ابوالحسن زید فاروقی، شاہ ابوالخیر اکاڈی دہلی ۱۹۸۹ء، ص ۸۸)
(۱۶) الصوارم الہندیہ ۱۳۴۵ھ، مرتب مولانا حشمت علی خان قادری، نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، جنوری ۲۰۱۱ء، ص ۵۵
(۱۷) الصوارم الہندیہ ۱۳۴۵ھ، مرتب مولانا حشمت علی خان قادری، نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، جنوری ۲۰۱۱ء، ص ۵۸
(۱۸) الصوارم الہندیہ ۱۳۴۵ھ، مرتب مولانا حشمت علی خان قادری، نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، جنوری ۲۰۱۱ء، ص ۶۸
(۱۹) الصوارم الہندیہ ۱۳۴۵ھ، مرتب مولانا حشمت علی خان قادری، نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، جنوری ۲۰۱۱ء، ص ۶۸
(۲۰) مکتوباتِ مسعودی، عبدالستار طاہر، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۵ء، ص ۲۷۴۔ ۲۷۳
(۲۱) الصوارم الہندیہ ۱۳۴۵ھ، مرتب مولانا حشمت علی خان قادری، نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، جنوری ۲۰۱۱ء، ص ۷۵۔ ۷۶
(۲۲) الصوارم الہندیہ ۱۳۴۵ھ، مرتب مولانا حشمت علی خان قادری، نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، جنوری ۲۰۱۱ء، ص ۷۷
(۲۳) الصوارم الہندیہ ۱۳۴۵ھ، مرتب مولانا حشمت علی خان قادری، نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، جنوری ۲۰۱۱ء، ص ۱۰۰
(۲۴) الصوارم الہندیہ ۱۳۴۵ھ، مرتب مولانا حشمت علی خان قادری، نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، جنوری ۲۰۱۱ء، ص ۱۰۱
(۲۵) تاریخ الدولۃ المکیۃ، عبدالحق انصاری، بہاءالدین زکریا لائبریری چکوال ۲۰۰۶ء، ص ۱۱۶
(۲۶) تاریخ الدولۃ المکیۃ، عبدالحق انصاری، بہاءالدین زکریا لائبریری چکوال ۲۰۰۶ء، ص ۱۲۷

اعلیٰ حضرت ریسرچ سینٹر، مالیگاؤں، نوری مشن، مالیگاؤں

امام احمد رضا کی شاعری میں رنگ تغزل

مفتی مشتاق احمد قادری عزیزی

غزل شعر وسخن کی ایک صنف ہے اور تغزل اُسی صنف کو عمل میں لانے کا نام ہے اور شعری اصناف میں جہاں دیگر صنفیں برتی جاتی ہیں وہیں غزل بھی شعرا کی توجہات کا مرکز ہے بلکہ یہ صنف شعریت کی روح اور شعر کی مقبولیت کی ضمانت ہے غزل سے کلام میں دلکشی کا سامان فراہم ہوتا ہے غزل کی واقعیت اصابر وا کا ہر ہر طبقہ کے اصحاب سخن کے نزدیک مسلم ہے چنانچہ پروفیسر محمد فیروز شاہ (میانوال) لکھتے ہیں۔اس خوش بخت صنف سخن نے ہر دور میں اپنا تخلیقی طور زندہ رکھا، زندہ رہی اور خود سے مخلص شعراً کو زندہ تر کرتی رہی یہی زندگی عرفان نعت کی رفاقت سے سرشار ہوئی تو تابندگی میں ڈھل گئی، اور ڈاکٹر سید افضال حسین نقوی فضل فتح پوری نے تو یہ فتوی صادر کر دیا کہ نعت کو صرف غزلیہ انداز ہی میں لکھنا چاہتے نعت گوئی کا موضوعاتی مطالعہ ص (۶۵)

شعر وسخن کے تاجدار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی شاعری میں رنگ تغزل کے جلوؤں کا مشاہدہ کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تقریب ذہن کے لئے ماہر رضویات علامہ عبدالستار ہمدانی صاحب کا ایک عمدہ تاثر پیش کر دیا جائے وہ لکھتے ہیں:

حضرت رضا بریلوی نے شاعری کی تمام اصناف کو ایک نیا حسن اور رعنائی بخشی ہے۔اردو کا کوئی بھی نعت گو شاعر معلومات دینیہ کی وسعت، شریعت مطہرہ کے اسرار ورموز کی اطلاع کتاب وسنت کی شناسائی اور فضل وکمال کے نوادرات وندرت میں حضرت رضا کے مقابلے میں طفل مکتب کی بھی حیثیت نہیں رکھتا، نعت گوئی کی راہ میں پاس شریعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حزم واحتیاط کی باکمال شان دکھاتے ہوئے اور جوش وجوش کا توازن برقرار رکھتے ہوئے حضرت رضا بریلوی نے فن وادب کے جونادر نمونے اور تحفے اردو شاعری کو عطا فرما کر اردو شاعری پر جو احسان کئے ہیں رہتی دنیا تک دنیائے اردو آپ کی مرہون منت رہے گی (فن شاعری اور حسان الہند صفحہ نمبر ۳۱۶)

مقام تغزل سے متعلق تحریر کے بعد حسن تغزل کی بھی میر ضروری ہے تاکہ آگے چل کر فاضل بریلوی کی غزل نگاری ذہنوں میں متاثرانہ انداز سے بیٹھے سکے اس کے لئے علامہ اختر الحامدی کی ایک تحریر کا اقتباس ملاحظہ کریں وہ لکھتے ہیں:

نزل اُس وقت تک لطف واثر سے خالی ہوتی ہے جب تک قلب وروح آشنائے درد نہ ہو آپ (امام احمد رضا) کے کلام میں اس کی فراوانی ہے اور پوری شاعری اسی نقطہ کے گرد گردش کر رہی ہے آپ کی زندگی کا محور عشق رسول ہے اور یہی آپ کے کلام کی اساس ہے ہر شعر میں رنگ نمایاں ہے اور ہر نعت آپ کے پاکیز وجذبات کی عکاسی ہے آپ کی عقیدت رسمی یا رواجی نہیں بلکہ محبت اور شدت تعلق کے باعث اپنا مستقل وجود رکھتی ہے۔اس کی باقاعدہ بنیادیں ہیں یعنی رسول کریم سلاا اینم کی ایک ایک ادا اور ایک

ایک سنت پر عمل آپ کے پاکیزہ جذبات اور عمل و کردار سے جو حُسن تغزل پیدا ہوا ہے اس کی شعاعوں سے کلام رضا کی پوری کائنات مشور ہے اور جگمگا رہی ہے۔

شرح حدائق بخشش از علامہ غلام حسن قادری) ص ۳۰۰ مذکورہ حقائق کی روشنی میں اس تحریر کے موضوع کو سمجھنے کے لئے حدائق بخشش سے منتخب کلام کو ملاحظہ فرمائیں جن کو مفتی غلام حسین قادری نے منتخب کیا ہے امام احمد رضا فرماتے ہیں اب تو اس در پہ سجدہ ہو کہ طواف ہوش میں جو نہ ہو وہ کیا نہ کرے۔

طیبہ نہ ہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد، تمہاری یاد میں گذری تھی جاگتے شب بھر واللہ جو ہل جائے مرے گل کا پسینہ ہیں عکس چہرہ سے لب گلگوں میں سرخیاں دیکھا تھا خواب خار حرم عندلیب نے مبر کس منہ سے جلوہ داری جاناں کرتا شوق رو کے نہ ز کے پاؤں اٹھائے نہ یاد رخ میں آئیں کر کے بن میں رو یا آئی بہار۔

ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے، چلی نسیم ہوئے بند دیدہائے فلک مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دلہن پھول ڈوبا ہے بدر گل سے شفق میں ہلال گل کھن کا کیا ہے آنکھ میں شب بھر خیال گل سایہ کے نام سے بیزار ہے یکتائی دوست اٹھے کیسی مشکل میں ہیں اللہ تمنائی دوست جھومیں نسیمیں نیساں برسا کلیاں چٹکیں مہکی شاخکس بلا کی مے سے ہیں سرشار ہم دن ڈھلا ہوتے نہیں ہشیار ہم ہمت اے ضعف ان کے در پر گر کے ہوں بے تکلف سایہ دیوار ہم ناتوانی کا بھلا ہو بن گئے دل بستہ بے قرار جگر چاک اشکبار لحد میں عشق رخ شہ کا داغ لے کے چلے بچھڑی ہے گلی کیسی بگڑی ہے بنی کیسی سب طبیبوں نے دید یا ہے جوابنقش پائے طالبان یار ہم غنچہ ہوں گل ہوں برق تپاں ہوں سحاب ہوں اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے پوچھے کوئی یہ صدمہ ارمان بھرے دل سے آ ویسی اگر دوانہ کرے (شرح حدائق بخشش ص ۳۲)

ان اشعار کے علاوہ پورا حدائق بخشش دیوان نعت کہکشان عشق و محبت اور جوش غزل سے لبریز ہے ایک ایک شعر حسن ترتیب و داد کے ساتھ ذات رسالت سالی ایم سے والہانہ الفت کا گہرا سمندر ہے فاضل بریلوی سے پہلے اور بعد کے بہت سے شعراً گذرے ہیں ان کے بعد بھی دواوین نگارش غزل سے لبریز ہیں لیکن غزل کے لب ولہجہ کی جو گیرائی اور گہرائی ان کے یہاں ہے وہ کسی اور میں نہیں، اس مجموعہ کلام کے پہلے ہی شعر کو لے لیجئے اظہار عشق و مستی سے بھرا کیا انداز ہے فاضل بریلوی بارگاہ مصطفی میں پہنچ کر اپنی بے خودی میں کیسے ڈوبے ہوئے ہیں کہ انہیں اس بارگاہ ناز میں اپنے ہوش کو بھی قابو میں نہ لا سکے، ایسا عشق اور اس کا اظہار عشق لا جواب ہے دنیا میں اس کی کوئی نظیر نہیں، آئے رنگ تغزل و عشق فراواں محبت کی یکتائی فاضل بریلوی کے اس کلام میں ملاحظہ کریں۔

رخ دن ہے یا مہر سایہ بھی نہیں وہ بھی نہیں　　　شب زلف یا مشک ختا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

اس قسم کی غزل نگاری آج تک دنیا نے دیکھا نہیں کہ حضور صلی پیلم کا رخ زیادہ حسن کا گہوارہ ہے کہ دنیا کی کوئی چیز نہیں ملتی کہ جس کے بارے میں یہ کہہ دیا جائے کہ وہ حضور کے رخ کی طرح ہے حتی کہ آسمان کا ماہ منور بھی تشبیہ کے لائق نہیں اور حضور سالی ایم

کی زلف مبارک وہ حسن لئے ہوئے ہے جس کے آگے رات کی تاریکی اور اس کی عطر بیزی کے آگے دنیا کا سب سے ممتاز عطر فقن بھی اس لائق نہیں کہ اس کی مثل کہا جائے۔ حضور سی این ایم کے جلوہ زیبا کے تذکرے میں آپ کی غزل کا رنگ بام عروج پر ہے، لکھتے ہیں بلبل نے گل ان کو کیا قمری نے سرو جانفزا حیرت نے جھنجھلا کر کہا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں یعنی حضور سلام کے بارے میں مثل کہنے کا بلبل کا فیصلہ اپنی جگہ ہے اسی طرح قمری کا انہیں جانفزا کہنا اپنا عشق ہے لیکن احمد رضا اپنے محبوب کائنات کے سراپا حسن کو ان دونوں چیزوں سے بہت بلند پا رہا ہے اس لئے ہمیں اس بات پر حیرت ہے کہ لوگ ان سب چیزوں سے مشابہت دیتے ہیں۔ کلیات و دواوین قدیم وجدید ہر قسم کے شعرا کی غزل نگاری سے بھری پڑی ہیں مگر فاضلبریلوی کی نعتیہ غزلیں اپنی مثال آپ ہیں۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دئے ہیں

(خادم درزی واقعا جامعہ المسنت صادق العلوم ناسک)

امام احمد رضا خان اور ریاست بہار کی اوّلیات

مفتی صابر رضا محب القادری

یوں تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ کو عرب وعجم اور ان کے سبھی معاصر اقران نے قدر کی نگاہ سے دیکھا ،ان کی علمی سطوت، فقہی تبحر، مجتہدانہ شان وشوکت اور تجدیدی خدمات کا اعتراف کیا اور اکناف عالم سے آپ کی بارگاہ میں عقیدت کا خراج پیش کیا گیا، اپنوں کے علاوہ اغیار بھی آپ کی عظمت کے قائل اور آپ کی جانب مائل رہے ملک بیرون ملک سے آپ کے مستحکم روابط وتعلقات قائم رہے استفادہ کرنے والوں نے خوب استفادہ کیا، حاسدین ومعاندین نے خوب منفی پروپیگنڈہ کیے لیکن وہ ناکام رہے اور آج بھی ان کی عظمت مسلم ہے۔ یاد رہے جہاں دنیا کے دیگر مقامات سے کثیر علما ومشائخ کی اعلیٰ حضرت سے وابستگی تھی وہیں بہار اور یہاں کے مراکز اہل سنت علما وشیوخ سے بھی آپ کا گہرا لگاؤ تھا، علما ومشائخ سے بے پناہ محبت تھی اور یہ رشتہ محبت جانبین میں یکساں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہابیہ نے جب مخدوم بہار سیدنا شرف الدین یحیی منیری قدس سرہ کی جانب غلط باتیں منسوب کر کے اپنے باطل نظریات کو ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی تو اعلیٰ حضرت نے مخدوم بہار کی نسبت ''حجب العوار عن مخدوم بہار'' ایک مدلل دندان شکن رسالہ تحریر فرمایا مجھے لگتا ہے مخدوم بہار پہلے بزرگ ہیں جن کے دفاع میں آپ نے باضابطہ رسالہ رقم فرمایا، تاریخی حقائق اس پر شاہد عدل ہیں کہ اعلی حضرت کے معتقدین اور خلفا وتلامذہ میں بہار کے علما ومشائخ کی ایک بڑی تعداد ہے۔

اعلی حضرت اور سفر بہار:

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اعلی حضرت نے اپنی حیات میں معدودے سفر کیے، اپنی تجدیدی تصنیفی مصروفیات کے سبب زیادہ اسفار نہ کر سکے۔ چناں چہ خود ہی فرماتے ہیں: مجھے سفر سے اس درجہ کوفت ہوتی ہے کہ کسی جگہ سفر کا خیال ہوتا ہے تو دو تین دن قبل سے اس کی پریشانی رہتی ہے اور سفر سے واپسی پر دو تین دن تک اس کا اثر طبیعت میں رہتا ہے۔

ملک العلما علامہ سید ظفر الدین فاضل بہاری رقم طراز ہیں:

اعلی حضرت کا سفر ایک خاص اہتمام چاہتا اس لیے کبھی بے ضرورت تشریف نہیں لے گئے جب کبھی کہیں جانے کی دینی ضرورت پیش آتی یا مریدین کا اصرار ہوتا یا کسی دینی مدرسہ اہل سنت میں دستار بندی کا جلسہ ہوتا اور وہاں کے لوگوں اور ارا کین کی خواہش ہوتی کہ اعلی حضرت ہی کے دست مبارک سے دستار بندی ہو تو البتہ سفر کا ارادہ فرماتے تھے۔(حیات اعلی حضرت)

ماہر رضویات حضرت ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

دیگر مقامات پر سفر کے لیے وہ (اعلی حضرت) سوچتے تھے مگر عظیم آباد کے لیے وقت میں گنجائش نکال لیتے تھے اس لیے

تقریبا تین بار آپ بہار تشریف لائے، عظیم آباد پٹنہ سیٹی میں قیام فرمایا، تحفۂ حنفیہ کے مختلف شماروں میں ان کی آمد کے احوال شائع ہوئے ہیں جن کے مطالعہ سے لگتا ہے جیسے پورا شہر ان کی محبت میں وارفتہ تھا۔ (مقدمہ دربار حق وہدایت)

قارئین: میری تحریر کا عنوان اس بات کا متقاضی ہے کہ میں آج امام احمد رضا قدس سرہ سے متعلق ان احوال کا تذکرہ کروں جن میں بہار کی زمین کو اولیت حاصل ہے امام احمد رضا کا سب سے عظیم منصب مجددیت کا اعلان برصغیر غیر منقسم ہندوستان میں سب سے پہلے بہار سے ہوا۔ اس وقت دربار حق وہدایت، حیات اعلی حضرت، سوانح اعلی حضرت کئی کتب راقم پیش نظر ہیں ان کتابوں سے یہ تاریخی شہادت ملتی ہے کہ حضرت علامہ قاضی عبدالوحید فردوسی علیہ الرحمہ کے والد قاضی عبدالحمید عظیم آبادی کی کوشش اور بزرگوں کی مشاورت سے مدرسہ اہل سنت پٹنہ کا قیام عمل میں آیا، مدرسہ اہلسنت کی کہانی قاضی صاحب کی زبانی سنیں: یہاں تک دین کی تباہی اسلام کی بربادی تعلیم کی خرابی کی نوبت پہنچی تو اس احقر کے والد مغفور قاضی عبدالحمید عظیم آبادی اور بعض حامیان دین وروسان باتمکین نے اس شہر پٹنہ میں ایک مدرسہ کی اشد ضرورت سمجھی جس میں تعلیم حنفی مذہب کے موافق سنت کے مطابق ہوتا ریکی بددینی دور ہوجائے مذہب اہل سنت کا ہر سو نور ہی نور نظر آئے چناں چہ جملہ صاحبوں نے اس دینی خدمت کی انجام دہی میں نہایت سعی فرمائی اور والد مرحوم نے بخشی محلہ میں اپنا بہت بڑا موروثی مکان مدرسہ کے لیے وقف کیا اور زر کثیر مرحمت فرمایا ۷ ربیع الاول ۱۳۱۸ھ نہایت دھوم دھام کے ساتھ اس کا افتتاح ہوا شجر آرزوئے اہل سنت برآیا قارئین مدرسہ اہل سنت کے تعاون میں علما ومشائخ کی ایک بڑی جماعت نے حصہ لیا اور دین وسنیت کے گرد حصار باندھ کر مسلمانان ہند خصوصا اسلامیان بہار کی حفاظت فرمائیں، خاص طور پر جناب حضور شاہ امین احمد فردوسی صدر مجلس اہل سنت پٹنہ شاہ محی الدین قادری خانقاہ مجیبیہ جناب مولانا شاہ فدا حسین صاحب سرکار پٹنہ، حضرت سید شاہ نصیر الحق دیوان محلہ، حضرت سید شاہ عزیز الدین صاحب قمری میتن گھاٹ، حضرت تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی، اعلی حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی، مولانا فضل حق سابق مدرس مدرسہ اہل سنت پٹنہ، قاضی عبدالحمید والد قاضی عبدالوحید فردوسی، شاہ محمد کمال صاحب لودی کٹرہ، عالی جناب سید نورالہدی صاحب جج بانی مدرسہ شمس الہدی پٹنہ، جناب شاہ فصیح الدین شطاری منیری، شاہ عزیز الرحمن کا کوئی منتظم تجارت مدرسہ اہل سنت حضرت قاضی عبدالوحید فردوسی ان کی اہلیہ سبھی مدرسہ کے معاونین کی فہرست میں شامل ہیں. آمدم برسر مطلب اسی عظیم ادارہ کے پلیٹ فارم سے اس زمانے میں سات روزہ اجلاس کا انعقاد کیا گیا، اس میں غیر منقسم ہندوستان کے تقریبا تمام علمی روحانی مراکز کیسیکڑوں علما ومشائخ کی موجودگی تھی جیسے تاج الفحول حضرت مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی، مولانا اعجاز حسین رام پوری، مولانا ہدایت اللہ خان رامپوری، حضرت محدث سورتی، حافظ بخاری مولانا عبدالصمد سہسوانی، مولانا سلیمان اشرف بہاری، مولانا محمد بشیر الہ آبادی، مولانا عبدالمقتدر بدایونی سید شاہ اسماعیل حسن مارہروی، مولانا حامد رضا خاں بریلوی، مولانا حکیم عبدالقیوم بدایونی، مولانا حکیم مومن سجاد چشتی کان پوری، شاہ محی الدین پھلواروی، خلف شاہ بدرالدین پھلواروی، مولانا شاہ محمد سعید صاحب زادہ جناب حضور شاہ امین احمد فردوسی، شاہ وجیہ الدین فردوسی، شاہ عزیز الدین قمری ابوالعلائی، مولانا سید فضیلت حسین فردوسی، مولانا حافظ شاہ شہود الحق فخری اصدقی، مولانا شاہ غلام مظفر بلخی، شاہ خیرات حسین خلیفہ حضور امین احمد فردوسی، مولانا شاہ

عبدالحق شیخ پورہ، خواجہ شاہ امجد حسین بارگاہ عشق مولانا کریم رضا بیتھوی مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی وغیرہ حضرت مولانا شاہ عبد المقتدر بدایونی نے آپ کے مجدد ہونے کا اعلان کیا حضرت قاضی عبدالوحید فردوسی علیہ الرحمہ نے دربار حق وہدایت میں آپ کی تقریر کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے آپ کے نام کے ساتھ مجدد ماحاضرہ موید ملت طاہرہ اورامام اہل سنت جیسے القاب کا استعمال فرمایا، ہاں یہ اعلان سب سے پہلے بہار سے ہوا البتہ اس سے قبل علمائے عرب وعجم اپنی تحریروں میں اعلی حضرت کو مجدد، محدث اور امام لکھ رہے تھے، ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری فرماتے ہیں: جناب مستطاب، ندوہ شکن، ندوی فگن، مولانا، مولوی، قاضی عبدالوحید صاحب رئیس اعظم عظیم آباد جنھوں نے مجلس علمائے اہل سنت پٹنہ منعقدہ ۱۳۱۸ھ میں ایک پرسوز قصیدہ پڑھا اوراس میں علمائے کرام حاضرین جلسہ کی تعریف وتوصیف کی اسی میں اعلی حضرت کے متعلق لکھا: عالم اہل سنت، مصطفانا، مجدد عصر الفرد الفرید، جس کو سیکڑوں علمائے کرام نے سنا اور بخوشی قبول کیا اور کسی نے انکار نہ کیا تو گویا اس لقب پر اجماع علمائے اہل سنت وجماعت ہوا (حیات اعلی حضرت)

قارئین: آج مدارس ومراکز اہل سنت کی کثرت کے باوجود اعلی حضرت کی کتابیں شاید ہی کہیں داخل نصاب ہوں لیکن یہ اولین اعزاز بہار کو حاصل ہے کہ اس زمانے میں مدرسہ اہل سنت پٹنہ کے تدریسی نصاب میں اعلی حضرت کی بعض کتابیں باضابطہ پڑھائی جاتی تھیں جیسے علم صرف میں)(۱)علم الصیغہ محشی بحواشی امام احمد رضا (۲) منطق بدیع المیز ان کی جگہ رسالہ امام احمد رضا (۳) اصول فقہ محشی بحواشی امام احمد رضا (۴) لام رسالہ امام احمد رضا (رسالہ کا نام درج نہیں (۵) اصول حدیث شرح نخبۃ الفکر حامل المتن امام احمد رضا (۶) فارسی میں فتوح العقائد کی جگہ رسالہ عقائد امام احمد رضا (رسالہ کا نام درج نہیں) علامہ ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب فرماتے ہیں: اس عہد میں کسی دوسرے مدارس کے نصاب میں اعلی حضرت کی کتابوں کی شمولیت کا تذکرہ میرے مطالعہ سے اب تک نہیں گزرا جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی بھی مدرسہ حنفیہ (مدرسہ اہل سنت (پٹنہ کے بعد 1904 میں قائم ہوا (مقدمہ دربار حق وہدایت) راقم السطور کے ناقص مطالعہ کی روشنی میں یہ فخر بھی بہار ہی کو ہے کہ اعلی حضرت کی علمی قلمی نگارشات کی اشاعت میں تحفۂ حنفیہ پٹنہ کو اولیت حاصل ہے، اورسب سے زیادہ تحریک ندوہ کے ردوابطال میں بہار کے علماومشائخ اعلی حضرت کے شریک وسہیم رہے ہیں۔

قارئین: قاضی عبدالوحید فردوسی علیہ الرحمہ نے بڑی مختصر عمر پائی وہ قضاوقدر پر راضی ہوکر صرف ۳۷/۶۳ سال کی عمر میں اپنے خالق حقیقی سے ملاقی ہوگئے لیکن انہوں نے کم وقت میں جتنا اور جس قدر کارہائے عظیم انجام دئے وہ قابل رشک مشعل راہ اور قابل تقلید ہیں اعلی حضرت نے قاضی صاحب کو حامی سنن، ماحی فتن، ندوہ شکن، ندوی فگن، مولانا وحید زمن، صین عین الفتن وحوادث الزمن وغیرہ القاب سے یاد فرمایا اپنے ایک مکتوب ۱۳۱۲ھ میں حاجی لعل خاں صاحب کو آپ نے لکھا:

آپ اور مولانا قاضی عبدالوحید اور مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی کی شان کا ایک ایک سنی بھی ہر شہر میں ہوجائے تو ان شاءاللہ تعالی اہل سنت کا طوطی بولیگا ڈاکٹر امجد صاحب قبلہ لکھتے ہیں: قاضی صاحب نے کل 37 سال کی عمر پائی مگر کارنامے کے اعتبار سے سوسال کی عمر والوں پر سبقت لے گئے، اشاعت سنت، خدمت دین متین اور رد بدعات ومنکرات میں آپ کی خدمات

ہمیشہ کے لیے تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہو گئے ہیں جنہیں کوئی مٹا نہیں سکتا) ۔ (مقدمہ دربار حق وہدایت)

آپ کو خوشی ہوگی کہ ایک بہاری طالب علم جو بعد میں اعلی حضرت کے تلمیذ وخلیفہ اور اپنے معاصروا قران میں ملک العلما ثابت ہوئے ان ہی کی تحریک پر جامعہ رضویہ منظر اسلام کی بنیاد رکھی گئی، اور اعلی حضرت کی شخصیت سیرت خدمات اور کارناموں پر ضخیم جامع مفصل سوانح حیات بنام حیات اعلی حضرت لکھنے کا شرف بھی فاضل بہاری ہی کو حاصل ہوا، گویا رضویات کی بنیاد آپ نے فراہم کی، ملک العلما فاضل بہاری بارگاہ اعلی حضرت میں بڑے عزیز تھے اعلی حضرت نے اپنے مکتوبات میں ان کو ولدی الاعز، حبیبی وولدی وقر عینی، ولدی وقر عینی برادر دینی ویقینی ولدی اعزک اللہ فی الدنیا والدین، ولدی الاعز حامی السنن ماحی الفتن، جان پدر بلکہ از جان بہتر وغیرہ وغیرہ لکھ کر مخاطب فرمایا ہے۔

ملک العلما کی انفرادیت اور اعلی حضرت کا اعتماد، شفقت، ومحبت ملاحظہ کریں انہوں نے ناظم انجمن نعمانی ہند لاہور خلیفہ تاج الدین جو اپنے ایک مکتوب میں فرمایا: مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہ فقیر کے یہاں کے اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجاں عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتا میں میرے معین ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں سب سے یہ زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا! سنی خالص مخلص نہایت صحیح العقیدہ ہادی مہدی ہیں۔ عام درسیات میں بفضلہ تعالی عاجز نہیں، مفتی ہیں، مصنف ہیں، واعظ ہیں، مناظرہ بعونہ تعالی کر سکتے ہیں۔ علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ متذکرہ مکتوب کی روشنی میں بلا مبالغہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ فاضل بہاری علیہ الرحمہ علوم وفنون میں اعلی حضرت کے وارث اور علوم نادرہ میں اعلی حضرت کے بعد انفرادی شان وشوکت کے حامل تھے، آپ کو حیرت ہوگی کہ اعلی حضرت پر ریسرچ تحقیق ڈاکٹریت کرنے میں بھی بہار مقدم ہے سب سے پہلے 1979 میں ڈاکٹر حسن رضا خان نے امام احمد رضا فاضل بریلوی کی فقہی خدمات پر پی ایچ ڈی کی ان کے بعد امام کی شخصیت خدمات پر سیکڑوں علما دانش وران نے اب تک پی ایچ ڈی کیے ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے ان پی ایچ ڈی کرنے والوں میں زیادہ تر بہار کے علما دانشوران ہیں، جی ہاں یہ بہار ہے یہیں کے ایک بزرگ نے اعلی حضرت کی شخصیت کو حق وباطل کی پہچان کے لیے نشان امتیاز بتایا فارق بین الحق والباطل قرار دیا واقعہ یوں ہے علامہ قادر بخش سہسرامی بہاری سے کسی نے پوچھا مولانا سنی وہابی کی پہچان کیا ہے؟ ایسی بات بتائیں جس کو ہم لوگ کر سکیں اور اس کے ذریعہ سنی وہابی کو پہچان سکیں، انہوں نے فرمایا ایسا آسان کھرا قاعدہ بتا دیتا ہوں اس سے اچھا ملنا مشکل ہے آپ جب کسی کے بارے مشتبہ میں ہوں کہ سنی ہے یا وہابی بدمذہب تو اس کے سامنے مولانا احمد رضا بریلوی کا ذکر چھیڑ دیجیئے اور اس کے چہرہ کو بغور دیکھیئے اگر چہرہ پر بشاشت خوشی کے آثار دیکھیے تو یقین جانیے کہ سنی ہے اور اگر چہرہ پر پژمردگی وکدورت دیکھیئے تو سمجھ جائیں کہ وہابی ہے اگر وہابی نہیں تب بھی اس میں کسی قسم کی بے دینی ضرور ہے اس زمانے میں لا یحبہ الا مومن ولا یبغضہ الا منافق (ان سے محبت تو وہی کریگا جو مومن ہوگا اور بغض وہی رکھے گا جو منافق) اس میں یہ ضمیریں مولانا احمد رضا خان صاحب کی طرف پھرتی ہیں (حیات اعلی حضرت سوانح اعلی حضرت) اعلی حضرت کے میخانہ علم ومعرفت سے سیراب ہونے والے بہاری خلفا اور تلامذہ میں

علامہ سید عبدالرشید عظیم آبادی، ملک العلما علامہ ظفر الدین، فاضل بہاری قاضی عبدالوحید فردوسی، علامہ سید سلیمان اشرف بہاری، مفتی سید غیاث الدین رجہتی، مفتی رحیم بخش مظفر پوری، علامہ سید عبدالرحمن گیاوی، علامہ خلیل الرحمن بہاری، مفتی رحیم بخش آروی جیسے کثیر آفتاب ماہتاب ہوئے جنہوں نے دین کی تبلیغ مسلک حق کی اشاعت اعلیٰ حضرت کے نظریات حقہ کے فروغ میں کلیدی کردار ادا کیے اور عہد حاضر میں بھی بہاری علما ومشائخ کی ایک بڑی جماعت فروغ رضویات رضا شناسی میں روز وشب مصروف ہیں اس حوالے سے کام کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد ہے لیکن ان میں مناظر اسلام فقیہ النفس علامہ مفتی مطیع الرحمن مضطر رضوی مدظلہ العالی، ماہر رضویات مفتی ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب قاضی شریعت پٹنہ، فقیہ ملت علامہ مفتی حسن رضا نوری صدر مفتی ادارہ شرعیہ پٹنہ، محقق رضویات ڈاکٹر حسن رضا پی ایچ ڈی پٹنہ، امیر القلم علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی، فقیہ اہلسنت حضرت علامہ مفتی مبشر رضا ازہر مصباحی بانی قاضی شریعت بھیونڈی، ادیب شہیر مولانا احمد رضا احمد کلیان، ناشر مسلک اعلیٰ حضرت مولانا مسعود رضا قادری وغیرہ خاص طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

القلم فاؤنڈیشن پٹنہ

تحقیق و تطبیق کے سلطان امام احمد رضا خان

مفتی عبدالصمد رضوی مصباحی

جب کسی ایک ہی مسئلہ میں ائمہ کرام کے اقوال مختلف ہوں اور فقہا کی تحقیقات متضاد ہوں تو ان کے ایسے محمل و معانی بیان کرنا اور ایسی توضیح و تشریح کرنا کہ اختلاف دور ہو جائے اور ائمہ و فقہا کے اقوال اپنی اپنی جگہ منطبق ہو جائیں بہت ہی زیادہ وسعت علم اور دقت نظر کا متقاضی ہے۔

فقیہ فقید المثال؛ نائب امام اعظم؛ مجدد اعظم امام احمد رضا خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات قدسی صفات نے ایسے بے شمار مسائل جو مختلف اقوال اور متضاد تحقیقات کی بنا پر بے حد پیچیدہ تھے ان کو حل فرمایا اور خداداد صلاحیت سے مختلف اقوال کی ایسی تشریح و توضیح فرمائی اور مطابقت کی ایسی راہ نکالی کہ اہل علم و فضل کی طبیعت جھوم جاتی ہے۔

نماز اللہ تعالیٰ کی عبادت اور فرائض میں سب سے اہم ہے۔ بایں سبب اندرون نماز اور بیرون نماز کے احکام بھی جداگانہ ہیں۔ مثلا کھانا، پینا اور بات کرنا وغیرہ بیرون نماز مباح ہیں مگر ابتدائے نماز سے اختتام تک وہی چیزیں حرام ہو گئیں ۔۔۔۔۔مگر فقہائے کرام اس قاعدہ سے امام کو لقمہ دینے کا جو مسئلہ ہے اسے ضرورتا مستثنیٰ یعنی خارج مانا ہے۔ حالانکہ ''لقمہ دینا'' درحقیقت امام سے کلام کرنا ہے کہ آپ یہ بھول گئے ہیں یا یہاں یہ غلطی ہوئی ہے۔

چار رکعت والی نماز میں قعدۂ اولیٰ کیے بغیر امام تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا اور مقتدی نے ''سبحان اللہ؛ اللہ اکبر'' کہہ کر لقمہ دیا تو اس مقتدی کی نماز ہوگی یا نہیں؟ حقیقت تو یہی ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی کیوں کہ تیسری رکعت کے لیے امام جب کھڑا ہو گیا تو اب لقمہ دینا بالکل ہی غلط اور بے معنی ہوا۔

اور امام کرخی سے بھی اسی طرح منقول ہے کہ طرفین کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ مگر امام ابن نجیم نے مجتبیٰ کے حوالے سے ایک قول نقل کیا ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوگی۔

جیسا کہ بحر الرائق میں ہے: ''رأيته في المجتبى قال ولو قام الى الثالث في الظهر قبل أن يقعد فقال المقتدي سبحان الله لا تفسد و عن الكرخي تفسد عندهما'' تو مسئلہ ایک مگر حکم مختلف ہو گئے بعض کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوئی اور بعض کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے اس مختلف فیہ مسئلہ کے درمیان ایسی نفیس تطبیق دی کہ اختلاف ہی جاتا رہا اور صورت مسئلہ بالکل متفق علیہ ہو گئی۔

اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں: ''اقول و بالله التوفيق: لا يبعد ان يكون قام في القيل للارادة كقوله تعالى يا ايها الذين آمنوا اذا

قمتم الی الصلوۃ و فی روایۃ الکرخی للحقیق کقولہ تعالی و انہ لما قام عبد اللہ یدعوہ الآیۃ و ھذا جمع کما تری حسن ان شاء اللہ تعالی" یعنی جن کے یہاں نماز فاسد نہیں ہوگی ان کے یہاں قیام سے ارادۂ قیام مراد ہے کہ امام ابھی کھڑا نہیں ہوا تھا بلکہ کھڑا ہونا چاہ رہا تھا تو مقتدی کا لقمہ بروقت اور برمحل ہے اور اس صورت میں کسی کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔ اور امام کرخی والی روایت میں قیام سے حقیقی قیام مراد ہے کہ امام کھڑا ہو چکا تب اس نے لقمہ دیا اور اس صورت میں یقینی اور متفقہ طور پہ تمام فقہا کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔

مسئلہ تعزیت

تدفین کے بعد میت کے مکان پہ آ کر تعزیت کرنے کے مسئلہ میں فقہائے کرام کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔

جوہرہ، درمختار، شامی اور مدخل ابن الحاج کی عبارتوں سے یہ ظاہر ہے کہ میت کے یہاں آ کر تعزیت کرنا مستحب اور مندوب ہے جب کہ اس کے برعکس مراقی الفلاح کی عبارت اس بات کا پتا دیتی ہے کہ میت کے گھر جا کر تعزیت بجالانا مکروہ ہے اور بعد دفن لوگوں کا متفرق و منتشر ہو جانا بہتر ہے۔ محقق بریلوی امام احمد رضا خان نے کمال وسعت نظر سے بڑی نفیس تطبیق فرمائی ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: "بالجملہ قول فیصل جس سے اختلاف زائل اور توفیق حاصل ہو یہ ہے کہ نفس تعزیت و دعا و ایصال ثواب محمود و مندوب اور وقت دعا ہاتھ اٹھانا بھی جائز اور اگر کوئی شخص اولیاے میت کے مکان پر جا کر تعزیت کرائے تو بھی قطعا روا۔۔۔۔۔۔۔ مگر اولیا کا خاص اسی قصد سے بیٹھنا اور لوگوں کا ان کے پاس ہجوم و مجمع کرنا خواہ قبل دفن ہو یا بعد اسی وقت آ کر ہو یا اور کبھی مکان میت پر ہو یا کہیں اور بہر طور جائز و مباح ہے جب کہ منکرات شرعیہ سے خالی ہو مگر اس کا نہ کرنا افضل ہے نہ کہ مطلقا حرام اور گناہ اور فاعل مبتدع و گمراہ ٹھہرے" یعنی جن فقہا نے تعزیت کو محمود و مندوب کہا اور مستحسن قرار دیا ہے یہ اس وقت تھا جب اس کے ساتھ خلاف شرع حرکتیں نہ تھیں وہاں جا کر ایصال ثواب؛ دعا مغفرت اور وارثین کو تسکین دی جاتی تھی لیکن جب جاہلوں اور گنواروں نے جاہلیت کے مراسم ملا دیے اور ممنوع باتوں کا ارتکاب ہونے لگا تو علماے متاخرین نے اسے ناپسند فرمایا اور منتشر و متفرق ہو جانے کا حکم لگایا لیکن جب منکرات و فواحش سے خالی ہو تو جواز میں کلام نہیں ہے۔

امام و خطیب سنی ابراہیمیہ مسجد دھاراوی ممبئی

کنز الایمان کے بین الاقوامی تراجم

مولانا احمد حسن رضوی

قرآن مقدس ایک الہامی کتاب ہے اس میں بنی نوع انسانی کے لئے ایک بہترین لائحہ زندگی ہے اس عظیم مقدس الہامی کتا ب کے ذریعے سے انسان کامیاب زندگی کی منزلیں طے کرتے ہوئے صراط مستقیم پر گامزن ہوسکتا ہے۔ یہ الہامی کتاب عربی زبان میں نازل ہوئی عربی سمجھنے والے اس کے اسرار ورموز سے واقف ہوگئے مگر جب یہ عظیم قرآن مقدس اپنی عربی زبان کی حدود سے باہر عجم کی سرزمین پر اپنا بال و پر پھیلا شروع کیا تو وہاں کے باشندے اس کے احوال وقاعدے سے بے خبر رہے تدریجاً! دونوں زبانوں کے ماہرین میں اس ترجمے کئے جس سے اس الہامی کتاب کی راز سربستہ عجمی لوگوں کے درمیان عیاں ہونے لگی منشہ الٰہی کو دریافت کرتے ہوئے ،مقصدی حیات کو، کامیاب بنانے میں جدوجہت کرنے لگے۔ ان ہی عجمی زبانوں میں سے ایک اردو زبان بھی ہے۔ یہاں بھی یہ قرآن مقدس اپنی آیات بینات کو لیکر کمند ڈالنے لگی۔ عرفبی زبان کے کئی ماہرین اور اسلامی علوم وفنون سے لیث علما کرام اور دانشوران قوم نے دونوں زبان کے ماہرین نے ترجمہ شروع کی۔ مگر ان میں اکثر مترجمین منشہ الٰہی کو نہ سمجھ پا کر صراط مستقیم سے بہک گئے۔ اپنے ایمان وعقیدے کے دامن کو تار تار کردیا۔ اسی دور میں علوم اسلامی کا ایک عظیم مجاہد عربی اور اردو زبان میں ید طولیٰ رکھنے والی مرکزی شخصیت جس کو دنیائے اہل علم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے نام سے جانتی ہے۔ ان کا دور مختلف فتنوں اور گمراہ تحریکات کا دور تھا۔ انہی گم گشتہ دانشوروں اور کج فہم افکار ونظریات کے حامل افراد کے درمیان امام احمد رضا نے منشہ الٰہی کے مطابق ایسا نکھرا اور ستھرا ترجمہ کیا کہ اردو داں طبقہ قرآن مقدس کے اسرار ورموز اور آیات بینات کے تفہیمات کو پاکر عش عش کرنے لگے ان کے دلوں میں ایمان کی حلاوت طلاطم کرنے لگی جو اس کا متقاضی تھا۔ اور اس مجدد اعظم نے اس ترجمے کا نام کنز الایمان رکھا۔ اس ترجمہ کے آتے ہی دیگر مترجمین کے کفری اور گمراہ کن عبارتیں سامنے آگئیں ان کے ایمان وعقیدے کے سامنے سوالیہ نشان لگ گیا۔ کنز الایمان کثرت سے شائع ہونے لگی یہاں تک کہ یہ ترجمہ بین الاقوامی زبانوں پر کمند ڈالنے۔ لگا ایمانی وعرفانی مٹھاس سے لبریز یہ کنز الایمان عرطب کے سرزمین پر قدم رکھا۔ اس کی مقبولیت کو دیکھ کر حاسدین عداوت پر اتر آئے اور علما عرب کی چاپلوسی کرتے طہو ئے اس پر پابندی لگوادی اس کے تعلق سے یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

۱۹۸۲ء میں پاک و ہند کے بعض متعصب ومتشدد دیوبندی، تبلیغی ، وہابی علماء اور جماعت اسلامی کے اراکین نے ''کنز الایمان'' کی مقبولیت اور امام احمد رضا کی ہمہ جہت شخصیت کی روز افزوں شہرت سے خوزدہ ہوکر ''رابطہ عالم اسلامی'' (جس کا ھیڈ کوارٹر جدہ میں ہے) کے پلیٹ فارم کو بطور ڈھال استعمال کرتے ہوئے امام احمد رضا کے ترجمہ قرآن ''کنز الایمان'' اور اس کے حاشیہ ''خزائن العرفان'' پابندی لگوائی اور پھر ''رابطہ عالم اسلامی'' کی اپیل اور سفارش پر سعودی عرب اور خلیج کی ریاستوں نے اپنے

اپنے ملک میں اس کے داخلہ اور اشاعت پر پابندی لگائی۔ اس کی خبر اخبار ''خلیج ٹائمز''۔ مورخہ ۵ / مارچ ۱۹۸۲ء ص ۲ (متحدہ عرب امارات) پر شائع کرائی گئی اور یہی خبر ''رابطہ عالم اسلامی'' کے اخبار مورخہ ۲ / مئی ۱۹۸۲ء (جدہ) میں بھی شائع ہوئی۔ ان دونوں اخبارات کا موقف یہ تھا، ترجمہ قرآن اور اس کا حاشیہ اس خبر سے دنیائے اہل سنت اور عاشقان مصطفی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے صف میں ہلچل مچ گئی، ہر طرف سے سعودی حکومت اور وہاں کے علماء کے خلاف احتجاج شروع ہوا، یہاں تک کہ ان کو اپنا فیطلہ واپس لینا پڑا۔

عالم اسلام کی عبقری دینی وعصری درسگاہ جامعہ الازہر کے شیخ کا کنزالایمان کے تعلق سے یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں شیخ الازہر سید محمد طنطاوی مدظلہ العالی اور ان کے زیر نگرانی چلنے والا تحقیقی ادارہ مجمع البحوث الاسلامی (مرکز یہ تحقیقا تاسلامی) کے محقق علماء نے کنزالایمان کے مستند اور معتبر ہونے پر مہر تصدیق ثبت فرمادی ہیں، (ایضا)۔

مزید فرماتے ہیں۔ اس سلسلے میں شیخ الازہر کی سرپرستی مجمع البحوث الاسلامی قاہرہ نے ایک سرٹیفکیٹ کا بھی اجرا کیا ہے۔ یہ سند ہندوستان میں اہل سنت والجماعت کے عظیم ترین ادارہ الجامعہ الاشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ یوپی کی کوششوں سے کی گئی ہے۔ (ایضا)۔

میری محدود معلومات کے مطابق آج تک کسی کے ترجمے وتفسیر کے خصوصیات واہمیت پر عصری جامعات سے تحقیق کا موضوع لے کر ڈاکٹری (ph.d) کا سند حاصل نہیں کیا ہے۔ مگر جب کنزالایمان کی بات آتی ہے تو سیکڑوں دانشوروں نے ان کی لسانی، ادبی، تحقیقی، سلاست روانی اور بالخصوص محبت رسول سے لبریز، کا موضوع بنا کر مقالات تحریر کی ہیں اور پی ایچ ڈی کا عنوان بھی دیا ہے۔

پروفیسر مسعود احمد خان علیہ الرحمہ کا اس تعلق سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔ بلاشبہ امام احمد رضا خان قدس سرہ العزیز پر اللہ تبارک وتعالی اور اس کے حبیب لبیب، رسول روف ورحیم کا خاص کرم تھا، انہی خصوصیات کی بناء پر امام احمد رضا کے ترجمہ قرآن کو دنیائے وآگہی میں ایک گونہ پذیرائی ہوئی اور روز افزوں مقبولیت حاصل ہوئی، یہ واحد ترجمہ قرآن ہے جس کی خصوصیات فنی، علمی اور ادبی خوبیوں پر اس کی اشاعت سے لے کر آج تک سینکڑوں مقالات اور ہزاروں تبصرے لکھے جاچکے ہیں، یہ امتیاز کسی اور ترجمہ کو حاصل نہیں۔ متعدد اسکالرز ملکی جامعات میں کنزالایمان کو ام فل اور پی ایچ ڈی کی تھیسیس کا موضوع بنا رہے ہیں۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کے جنرل سکریٹری پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ زید مجدہ نے کنزالایمان کے حوالے سے 1993 میں ڈاکٹریٹ کے سند حاصل کی جو کتابی صورت میں ادارہ ہذا کی جانب 1999 میں شائع ہوچکی ہے۔ برصغیر پاک وہند وبنگلہ دیش کے بے شمار علماء نے کنزالایمان کی جامعیت، ادبیت، معنویت، مقصدیت، زبان وبیان کی چاشنی اور سلاست روانی کی خوبیوں کو خراج تحسین کرتے ہوئے اس کو تمام سابقہ معروف تفاسیر کا نچوڑ قرار دیا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری کے علاوہ کئی مکتبہ فکر کے علماء ومفکرین نے کنزالایمان کی خصوصیات پر خامہ فرسائی کی ہیں۔ ان ہی خصوصیات کی وجہ سے اس کا ترجمہ بین الاقوامی زبان پر ہوا ہے تاکہ اس کی حلاوت سے لوگ اپنی تشنگی بجھا سکیں۔

کنزالایمان کی اس مختصر سی خصوصیات پیش کرنے کے بعد میں اپنے موضوع کا ایک مطالعہ گوشہ گزار کرتا ہوں، کثیر تعداد میں

علماء واسکالرز نے بین الاقوامی زبانوں کے واقف کاروں کی سہولت کے لیے کنزالایمان کا ترجمہ کیا ہے مزید اس پہلو سے کام کرنے والے کررہے ہیں۔ بین الاقوامی زبانوں میں جس کا گراف زیادہ ہے وہ انگریزی زبان ہے۔ یہاں ان اشخاص کا نام ذکر کرتا ہوں جنہوں نے کنزالایمان کا ترجمہ انگریزی میں کیا ہے۔(1) پروفیسر محمد حنیف اختر فاطمی، انگلینڈ۔۔(2) پروفیسر شاہ فریدالحق، کراچی۔(3) ڈاکٹر اے مجید اولک، لاہور۔(4) ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم، مارہروی (5) سید آل رسول حسنین میاں نظمی، مارہروی۔

ڈچ، یہ یورپ کی زبانوں میں سے ایک ہے۔ مولانا غلام رسول قادری، ایمسٹرڈم نے کنزالایمان کا ترجمہ اس زبان میں کیا ہے۔

ہندی میں (1) مولانا نورالدین نظامی، رامپور۔(2) سید ال رسول حسنین میاں نظمی، مارہروی (3) مفتی عبدالقدیر (4) توفیق رضوی۔

ترکی، زبان میں مولانا اسماعیل حقی، ایمسٹرڈم نے کیا ہے۔۔

بنگلہ زبان میں عبدالمنان، چٹاگانگ، بنگلہ دیش اور سندھی میں مفتی محمد رحیم سکندری، پیرجو گوتھ سندھ۔

کرول، یہ ماریشش کی زبان ہے مولانا نجیب ضیاء مصباحی نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ پشتو۔ اس زبان میں قاری نورالہدی نعیمی اور بروہی (بلوچستانی) میں مولانا عبدالغفار حلیمی نے کیا ہے۔ (کنزالایمان، پس منظر و پیش منظر)

میری محدود معلومات کے مطابق یہ چند بین الاقوامی زبانوں میں کنزالایمان کا ترجمہ ہوا ہے۔ مزید اس سے بھی زیادہ ہو سکتا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق تقریباً ایک سو سے زیادہ علماء و دانشوروں نے اور مفکرین واسلامی اسکالرز نے خامہ فرسائی ہے۔ جن کا مطالعہ قرآن مقدس کے مترجمین کے لیے راہ ہدایت ہے۔

الغرض امام اہل سنت علیہ الرحمہ کنزالایمان کے علاوہ ہزاروں ایسے کارنامے انجام دیئے ہیں جو آئندہ کئی صدی تک آنے والے نسلوں تک کئی سوالوں کے جوابات ہیں اور ہر نت نئے فتنوں کا سدباب بھی ہے۔

اسلامی تعلیمات کے مدمقابل کوئی فتنہ یا تحریک اپنے چہرے پر کیسا ہی چمک دمک والا لیبل لگا کر آیا ہو کلک رضا کی برق بارو ار سے وہ بچ نہیں سکتا آن کی تمام تر گمراہیات تارعنکبوت کیطرح زمین بوس ہوتی نظر آئے گی۔ قائد اہلسنت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے اس اقتباس پر اپنا موضوع سمیٹتا ہوں۔

تاریخ شاہد ہے کہ وقت کا بڑے سے بڑا فتنہ چاہے اپنے چہرے پر کتنا ہی نقاب ڈال کر سامنے آیا ہو اعلی حضرت علیہ الرحمہ کے قلم کی ضرب سے پاش پاش ہوکر رہ گیا۔ باطل کی آمیزش سے اسلام کو پاک کرنے کے لیے انھیں چومکھی لڑائی لڑنی پڑی، فتنہ چاہے اندر کا ہو یا باہر کا ہو ان کے قلم کی تلوار یکساں طور پر سب کے خلاف نبرد آزما رہی۔ عمل تطہیر کی اس مہم کے پیچھے نہ کسی حکومت کی سرپرستی تھی نہ کسی دولت مند کی منت پذیری۔ (تقدیم سوانح اعلیحضرت۔)

ایڈیٹر: ماہنامہ بطحا حیدرآباد

طبقات فقہا میں امام احمد رضا کا مقام

مولانا محمد مبارک حسین الغوثی

مبسملاً حامداً و مصلیاً و مسلماً

علامہ سید شریف جرجانی فقہ کی تعریف میں لکھتے ہیں: "الفقه: هو في اللغة: عبارة عن فهم غرض المتكلم من كلامه. وفي الاصطلاح: هو العلم بالأحكام الشرعية العلمية المكتسب من أدلتها التفصيلية" [التعریفات، ص:۲۱۶، دار الديان للتراث] جب کسی کے اندر فقہی تبحر آ جائے تو اہل فقہ ان کو فقیہ کہتے ہیں۔ انہی جماعت فقہا میں ایک روشن نام امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کا ہے جو چودہویں صدی کے ایک ایسے عالم ربانی، مفتی بے مثیل، شاعر خوش فکر، محقق بے بدل تھے جن کی نظیر دور دور تک نظر نہیں آتی ہے، آپ نے اپنے فتاوے میں ایسی تحقیقات پیش کیں جس کی وجہ سے علماے زمانہ نے آپ کو اپنے وقت کا عظیم محقق تسلیم کیا، آپ کے علمی استحضار اور فکری تحقیقات میں منصفانہ نظر ڈالنے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ آپ صرف محقق ہی نہیں بلکہ اپنے وقت کے مجتہد بھی تھے۔ علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ (پاکستان) اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے فقہی مقام کے حوالے سے اپنے ایک مقالہ {امام احمد رضا کا فقہی مقام} میں تحریر فرماتے ہیں: "اعلیٰ حضرت میں اصولیین، فقہا اور متوصفین تینوں کی تعریفات کے اعتبار سے فقہ کی معنویت پائی جاتی ہے۔ طبقات فقہا کے اعتبار سے اعلیٰ حضرت کا موازنہ کریں، تو پتہ چلتا ہے کہ قواعد شرعیہ وضع کرنے کی وجہ سے آپ میں طبقۂ اولیٰ یعنی ائمۂ اربعہ کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔ غیر منصوص مسائل کو قواعد امام سے استخراج کرنے کی وجہ سے خصاف اور طحاوی کی طرح طبقہ ثالثہ میں قدم راسخ رکھتے ہیں۔ روایات میں ترجیح و تفصیل کے سبب سے طبقہ رابعہ و خامسہ کے فقہا سے کسی طرح کم نہیں۔ فقہ کا کوئی باب ایسا نہیں جس میں فقہاے سابقین کی تصریحات سے زیادہ مسائل نہ متفرع کیے ہوں۔ جو امور متقدمین کی نظر سے مخفی رہ گئے انہیں انتہائی لطافت کے ساتھ واضح کر کے دلائل و براہین سے مزین کیا۔" [ماہنامہ المیزان بمبئی امام احمد رضا نمبر، ص:۲۰۷، تاریخ اشاعت: ۲۶/مارچ ۱۹۷۶ء]

علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ نے فقہا کو سات طبقوں میں تقسیم کیا ہے اور ان کے الگ الگ مراتب یعنی مجتہد فی الشرع، مجتہد فی المذہب، مجتہد فی المسائل، اصحاب تخریج، اصحاب ترجیح، اصحاب تمییز، مقلد محض بیان کیے ہیں چناں چہ وہ اپنی کتاب شرح عقود رسم المفتی میں طبقات فقہا کی تعداد اور ان کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

طبقات فقہا سات ہیں:

پہلا طبقہ مجتہد فی الشرع کا ہے، جیسے: ائمۂ اربعہ اور جو ان کے قائم کردہ اصولوں کی پابندی کر کے ادلۂ اربعہ سے احکام فرعیہ کو مستنبط و مستخرج کرتے ہیں بغیر کسی کی تقلید کیے، نہ فروع میں اور نہ اصول میں۔

دوسرا طبقہ مجتہد فی المذہب کا ہے، جیسے: امام ابو یوسف و امام محمد اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تمام شاگرد جو اپنے استاذ کے

مقررہ قواعد کے مطابق مذکورہ دلیلوں سے احکام کو نکالنے پر قادر ہیں، وہ حضرات بعض احکام فروع میں اپنے استاذ کی مخالفت کر سکتے ہیں لیکن قواعد اصول میں اپنے استاذ کے مقلد ہوں گے۔

تیسرا طبقہ مجتہد فی المسائل کا ہے، یعنی جن مسائل میں صاحب مذہب کی کوئی روایت موجود نہ ہو۔ اس طبقہ میں امام خصاف، امام ابوجعفر طحاوی، امام ابوالحسن کرخی، امام شمس الائمہ حلوانی، امام شمس الائمہ سرخسی، امام فخر الاسلام بزدوی اور امام فخر الدین قاضی خان وغیرہ آتے ہیں۔ یہ حضرات اصول و فروع میں امام کی مخالفت نہیں کر سکتے ہیں لیکن جن مسائل کے بارے امام سے کوئی نص وارد نہ ہو تو امام کے مقرر کردہ اصول و ضوابط کے مطابق ان مسائل کے استنباط پر قادر ہیں۔

چوتھا طبقہ اصحاب تخریج کا ہے جو مقلد ہیں، جیسے: امام رازی وغیرہ کہ یہ لوگ اصلاً اجتہاد پر قادر نہیں لیکن اصول اور مأخذ کا احاطہ کی وجہ سے قول مجمل، دو مختلف وجہیں رکھنے والے مسائل کو صاحب مذہب یا ان کے شاگردوں میں سے کسی کی رائے کے مطابق تفصیل کرنے پر قادر ہیں جیسے صاحب ہدایہ بعض جگہ فرماتے ہیں کذا في تخریج الکرخي، و تخریج الرازي۔

پانچواں طبقہ اصحاب ترجیح کا ہے جو مقلد ہیں، جیسے: ابوالحسن قدوری، صاحب ہدایہ اور ان جیسے دیگر حضرات، یہ لوگ بعض روایات کو بعض دوسرے پر اپنے قول: ھذا أولیٰ، ھذا أصح روایة، ھذا أوفق للقیاس، ھذا أرفق للناس کے ذریعہ ترجیح دیتے ہیں۔

چھٹا طبقہ اصحاب تمیز کا ہے: یہ حضرات اقویٰ، قوي، ضعیف، ظاہر الروایة، ظاہر المذہب، روایة نادرة کے درمیان تمیز کرتے ہیں جیسے: متون معتبرہ کے مصنفین جیسے: صاحب کنز، صاحب مختار، صاحب وقایة، صاحب مجمع۔ اور یہ حضرات اپنی کتابوں میں اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ نقل نہیں کرتے ہیں۔

ساتواں طبقہ مقلدین محض کا ہے جو اوپر ذکر کردہ امور میں سے کسی پر قادر نہیں ہیں اور یہ حضرات محض فتاوی کو نقل کر سکتے ہیں جو آج کل دارالافتا میں فتویٰ نویسی کا کام انجام دیتے ہیں۔ [ماخوذ: از؛ عقود رسم المفتی: ۴۹ تا ۵۴، زکریا بکڈ پو، دیوبند]

امام اہل سنت کی تحقیقات پر غائرانہ نظر ڈالنے سے یہ واشگاف ہوتا ہے کہ بعض مقامات پر جہاں خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ جیسے محقق و فقیہ توقف کرتے نظر آتے ہیں وہاں امام اہل سنت امام احمد رضا قدس سرہ قول فیصل لکھتے نظر آتے ہیں۔ میرے اس دعویٰ پر یہ مسئلہ بین ثبوت ہے کہ قرآن افضل ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اس پر علامہ شامی نے توقف فرمایا مگر امام اہل سنت نے فرمایا کہ مجھ پر واضح ہے کہ قرآن سے کاغذ وسیاہی مراد ہو تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افضل ہیں اور جب قرآن سے کلام الٰہی مراد ہو تو قرآن افضل ہے، یہ مسئلہ صدیوں سے چل رہا تھا اور تقریباً فقہاے کرام نے توقف کا قول کیا اور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے اپنے قوت اجتھاد سے حل فرمایا اور دلائل و شواہد کی روشنی میں امت مسلمہ کو ایک لاینحل مسئلہ سے آگاہ فرمایا:

> جد الممتار حاشیہ رد المحتار میں لکھتے ہیں: "(قوله والأحوط الوقف): أقول لا حاجة الی الوقف، والمسئلة واضحة الحکم عندي بتوفیق اللہ تعالیٰ فان القرآن ان أرید به المصحف أعني القرطاس والمداد فلاشک أنه حادث وکل حادث مخلوق وکل مخلوق فالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أفضل منه۔ ان أرید به

كلام الله تعالىٰ الذي هو صفته فلاشک أن صفاته تعالىٰ أفضل من جميع المخلوقات وكيف يساوي غيره ماليس بغيره تعالىٰ ذكره وبه يكون التوفيق بين القولين" [جد الممتار على رد المحتار، كتاب الطهارة، أبحاث الغسل، ج: ١، ص: ٥٢١، مكتبة المدينة]

یعنی اس مسئلہ میں توقف کی حاجت نہیں اور مسئلہ کا حکم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میرے نزدیک واضح ہے اس لیے کہ قرآن سے اگر قرطاس و مداد مراد ہوں تو یہ یقیناً حادث ہیں اور ہر حادث مخلوق ہے اور ہر مخلوق سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں۔ اور اگر کلام اللہ مراد ہو جو صفت الٰہی ہے تو بے شک خدا کی صفات تمام مخلوقات سے افضل ہے اور غیر اللہ اس کے مساوی کیسے ہوگا جو غیر اللہ نہیں۔ اس توجیہ سے دونوں قول میں تطبیق ہو جائے گی۔'' [ترجمہ: از فتاوی تاج الشریعہ، ج: ۱، ص: ۱۹۷، ۱۹۸]

فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ بھی مرقوم ہے کہ جو چیز انسان کے بدن سے بیماری کے سبب نکلے وہ ناقض وضو ہے۔ درمختار میں ہے: "وكذا كل ما يخرج بوجع ولو من أذن أو ثدي وسرة" [الدر المختار مع حاشيته رد المهتار، كتاب الطهارة، باب الحيض، ج: ١، ص: ٣٢٩، دار الفكر بيروت] تو جب بیماری کے سبب سے نکلنے والی چیز وضو کو توڑ دیتی ہے تو زکام بھی ناقض وضو ہے کہ یہ بیماری ہی کے سبب نکلتا ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ نے علامہ سید طحطاوی علیہ الرحمہ کے اس قول کو بیان فرمایا جو قول انہوں (علامہ طحطاوی علیہ الرحمہ) نے درمختار کے حاشیہ میں رقم فرمایا ہے: "ظاهره يعم الأنف اذا زكم" [حاشية رد المحتار على الدر المختار، كتاب الطهارة، باب الحيض، مطلب في أحكام المعذور، ج: ١، ص: ٣٢٩، دار الفكر بيروت] عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ عبارت کہ جو بھی چیز انسان کے بدن سے بیماری کے سبب نکلے وہ ناقض وضو ہے زکام کو شامل ہے جب آدمی کو زکام ہو جائے۔ لیکن جب سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے زکام کا مسئلہ بیان فرمایا تو آپ نے ایک رسالہ ''لمع الأحكام أن لا وضوء من الزكام'' یعنی روشن احکام کہ زکام سے وضو نہیں'' لکھا، اسے دلائل و براہین سے واضح فرمایا کہ زکام سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

زکام کتنا ہی جاری ہو اس سے وضو نہیں جاتا کہ محض بلغمی رطوبات طاہر ہیں جن میں آمیزش خون یا ریم کا اصلا احتمال نہیں۔ أقول ہمارے علما تصریح فرماتے ہیں کہ بلغم کی قے کسی قدر کثیر ہو ناقض وضو نہیں۔ درمختار میں ہے: لا ينقضه قيء من بلغم على المعتمد أصلا۔ اس کے علاوہ حاشیۂ طحطاوی، شامی، نور الایضاح و مراقی الفلاح کی عبارتیں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: یہ تصریحات جلیہ ہیں کہ بلغم جو دماغ سے اترے بالاجماع ناقض وضو نہیں اور ظاہر ہے کہ زکام کی رطوبتیں دماغ ہی سے نازل ہیں تو ان سے نقض وضو کسی کا

قول نہیں ہوسکتا حکم مسئلہ تو اسی قدر سے واضح ہے مگر یہاں علامہ سید طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ کو
ایک شبہ عارض ہوا جس کا منشا یہ کہ ہمارے علما نے جو سائل (آنکھیں دکھنے یا ڈھلکے میں جو
آنسو بہے یا آنکھ، کان، چھاتی، ناف وغیرہ سے دانے ناسور خواہ کسی عرض کے سبب پانی بہے
وضو جاتا رہے گا - حاشیہ فتاویٰ رضویہ قدیم) چیز بدن سے بوجہ علت خارج ہو ناقض وضو ہے
مثلاً آنکھیں دکھتے میں یا جسے ڈھلکے کا عارضہ ہو یا آنکھ، کان، ناف وغیرہا میں دانہ یا ناسور یا
کوئی مرض ہو ان وجوہ سے جو آنسو، پانی بہے وضو ناقض ہوگا، حوالہ میں درمختار، شامی کی
عبارتیں پیش کیں۔[فتاویٰ رضویہ قدیم، ج:۱ص:۳۴]

امام اہل سنت کی شان اجتھاد یہاں بھی ملاحظہ فرما سکتے ہیں، مسئلہ یہ ہے کہ محقق علی الاطلاق علامہ ابن ہمام نے فرمایا کہ کوئی پانی پیے اور وہ فوراً قے کی وجہ سے نکل جائے اور منہ بھر کر ہو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور اس کو قیل هو المختار سے قول مختار بھی قرار دیا چنانچہ فتح القدیر میں ہے: ”عن الحسن لو تناول طعاما أو ماء ثم قاء من ساعته لا ينتقض لأنه طاهر حيث لم يستحل، وانما اتصل به قليل القيء فلا يكون حدثاً فلا يكون نجساً، وكذا الصبي اذا ارتضع وقاء من ساعته، قيل هو المختار“ [كتاب الطهارة، فصل في نواقض الوضوء، ج: ۱، ص:۴۸، دار الكتب العلمية بيروت] لیکن امام اہل سنت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نے اپنے وسعت مطالعہ اور قوت اجتہاد سے یہ فرمایا کہ مذکورہ صورت ناقض وضو نہیں اور اس پر فقہائے کرام کی مختلف دلائل نقلیہ پیش کی اور یہ ثابت فرمایا کہ مذکورہ صورت ناقض وضو نہیں، طویل بحث کرنے کے بعد اقول سے فرماتے ہیں:

أقول اس ظہور میں سخت خفا ہے اس لیے کہ پانی اور کھانا اگرچہ متغیر نہ ہوئے ہوں لیکن
وہ اتصال کی وجہ سے نجاست کو قبول کرتے ہیں اب جب کہ وہ نجاست کے مرکز سے لوٹ
کر آئیں گے تو نجس ہوں گے (خواہ دراصل نجس نہ ہوں) تو لازم ہے کہ ان سے وضو ٹوٹ
جائے، جیسے ہوا، اصل میں پاک ہے لیکن جب خارج ہوتی ہے تو ناپاک ہوتی ہے کہ محل
نجاست سے آرہی ہے، ہاں کیڑوں اور زندہ سانپ کا مسئلہ واضح ہے کہ ان میں نجاست
سرایت نہیں کرتی ہے اور جو ان کیڑوں پر ہے وہ کم ہے لہذا وہ ناقض وضو اسی صورت میں
ہوں گے جب کہ ایک متلی سے بکثرت خارج ہوں تا کہ وہ جو کچھ ان پر ہے وہ بھی حد کثرت
میں آجائے۔ اعلیٰ حضرت نے اس مسئلہ کو بیان کرنے کے دو دن بعد دیکھا کہ ابراہیم حلبی
نے منیہ کی شرح کبیر میں مجتبیٰ کی روایت حسن سے نقل کی اور یہ کہ ایک قول کے مطابق وہی
مختار ہے اس کے بعد کہا کہ صحیح ظاہر روایت ہے کہ وہ نجاست سے مل جانے کی وجہ سے
ناپاک ہوگیا برخلاف بلغم کیڑوں اور سانپ کے، کیوں کہ وہ فی نفسہ پاک ہے اور ان میں
نجاست سرایت نہیں کرتی ہے اور جو کچھ ان کے اوپر ہوتی ہے وہ بہت کم منہ بھر کے نہیں

ہے۔[فتاویٰ رضویہ مترجم،ج:۱،ص:۳۵۹-۳۶۰،رضا اکیڈمی ممبئی]

شعائر اسلام میں ایک شعار اذان بھی ہے جو بہت ہی بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ اس سے جہان میں ایک الگ پہچان ہے جو کفار ومشرکین سے امتیاز پیدا کرتی ہے، یہی اذان ہے کہ جب شروع ہو جائے تو دنیا کے سارے معاملات بند کرنا ضروری ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی تلاوت کر رہا ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ تلاوت بند کرے اور اذان کو بغور سنے اور اس کا جواب بھی دے۔ اذان دینے کا مستحق وحقدار کون ہے؟ کیا بچہ، پاگل، معتوہ یا کافر اذان کہے تو اذان ہوگی یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ دو قول نقل فرمائے ہیں: ایک جواز کا اور ایک عدم جواز کا، تو اب سوال یہ ہوتا ہے کہ دونوں میں سے کس قول پر عمل کیا جائے تو خود علامہ شامی علیہ الرحمہ نے دونوں قول کے درمیان تطبیق فرمائی ہے:

وجہ عدم جواز: اذان کا مقصد اصلی نماز کے وقت کا اعلان ہے تب تو اذان دینے والا ایسا شخص ہونا چاہیے جو مسلمان، عاقل، بالغ اور عادل ہو۔ جو ان صفتوں سے متصف ہو وہ لائق اذان ہے ورنہ نہیں اس لیے کہ کافر کفر، پاگل پاگل پن، کم عقل کم عقلی اور نشہ کرنے والا نشہ کی وجہ سے نا قابل اعتبار ہیں تو ان کے ذریعہ کہی اذان کیسے معتبر ہوگی؟

وجہ جواز: اذان دینا شعار اسلام ہے، اگر لوگ اذان دینا بند کر دیں تو پورے شہر کے لوگ گنہگار رہوں گے تب تو مستثنیٰ لوگوں کی اذان درست ہے سوائے کم عقل بچے کے اس لیے کہ جو لوگ بھی سنیں گے وہ یہی سمجھیں گے کہ وہ کھیل کر رہا ہے برخلاف عاقل بچے کے کہ وہ مردوں کے قریب ہے، اسی طرح عورت کی آواز مراہق کے مشابہ ہے تو جب مراہق یا عورت اذان کہے تو سننے والا اسے مؤذن شمار کرے گا ایسے ہی مجنون یا معتوہ یا نشہ کرنے والا شخص کہ یہ لوگ مرد ہیں، جب طُرق مشروعہ کی کیفیت پر اذان دی جائے گی تو شعار اسلام قائم ہو جائے گا اس لیے کہ اس کی حالت سے انجان شخص سنے گا تو وہ اسے مؤذن شمار کرے گا اسی طرح کافر بھی، اس حیثیت کے اعتبار سے تمام شرائط مذکورہ کمالِ مؤذن کے لیے ہیں اس لیے کہ کامل مؤذن وہی ہوگا جس سے شعار اسلام کا قیام ہو اور معتبر اعلان حاصل ہو۔ قہستانی کے نقل کردہ اصح قول کی بنیاد پر تمام کی اذان کا اعادہ مستحب ہے۔ حاصل عبارت یہ ہے اسلامی شعار کو قائم کرنے میں دوسروں کی اذان بھی درست وصحیح ہے۔[ماخوذ: از شامی، ج:۱،ص:۴۲۴ تا ۴۲۵، دار الفکر بیروت]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ مذکورہ عبارت پر حاشیہ لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:

أقول: سبحان الله! من شعار اسلام يقيمه كافر كيف؟ والأذان عبادة والكافر ليس من أهلها، ولا نسلم أن مدار اقامة الشعار على مجرد حسبان سامع لا يعلم حاله وان لم تكن له حقيقة في نفس الأمر، وبه خرج المجنون الا في افاقته والسكران الا اذا كان يعلم مايقول، واذا كان عندكم المدار على مجرد ذلك الحسبان فلم نفيتم أذان صبي لا يعقل مطلقاً، فقد يشبه صوته صوت مراهقٍ فاذا سمعه من لا يعلم بحاله يعتد به؟ فالحق عندي ما قرره المحقق صاحب "البحر": (أن العقل والاسلام شرط الصحة)، فأذان صبي لا يعقل وسكران ثمل ومجنون مطبق وكافر مطلقاً كل ذلك

باطل، وشعار الاسلام لا یقوم بباطل۔ واللّٰہ تعالیٰ أعلم۔ [جد الممتار علی رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الأذان، ج:۳، ص: ۱۲، مکتبۃ المدینۃ]

یعنی: اقول: سبحان اللہ کوئی کافر ایک شعار اسلام کو کیسے قائم کرے گا؟ اذان ایک عبادت ہے اور کافر اس کا اہل نہیں، ہمیں یہ تسلم نہیں کہ شعار اسلام کے قیام کا مدار محض اس کی حقیقت حال سے انجان سامع کے گمان پر ہو۔ اگر چہ واقع میں اس کی کوئی حقیقت نہ ہو، اس دلیل سے مجنون بھی نکل جائے گا مگر جس کو افاقہ ہو جائے اور نشہ والا بھی مگر جب اپنی بات سمجھتا ہو اور جب آپ کے محض بے خبر سامع کے گمان پر مدار ہے تو پھر آپ غیر عاقل کی نفی کیوں کرتے ہیں، اس کی آواز بھی مراہق کی طرح ہے تو جب اس کی حالت سے ناواقف شخص سنے گا وہ اسے مؤذن شمار کرے گا۔ میرے نزدیک حق وہی ہے جس کو محقق صاحب بحر نے ثابت کیا کہ عقل، اسلام صحت اذان کے لیے شرط ہے تو غیر عاقل، نشہ کرنے والے، مجنون مطبق (ایسا مجنون جن کا جنون ختم نہ ہو) اور کافر سب کی اذان باطل ہے اور نا اہل سے شعار اسلام کا قیام ممکن نہیں۔

قربانی کے متعلق امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرقوم ہے کہ جس جانور میں اصل پیدائش میں کان اور دم نہ ہو اس کی قربانی جائز ہے جب کہ امام محمد نے فرمایا ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں۔ ان دونوں روایتوں میں راجح کون ہے؟ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

> جس جانور کی اصل پیدائش میں کان اور دم نہ ہوں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اس کی قربانی جائز ہے، اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ناجائز، اور معتمد قول امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خانیہ میں ہے: الشاۃ اذا لم یکن لھا أذن ولا ذنب خلقۃ یجوز، وقال محمد رحمہ اللّٰہ لا یکون ھٰذا، ولو کان لا یجوز، وذکر في الأصل عن أبي حنیفۃ رضي اللّٰہ تعالی عنہ أنہ یجوز۔ ترجمہ: بکری کی اگر پیدائشی طور پر کان اور دم نہ ہو تو جائز ہے، اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ایسا جانور نہیں ہوتا اگر ہو تو قربانی جائز نہیں ہے، اور مبسوط (اصل) میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ یہ جائز ہے۔
>
> اسی طرح اجناس وخلاصہ وبزازیہ میں ہے، غالباً یہ ہے جس پر اشتہار میں اعتماد کیا، اور واقع میں قابل اعتماد نہ تھا۔ اولاً متون وشروح نے عدم جواز پر جزم کیا اور خلاف کا نام نہ لیا، مختصر امام کرخی پھر غایۃ البیان علامہ اتقانی میں ہے: قال ھشام وسألت أبا یوسف عن السکاء التي لا قرن لھا قال تجزئ فان لم یکن لھا أذن لا تجزئ وھو قول أبي یوسف رحمہ اللّٰہ تعالیٰ۔ ھدایہ میں ھے: السکاء وھي التي لا أذن لھا خلقۃ لا تجوز لأن مقطوع أکثر الأذن اذا کان لا یجوز فعدیم الأذن أولیٰ۔ عنایہ و غایۃ البیان

ونتائج الأذکار وغیرہا میں اس پر تقریر کی، منسلک متوسط میں ہے: لا یجوز الذي لا أذن له خلقة وله أذن وحدة۔ مسلک مقسط میں اس پر تقریر کی، تنویر الابصار و در مختار میں ہے: ولا السکاء التي لا أذن لها خلقة۔ طحاوی و شامی میں اس پر تقریر کی، بدائع امام ملک العلما میں ہے: لا تجوز مقطوعة أحد الأذنين بكمالها، والتي لها أذن واحدة خلقة۔ ان کتابوں کے علاوہ تبیین الحقائق، مناسک، شرح طحاوی، اتقانی علی الهدایۃ، فتح الله المعین، مجمع الانھر، سراجیہ وغیرہا میں ناجائز کا قول موجود ہے۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:٢٠،ص:٤٦١ تا ٤٦٤]

مذکورہ جواب میں واضح طور پر امام اعظم سے جواز کا قول ثابت ہے اور امام محمد سے عدم جواز کا، اور جب دو قول میں تعارض ہو تو ترجیح مجتہد ہی کا کام ہے اور اس گفتگو کے بعد اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ: ''احوط یہی ہے، تو بوجوہ اسی کو ترجیح، اور اسی پر اعتماد و عمل و فتویٰ واجب'' [ایضاً،ص: ٤٦٤]۔ بلاشبہ مجتہدانہ شان کی یہ واضح اور روشن دلیل ہے۔

پیش نظر مقالہ میں امام اہل سنت کے فتاوے سے صرف چند مثالیں میں نے پیش کی ہیں جن میں اعلیٰ حضرت کی فقہی بصیرت اور اجتہادی شان واضح ہوتی ہے اور ان کی نگارشات میں وہی رنگ وآہنگ موجود ہے جو ایک مجتہد کی تحقیقات میں پائی جاتی ہے۔ اس لیے بعض علما و فقہا نے آپ کو اصحاب تخریج تسلیم کیا اور بعض فقہا نے مجتہد فی المسائل اور میں اپنے محدود مطالعہ کی روشنی میں یہی سمجھتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت مجتہد فی المسائل ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

شعبہ تحقیق نوری دارالافتا سنی جامع مسجد کوٹر گیٹ بھیونڈی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور سائنسی نظریات

مولانا توحید رضا مدنی

سائنس کو اردو میں مشاہد کا علم کہتے ہیں یعنی وہ علم جو اپنے اردگرد کے ماحول کا مشاہدہ کرنے سے حاصل ہو مثلاً معاشرے میں کیا اچھائیاں ہیں اور کیا برائیاں؟ معاشرے میں کیا ہونا چاہیے اور کیا نہیں ہونا چاہیے؟ اس بارے میں غور کرنا، اور مختلف قدرتی عوامل ومظاہر کے بارے میں سوچنا، سمجھنا، غور کرنا ہی سائنس ہے مثلا: زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے وغیرہم کے بارے میں مشاہدہ کرنا، اور اس طرح سوچنے، سمجھنے، غور وفکر اور مشاہدہ کرنے والے شخص کو سائنسدان کہتے ہیں، قرآن حکیم میں جابجا زمین وآسمان کی تخلیق، لیل ونہار کی گردش اور دیگر عجائب وغرائب پر غور وفکر کی دعوت پیش کی ہے چناں چہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَاخْتِلاَفِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِيْ الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاء فَأَحْيَا بِهِ الأرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِن كُلِّ دَآبَّةٍ وَتَصْرِيْفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخِّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ [البقرۃ:۱۶۴]

ترجمۂ کنز الایمان: بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات ودن کا بدلتے آنا اور کشتی کہ دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو اس سے جلا دیا اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کی گردش اور وہ بادل کہ آسمان وزمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے ان سب میں عقلمندوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔

آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا کہ آسمان وزمین کی تخلیق، آسمان کی بلندی، اس میں چمکتے ہوئے ستارے، اس کا بغیر ستونوں کے قائم ہونا، سورج، چاند، ستاروں کے ذریعے اس کی زینت سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ یونہی زمین اور اس کی وسعت، اس میں موجود پہاڑ، معدنیات، جواہرات، رواں سمندر، دریا، چشمے، اس سے اُگنے والے درخت، سبزہ، پھل، پھول، نباتات، شب وروز کا آنا جانا، دن رات کا چھوٹا بڑا ہونا، سمندر میں بھاری بوجھ کے باوجود کشتیوں کا تیرنا، لوگوں کا اس میں سوار ہونا، سمندری عجائبات، ہواؤں کا چلنا، سمندر کے ذریعے مشرق ومغرب میں تجارت کرنا، سمندر سے بخارات کا اٹھنا، بارش کی صورت میں برسنا، بارش سے خشک اور مردہ زمین کا سرسبز وشاداب ہوجانا، اس پانی اور اس کے ثمرات سے زندگی میں باغ وبہار آنا، زمین میں کروڑوں قسم کے حیوانات کا ہونا، ہواؤں کی گردش، ان کے خواص وعجائبات، یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے علم وحکمت اور اس کی قدرت ووحدانیت پر عظیم دلیلیں ہیں۔

سائنسی علوم بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ بنتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سائنسی علوم بھی معرفتِ الٰہی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ جتنا سائنسی علم زیادہ ہوگا اتنی ہی

اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت کی پہچان زیادہ ہوگی ،لہذا اگر کوئی دینِ اسلام کی خدمت اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کی نیت سے سائنسی علوم سیکھتا ہے تو یہ بھی عظیم عبادت ہوگی، نیز اللہ تعالیٰ نے جو کائنات میں غور وفکر کا حکم دیا ہے یہ اس حکم کی تعمیل بھی قرار پائے گی۔

ملتقطا[صراط الجنان، ج:۱،ص:۲۹۷ تا ۲۹۹]

سائنس اور اما احمد رضا علیہ الرحمہ قدس سرہ

دنیا میں تقریباً دوسو چھ(۲۰۶) ممالک اور چار ہزار دوسو(۴۲۰۰) مذاہب ہیں،سائنسی علوم ایسا میدان ہے کہ اس میں تمام مذاہب کے افراد شہسوار ہیں مگر ان تمام مذاہب میں ایک مذہب اسلام ہے جو تمام ممالک میں چھائے ہوئے ہے، علم وفن کا کوئی بھی میدان ایسا نہیں ہے جس میں مذہب اسلام کا کوئی فرد نہ پایا جاتا ہو بلکہ ہر میدان میں اسلام کے افراد پیش پیش نظر آتے ہیں انہیں افراد میں ایک فردِ عظیم وجلیل ایسا بھی ہے جو تمام علوم وفنون کے میدان کا شہسوار ہے بلکہ یہ کہیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ صلاحیت ولیاقت عطا فرمائی تھی کہ جس بھی علم وفن کی طرف آپ اپنا قدم بڑھایا اس کے حقائق ودقائق کے دریا بہا دیے جن کا نام نامی اسم گرامی اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ ہیں، آپ کا شمار مختلف جہات سے مختلف فنون کے ماہرین میں ہوتا ہے۔

یوں تو انسان کے سائنسی مطالعے کا سلسلہ قدیم زمانے سے رواں دواں ہے،اور زمانے کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ وبہتری اور ترقی ہوتی جا رہی ہے، بلکہ مرورِ ایام کے ساتھ نئی نئی باریکیاں پیدا ہو رہی ہیں۔حال کے سائنسدانوں نے ہنوز ماضی کے سائنسدانوں کے مشاہدات وتجربات کو سامنے رکھ کر ہی نئی پیش گوئیاں اور بہتری لانے کی کوشش کی ہے مگر ماضی کے سائنسدانوں کے بعد تاریخ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تنہا ایک ایسی ذاتِ عظیم ہے جنہوں نے کبھی بھی دوسرے کی تحقیق پر اپنے فیصلہ کا مدار نہیں رکھا بلکہ صغریٰ اور کبریٰ دونوں اِن کا اور نتیجہ بھی خود اِن کا ہی استخراج شدہ رہتا تھا، آج آپ کو وصال کیے ہوئے سو سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے مگر جوں جوں تحقیقات کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے آپ کے دینی کمالات علمیہ کے ساتھ آپ کی سائنسی تحقیقات ونگارشات کے تہ بہ تہ شہ پارے سامنے آ رہے ہیں اور دنیا سخت حیرت واستعجاب میں غرق ہو رہی ہے۔

مولانا شاہ محمد تبریزی القادری، پاکستان لکھتے ہیں:

> علوم مشاہدات (سائنس) پر اہل اسلام (مسلمانوں) نے جو احسان نا قابل فراموش کیے ہیں اس کا اندازہ علوم سائنس پر ان کی چھوڑی ہوئی یادگار نگارشات (تالیفات وتصنیفات اور مسودات) اور جدید تحقیقات وتصدیقات کی روشنی میں ہونے والی آج کی ایجادات واختراعات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ایک سائنس پر ہی کیا منحصر؟ علم وفن کا کوئی میدان ایسا نہیں جس کے شہسوار مسلمانوں میں نظر نہ آتے ہوں۔انہیں شہسواروں میں ایک نام علامہ مولانا قاری حافظ مفتی مدرس محقق شیخ الحدیث امام احمد رضا خان قادری بریلوی افغانی محدث برصغیر کا بھی ہے۔چودہویں صدی کے نصف میں ہندستان کے شہر بریلی میں ۱۰ر شوال المکرم ۱۲۷۲ھ بمطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو جنم لینے والا علوم سائنس کا ماہر

مسلمان سائنسداں جسے لوگ ''فقیہ اعظم''، ''امام الوقت'' اور ''چودھویں صدی کا مجدد'' کہتے ہیں۔ جب کہ بعض لوگ اسے ''علوم وفنون کا ہمالہ'' کہہ کر پکارتے ہیں اور بعض اسے ''بحر العلوم'' کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ شیخ موسیٰ الشامی الازھری کی طرف سے آپ کو ''امام الائمہ المجد دلھذا الامہ'' کا خطاب ملا۔ اور حافظ کتب الحرم سید اسماعیل خلیل نے آپ کو ''فاتح الفقہاء والمحدثین'' کا خطاب دیا۔ علم کا بحر بے کراں، متجر عالم دین، محدث ومفتی، مفکر وادیب، مصلح ومدبر ہونے کے ساتھ ساتھ ایسا محقق بھی تھا جس میں کئی سائنسدان گم تھے۔ اس میں ایک طرف تو ابوالہیثم کی فکری بصارت وعلمی روشنی تھی تو دوسری جانب جابر بن حیان جیسی صلاحیت وقابلیت۔ اس میں ایک طرف موسیٰ الخوارزمی اور یعقوب الکندی جیسی کہنہ مشقی تھی تو دوسری جانب الطبر ی، فرغانی، رازی اور بوعلی سینا جیسی دانش مندی، اس میں فارابی، البیرونی، عمر خیام، امام غزالی علیہ الرحمہ اور ابن رشد جیسی خداداد ذہانت تھی تو دوسری جانب امام الفقہاء امام اجل امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے فیض سے فقیہانہ وسیع النظری اور حضرت غوث الاعظم دستگیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی وابستگی اور قلبی لگاؤ کے سبب اعلیٰ ظرف امام احمد رضا علیہ الرحمہ کا ہر رخ علم وفن کا منبع اور ہر پہلو علم کا سر چشمہ تھا۔ آپ کو علوم قرآن وحدیث وفقہ، علوم صرف ونحو وفلسفہ، علوم عقائد وکلام وبیان اور منطق ولسان اور تقابل ادیان سمیت علوم سائنس پر بھی مکمل عبور دسترس حاصل تھی۔ آپ نے دیگر علوم کی طرح علم سائنس کے ہر گوشہ اور ہر پہلو کو اپنے منبع علم وعمل اور چشمۂ فیض سے سیراب کیا، سائنسی علوم پر آپ کی تحقیقات وتحریرات، مشاہدات وتجربات انمٹ نقوش اور آنے والوں کے لیے ہدایت ومشعل راہ ہیں۔

[امام احمد رضا اور سائنسی تحقیق، ص:۱۴۹ تا ۱۵۰، زاویہ پبلشرز]

ایک دوسرے مقام پر قلم بند کرتے ہیں:

حیران کن امر یہ ہے کہ آج سے ایک صدی قبل یہ مسلمان سائنسدان بریلی شریف کی سرزمین پر فتاویٰ نویسی کے علاوہ وہ سب کچھ جانتا تھا جو کسی زمانے کے ایک ماہر علم صوتیات جان سکتا ہے۔ یہ فقیہ اسلام صرف علوم دینیہ ہی نہ جانتا تھا بلکہ دیگر تمام سائنسی علوم کی طرح وہ علم صوتیات کے علم سے بھی باخبر تھا اور اس پر مکمل دسترس رکھتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ آواز کی لہریں کیا ہوتی ہیں؟ یہ آواز کی لہریں ہمیں کیوں کر سنائی دیتی ہیں؟ یہ کچھ دور جا کر کیوں ختم ہوجاتی ہیں؟ یہ تیز ہوا میں کیوں کر تیز چلتی ہیں؟ کیوں، کب اور کیسے ان آواز کی لہروں کی رفتار کم ہوجاتی ہے؟ ان لہروں کو کون سے عناصر دور تک لے جاتے ہیں یعنی آواز دور تک کیسے پہنچتی ہے؟ فضا میں لہریں کیوں کر محفوظ ہوجاتی ہیں اور ان کو کس طرح ریکاڈ کیا جاتا ہے؟ ساتھ ہی فضا میں ان لہروں میں محفوظ الفاظ سے متعلق احادیث کی روشنی میں ایک نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اچھے الفاظ کی لہریں قیامت تک اس شخص کے لیے مغفرت کی دعائیں کرتی رہیں گی۔ [امام احمد رضا اور سائنسی تحقیق، ص:۸۶ تا ۸۷، زاویہ پبلشرز]

سائنسی علوم وفنون میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی فکری تنقید اور سائنسیات میں ان کی وسعت مطالعہ وتعمق نظری کے بارے میں پروفیسر رضویات ڈاکٹر امجد رضا امجد، ایڈیٹر رضا بک ریویو، پٹنہ رقم طراز ہیں:

''امام احمد رضا نے اعتقادیات وشرعیات اور ادبیات وسیاسیات کے ساتھ سائنسیات میں بھی اپنی فکری تنقیدوں کے جو اثاثے چھوڑے ہیں وہ یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ وہ ایک بہت بڑے سائنس داں تھے اور سائنسیات پر ان کا مطالعہ وسیع اور بڑا گہرا تھا۔ انہوں نے اپنے تنقیدی سرمایے میں فکری تنقید کا جو نمونہ چھوڑا ہے وہ اس رخ سے بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ انہوں نے تنقیدی عمل کے دوران ''کون ہے'' کی بجائے ''کیا ہے'' کو پیش نظر رکھا ہے۔ پیش نظر رسالہ ''نزول آیات فرقان بسکون زمین وآسمان'' میں جس شخصیت پر فکری تنقید کی گئی ہے، وہ اس کی واضح مثال ہے، مذکورہ رسالہ میں جس شخصیت کے سائنسی افکار پر امام احمد رضا نے تنقید کی ہے وہ آپ کے نیازمندوں میں تھے، آپ سے عقیدت رکھتے تھے اور آپ کے نزدیک ان کی شخصیت ''مجاہد کبیر'' ہی نہیں ''مجاہد اکبر'' کہلانے کی مستحق تھی۔ اور وہ شخصیت تھی پروفیسر حاکم علی لاہوری کی، جو ایک ''فہیم سائنسداں'' کا درجہ رکھتے تھے۔ وہ صرف سائنس کے مضمون سے شغل وشغف رکھنے والے انسان ہی نہیں بلکہ دین سے محبت رکھنے والے، وسیع المطالعہ، حق پسند اور اپنے نفس سے جہاد رکھنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ خود ناقد یعنی امام احمد رضا کو اس بات کا اعتراف تھا کہ ''رجوع الی الحق'' کا مادہ ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے مگر اس کے باوجود جو فکر ان کی طرف سے آئی وہ چوں کہ اسلامی نظریے کے خلاف تھی۔ اس لیے ان کی فکر کو امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے تنقید کی میزان پہ رکھا اور اپنے تنقیدی اصولوں کی روشنی میں اس کی حقیقت واضح کر دی۔ [۵۰واں سہ ماہی افکار رضا ممبئی، ص: ۱۸۳]

امام احمد رضا کی سائنسی تحقیقات کے چند جھلکیاں

زمین وآسمان ساکن ہے یا متحرک؟

سائنسی علوم وفنون پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیقات کا دائرہ حد جہاں وسیع ہے، یہ ایک قدیم مسئلہ ہے اس سلسلے میں قدیم وجدید سائنسدانوں کے مختلف نظریات ہیں، قدیم سائنس زمین کو ساکن مانتی ہے جبکہ جدید سائنس کہتی ہے کہ زمین حرکت میں ہے جبکہ اسلامی نظریہ یہ ہے کہ زمین وآسمان دونوں ساکن ہیں اور کواکب وسیارے گردش میں ہیں ملاحظہ ہے، جب یہ مسئلہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں پہنچا اور مختلف ماہر سائنسدانوں کی تحقیقات پیش ہوئی تو آپ نے ان کا پرزور رد فرمایا بلکہ سائنسدانوں کے خود ساختہ اصولوں اور ان کے مزعومہ قواعد وقوانین سے خود انہیں کا رد فرمایا اور اس مسئلہ پر دو گراں قدر رسالے تحریر فرمائے

[۱] فوز مبین در رد حرکت زمین (۱۳۳۸ھ)

[۲] نزول آیات فرقان بسکون زمین وآسمان (۱۳۳۹ھ)

ان دونوں رسالوں کا ماحصل یہ ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے زمین وآسمان ساکن ہیں، زمین وآسمان کو متحرک کہنا سخت باطل ومردود چناں چہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''اسلامی مسئلہ یہ ہے کہ زمین وآسمان دونوں ساکن ہیں کواکب چل رہے ہیں ''کُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡنَ'' ہرایک ایک فلک میں تیرتا ہے، جیسے پانی میں مچھلی'۔[فتاوی رضویہ مترجم، ج:۲۷،ص:۲۰۰]

امام اہل سنت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے مذکورہ اسلامی سائنسی نظریہ کو قرآن کریم کی متعدد آیتوں سے مزین وآراستہ فرمایا، ذیل میں چند آیات اختصاراً پیش کیے جاتے ہیں، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:''اِنَّ اللّٰہَ یُمۡسِکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ اَنۡ تَزُوۡلَا وَ لَئِنۡ زَالَتَاۤ اِنۡ اَمۡسَکَہُمَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ اِنَّہٗ کَانَ حَلِیۡمًا غَفُوۡرًا''[الفاطر:۴۱] ترجمہ کنزالایمان: بے شک اللہ روکے ہوئے ہے آسمانوں اور زمین کو کہ جنبش نہ کرے اور اگر وہ ہٹ جائیں تو انہیں کون روکے اللہ کے سوا بے شک وہ حلم والا بخشنے والا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ایک جگہ اورارشاد فرماتا ہے:''وَ الۡاَرۡضَ مَدَدۡنٰہَا وَ اَلۡقَیۡنَا فِیۡہَا رَوَاسِیَ وَ اَنۡۢبَتۡنَا فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ زَوۡجٍۭ بَہِیۡجٍ''[ق:۷] ترجمۂ کنزالایمان:''اورزمین کو ہم نے پھیلایا اوراس میں لنگر ڈالے اوراس میں ہر بارونق جوڑا اگایا۔ سوجھ اور سمجھ ہر رجوع والے بندے کے لیے۔

مذکورہ رسالوں میں امام اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جو تحقیقی منہج اور تنقیحی طریقہ اختیار فرمایا ہے وہ یقینا نا پید ہے، خاص بات یہ ہے کہ ان رسالوں میں سائنسدانوں کے رد وطرد اور مسئلہ دائرہ کے اثبات کے حق میں دلائل وبراہین کی سلاست وبرجستگی کا جو انداز اپنایا گیا ہے نہ صرف ایک عالمانہ وفاضلانہ اسلوب بیان پر مبنی ہے بلکہ بے شک وشبہ آپ کی بے مثال سائنسی صلاحیت ولیاقت کا حسین مرقع بھی ہے، ان میں آخری رسالے میں امام اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک سو پانچ (۱۰۵) قاہر وساطع دلیلوں سے زمین وآسمان کے متحرک ہونے کا رد بلیغ فرمایا جن میں چند دلائل اگلوں کے بیان کردہ جبکہ زیادہ تر دلیلیں آپ کی ایجادہ کردہ ہیں چناں چہ آپ رسالہ مذکورہ کے اختتام پر بطور تحدیث نعمت تحریر فرماتے ہیں:

بحمد اللہ تعالیٰ ایک سو پانچ دلیلیں ہیں، نوے (۹۰) خاص ہماری ایجاد کردہ اور پندرہ (۱۵) اگلوں سے، لیکن فصل اول کی پہلی اور دوم کی پچاس (۵۰) اور سوم کی دلیل ۸۳، یہ ۵۲ر دلیلیں زمین کی حرکت گرد شمس اور حرکت گرد محور دونوں کو باطل کرتی ہیں، اور فصل سوم کی ۸۴ر تا ۱۰۵ر باستثناء ۹۹ر، ۱۰۰ جملہ تینتیس (۳۳) خاص حرکت محوری کا رد ہیں، اول کی اخیر گیارہ اور سوم کی ۶۳ تا ۸۲ بیس یہ ہیں، اور ۹۹، ۱۰۰ جملہ تینتیس خاص حرکت گردش شمس کا رد ہیں تو محوری بر گردش زمین بہتر دلائل مردود اور آفتاب کے گرد زمین کا دورہ پچاسی (۸۵) دلیلوں سے باطل''[فتاوی رضویہ مترجم، ج:۲۷،ص:۴۷۳]

سکون زمین کا یہ قرآنی نظریہ، کوئی اچھوتا، انوکھا اور نیا نظریہ نہیں بلکہ یہ وہی نظریہ ہے جسے قدیم سائنس بھی تسلیم کرتی تھی اور کوپرنیکس کا نظریہ سامنے آنے سے پہلے تک نصاری بھی تسلیم کرتے تھے۔[۵۰واں سہ ماہی افکار رضا ممبئی،ص:۱۸۴]

زمین کے زوال نہ کرنے کے یہ معنی ہیں کہ جن اماکن میں اللہ تعالیٰ نے اس کو امساک کیا ہے اس سے یہ باہر نہیں سرک سکتی مگر ان اماکن میں اس کو حرکت امر کردہ شدہ عطا فرمائی ہوئی ہے۔ اسی طرح (زمین) اپنے مدار میں اور سورج کی ہم راہی میں امساک کردہ شدہ ہے۔ جیسا کہ سورج ''والشمس تجری لمستقر لہا'' کے رو سے اپنے اماکن میں امساک کیا گیا ہے اور اپنے مجرا میں چل رہا ہے، مگر اس کے اس چلنے کا نام زوال نہیں بلکہ جریان ہے۔ تو زمین کا بھی اپنے مدار میں اور سورج کی ہمراہی میں چلنا اس کا جریان ہے نہ کہ زوال۔ ظاہر ہے کہ مفکر سے بظاہر دلیل کے انتخاب اور نتیجہ نکالنے میں کوئی غلطی نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ ایسا لگتا ہے کہ مفکر نے جو بات کہی ہے، اس کے لیے اپنی طرف سے نہ تو کسی من گڑھت دلیل کا سہارا لیا ہے اور نہ ہی جس مقصد کے لیے فکر کے عمل سے گذرا ہے، اس مقصد میں کوئی خرابی یا اس کے سوچ میں خلوص کی کوئی کمی ہے۔ لیکن درحقیقت اس فکر میں ایک سے زیادہ باتیں محل نظر اور قابل گرفت ہیں اور ایک سے زیادہ ایسے مقامات ہیں، جہاں فکر نے مختلف پہلو سے ٹھوکر کھائی ہے اور ایک ناقد فکر کی حیثیت سے امام احمد رضا نے اس کی نشاندہی کی ہے۔ مفکر کے خلوص نیت اور اس کے ہدف مقصد سے ناقد کو چنداں اختلاف نہیں لیکن حصول مقصد کے لیے استعمال کیا گیا ''طریق عمل'' ناقد کے نزدیک درست نہیں ہے۔ مفکر اگرچہ یہ چاہتا ہے کہ سائنس مشرف بہ اسلام ہو لیکن اس کے لیے جو طریقہ اپنایا گیا ہے، وہ بالکل ہی برعکس ہے۔ یعنی وہ جس چیز کو مسلمان کرنا چاہتا ہے، اسے اسلام کی طرف نہیں کھینچتا ہے بلکہ اسلام کو اس کی طرف کھینچ کر لانا چاہتا ہے جس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ بقول امام احمد رضا ''اسلام نے سائنس قبول کی نہ کہ سائنس نے اسلام''۔ [۵۰ واں سہ ماہی افکار رضا ممبئی، ص: ۱۸۴ تا ۱۸۵]

آسمان کہاں ہے؟

آسمان کا وجود ہے یا نہیں؟ اگر آسمان کا وجود ہے تو آسمان کیسا ہے اور کہاں ہے؟ کیا آسمان ایسے ہی نظر آتے ہیں یا دوربین سے نظر آتے ہیں، یہ وہ سوالات ہیں جن کا تعلق سائنسی علوم ہیں، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان سوالات پر تحقیقی و تشفی بخش گفتگو فرمائی ہے جس سے سائنسی علوم پر آپ کی کامل بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے، ذیل میں قدرے تفصیل ملاحظہ کریں۔

ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ سے سوال کیا گیا کہ کیا دوربین سے آسمان نظر آتا ہے یا نہیں؟ آپ نے جواب ارشاد فرمایا: ''ہم اپنی آنکھوں سے تو دیکھ رہے ہیں کیا دوربین لگانے سے اندھا ہو جاتا ہے کہ بغیر دوربین کے دیکھتے ہیں اور دوربین سے دکھائی نہ دے۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہم جس کو دیکھ رہے ہیں یہی آسمان ہے''۔ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہے: ''أَفَلَمْ يَنظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِن فُرُوجٍ [قٓ: ٦] ترجمہ کنز الایمان: ''تو کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہ دیکھا ہم نے اسے کیسا بنایا اور سنوارا اور اس میں کہیں رخنہ نہیں'' فلاسفر بھی یہی کہتے تھے کہ جو نظر آتا ہے یہ آسمان نہیں۔ آسمان شفاف بےلون ہے (پھر فرمایا) اس سے بڑا کذاب کون جس کی تکذیب قرآن کرے۔

آپ مزید فرماتے ہیں کہ نجات منحصر ہے اس بات پر کہ ایک عقیدہ اہل سنت و جماعت کا ایسا ہو کہ آسمان و زمین ٹل جائیں

اور نہ ٹلے پھر اس کے ساتھ ہر وقت خوف لگا ہو علماے کرام فرماتے ہیں کہ جس کو سلب ایمان کا خوف نہ ہو مرتے وقت اس کا ایمان سلب ہو جائے گا۔[امام احمد رضا اور سائنسی تحقیق ،ص:۶۱ تا ۶۲، زاویہ پبلشرز]

ہر عاقل بلکہ غبی بھی جانتا ہے کہ پہاڑ ثابت، ساکن ومستقر اور ایک جگہ جمے ہوئے ہیں جن کو اصلاً جنبش نہیں۔قرآن عظیم میں ان کو رواسی فرمایا، راسی ایک جگہ جما ہوا پہاڑ، اگر ایک انگل بھی سرک جائے گا قطعاً زال الجبل صادق آئے گا نہ یہ کہ تمام دنیا میں لڑھکتا پھرے۔اور زال الجبل نہ کہا جائے ثبات وقرار ثابت رہے کہ ابھی دنیا سے آخرت کی طرف گیا ہی نہیں زوال کیسے ہو گیا۔اپنی منقولہ عبارتِ جلالین دیکھیے پہاڑ کے اسی ثبات واستقرار پر شرائع اسلام کو اس سے تشبیہ دی ہے جن کا ذرہ بھر ہلانا ممکن نہیں، لَن تَرَانِیْ وَلٰـکِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِیْ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ موسى صَعِقاً تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھ یہ اگر اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا اسے پاش پاش کر دیا اسے ٹکڑے کر دیا اور موسیٰ گرا بے ہوش۔کیا ٹکڑے ہو کر دنیا سے نکل گیا یا ایشیا یا اس ملک سے۔اس معنی پر تو ہرگز جگہ سے نہ ٹلا، ہاں وہ خاص محل جس میں جما ہوا تھا وہاں نہ جما رہا، تو معلوم ہوا اسی قدر عدمِ استقرار کو کافی ہے۔ملتقطا[فتاوی رضویہ مترجم، ج:۲۷، ص:۲۰۸ تا ۲۰۹]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ نے درسی کتب سے اپنے کم سن عمر میں ہی فارغ ہو گئے تھے جو کہ عام طور پر دیکھا جائے تو اس زمانے میں کثیر طفلاں ایسے تھے جو اس عمر میں بالغ تک نہیں ہوئے تھے۔اور آپ کی علمی لیاقت اور فنی قابلیت دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ کا علم علمِ کسبی نہیں بلکہ علمِ وہبی لدنی ہے اسی لیے تو آپ نے جس فن کی طرف توجہ بڑائی ہے چاہے سائنسیات ہو یا دینیات ہو یا پھر فقہ ہو الغرض آپ نے جس بھی فن کی طرف توجہ فرمائی ہے اس فن کی حقائق ودقائق کے دریا بہا دئے ہیں۔اعلیٰ حضرت نے ۱۳ سال ۱۰ ماہ کی عمر میں کتب درسیہ مروجہ سے فاتحہ فراغ فرمایا۔اس عمر میں انسانی جیسی عقل ہوتی ہے۔جیسی محنت عام طلبہ کرتے ہیں خصوصاً ایک رئیس کبیر کے صاحبزادے سے جس محنت توقع کی جاسکتی ہے، اس کے مقابلے میں حضور کی علمی لیاقت فنی قابلیت جو دیکھی جاتی ہے، تو سوا اس کے کہ اس کا اقرار کیا جائے کہ اعلیٰ حضرت کا علم کسبی تحصیلی نہ تھا۔بلکہ محض وہبی لدنی ماننے کے اور کوئی چارہ نہیں، اور یہ صرف میرا خیال نہیں بلکہ اعلیٰ حضرت کا بھی یہی عقیدہ تھا۔اسی لیے نہ صرف فقہ اور دینیات بلکہ جس فن کی طرف توجہ فرمائی اپنے اس شعر کو سچ کر دکھایا اور حقائق ودقائق کے دریا بہا دیئے۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم　　　جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

شعبہ تحقیق نوری دارالافتا سنی جامع مسجد کوٹر گیٹ بھیونڈی

فارسی نظم ونثر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا عبور

مفتی محمد طلحہ حسین سعدی ثقافی

حامی سنت، ماحی بدعت، صاحب وجاہت، جبل استقامت، امام وقت، اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان محدثِ بریلی علیہ الرحمہ کی ذات ستودہ صفات علوم بحرِ بے کراں کے درعیاں ہیں اور آپ کے سینۂ پرخزینہ سے کلِ شریعت وطریقت اور حقیقت و معرفت کے ایسے پھول کھلے ہیں کہ جس سے ہر گلستاں لہلہاتے مسکراتے نظر آتے ہیں۔ اور قلب پر گنجینہ سے رشد وہدایت اور بصارت وفقاہت کے ایسے چشمے اور دھارے بہہ رہے ہیں کہ جس سے شرق وغرب اور شمال وجنوب، سیراب وفیضیاب ہورہے ہیں۔ آپ عربی وفارسی اور دوسری زبانوں کی کتابوں میں موجود ومخفی فقہی وفکری جزیات ونکات اور عقد لاینحل علوم اور غامض ودقیق، فنون کو عام الناس کے سامنے اس طرح سہل کر کے پیش فرمائے ہیں کہ لگتا ہے پانی پانی کردیے ہیں، اگر ایسا نہ کرتے تو مخصوصین کے علاوہ علما وفضلا بھی کما حقہ اس سے مستفید نہیں ہوسکتے تھے تا بعوام چہ رسد۔ یہ بے چارے تو ان راہوں کے اجنبی محض ہیں۔ اور جہات اربعہ کے ہر گوشے وخطے کا آپ شاہ سخن اور ماہر فن ہیں چاہے طریق استنباط واستدلال ہو یا طرز طرف نگارش بہر نہج لائق ستائش اور قابل تحسین ہیں کیونکہ آپ نے درپیش اعتراضات کا منطقیانہ، فلسفیانہ، متکلمانہ، صوفیانہ، اور حکیمانہ گو، ہر رنگ سے ہم آہنگ اور دلائل وبراہین سے مزین فرمایا ہے کہ کسی میں انگشت شکایت کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی ہے اور آپ احقاق حق اور ابطال باطل کے سچے علمبردار تھے نہ تحسینِ لذت سے کوئی سروکار رکھتے تھے نہ کسی کے طعن وتشنیع کی کوئی پرواہ کرتے تھے نہ متوج مدحت اور نہ التفاتِ مذمت کی ہوشِ خیال روا سمجھتے تھے، گوش گمنامی اور قلم ودوات کی ہمنشینی میں قرأت وکتابت بس یہی آپ کا محبوب مشغلہ تھا اور اسی میں صرف اوقات کے خواہاں رہتے تھے اس بات کی تصدیق آپ کی خودنوشت زیر نظر رباعی سے بھی ہورہی ہے کہ۔

نہ مرا نوش زتحسین نہ مرا نیش زطعن　　　نہ مرا ہوش بمدحے نہ مرا گوش ذمے
منم و کنج خمولی کہ نگنجد درو ے　　　جز من وچند کتابے و دوات وقلمے

اور ہم سپاس گزار ہیں اپنے مہربان، چراغ زمان، غوث مسلمان، شمع عرفان امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان کا کہ ہر محاذ پر آپ نے ہماری دست گیری کی ہے، اور ہمارے سینوں میں نبیوں ورسولوں سے سچی محبت کی روح پھونکی ہے، اور ولیوں و درویشوں سے حقیقی الفت پیدا کی ہے۔ اور ہمارے اندر صحابہ واہل بیت سے قلبی مدت ہویدا کی ہے اور ہمیں صدیق وعمر، عثمان اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنھم جیسے نجوم ہدایت کی راہ چلائی ہے۔ اور دنیا بھر میں علوم شریعت وطریقت اور حقیقت ومعرفت کی روشنی پھیلائی ہے اور کشتیٔ امت کو موج دیوبندیت، رافضیت، نیچیریت، وقادیانیت اور چکڑالویت کے تھپیڑوں سے بچا کر پار کنارے لگائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا آپ کو اعلیٰ حضرت، مجدد دین وملت کہتی ہے اور حضرت مظہر قدری چشتی یوں لب کشا ہے۔

جاں نثار احمد مختار و آل پاک او — مولوی احمد رضا خان مقتدائے سنیاں
از ہمہ اسرار قرآن وحدیث سے آگاہ بود — محترز زاز ماسوا و عاشق اللہ بود
ہادی اہل ضلال و پیرو دین مبین — بہر گمراہاں دشت دہر خضر راہ بود

اور آپ کی تبحر علمی اور تعمق فکری دیکھ کر اپنے تو اپنے بیگانے بھی ستائش اور رشک کرتے نظر آتے ہیں یہ آپ کی عظمت و بزرگیت کی منھ بولتی تصویر نہیں تو اور کیا ہے کیونکہ کہ الفضل ماشھدت بہ الاعداء۔ خیر سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ اس احقر نے جناب مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کی چند کتابیں دیکھیں تو میری آنکھیں خیرہ کی خیرہ رہ گئیں۔ حیران تھا کہ واقعی مولانا بریلوی کی ہیں؟ جن کے متعلق کل تک یہ سنا تھا کہ وہ صرف اہل بدعت کے ترجمان ہیں اور صرف چند فروعی مسائل تک محدود ہیں۔ مگر آج پتہ چلا کہ نہیں، اہل بدعت کے نقیب نہیں بلکہ یہ تو عالم اسلام کے اسکالر اور شاہکار نظر آتے ہیں جس قدر مولانا مرحوم کی تحریروں میں گہرائی پائی جاتی ہے اس قدر گہرائی تو میرے استاذ مکرم جناب مولانا شبلی صاحب اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب اور حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کی کتابوں کے اندر بھی نہیں۔ (ماہنامہ ندوہ، فتاوی رضویہ ارباب علم ودانش کی نظر میں)

اعلی حضرت نے افادت عامہ کے لئے چار درجن سے زائد علوم وفنون میں سینکڑوں کتابیں تصنیف فرمائیں، سر دست تینتیس علوم وفنون کے اسما اور اس علوم وفنون میں تصنیف کردہ رسائل وکتب کے نام وتعداد ملاحظہ کریں۔ علم عقائد میں اکتیس کتابیں، علم کلام میں سترہ کتابیں، علم تجوید میں دو کتابیں، علم تفسیر میں چھ کتابیں، علم اصول حدیث میں دو رسالے، علم حدیث میں گیارہ کتابیں، علم اصول فقہ میں نو کتابیں، علم فقہ میں ایک سو پچاس کتابیں، علم الفرائض میں چار کتابیں، علم رسم خط قرآن مجید میں ایک رسالہ، علم الادب العربی میں چھ کتابیں، علم لغت میں دو کتابیں، علم سیر میں تین کتابیں، علم الفضائل میں تیس کتابیں، علم المناقب میں اٹھارہ کتابیں، علم سلوک میں دو کتابیں، علم الاخلاق میں دو کتابیں، علم تصوف میں تین کتابیں، علم اذکار میں پانچ کتابیں، علم ترغیب وترہیب میں ایک کتاب، علم تاریخ میں تین کتابیں، علم مناظرہ میں اٹھارہ کتابیں، علم تکسیر میں ایک کتاب، علم الوفق میں ایک کتاب، علم التوفیت میں چھ کتابیں، علم ھئیت میں تین کتابیں، علم ارثماطیقی میں تین کتابیں، علم ریاضی میں تین کتابیں، علم الہندسہ میں تین کتابیں، علم جبر ومقابلہ میں ایک رسالہ، علم الزیجات میں ایک کتاب، علم الجفر میں تین کتابیں، علم النجوم میں ایک رسالہ۔

اور آپ ماہر لسان تھے اور اس پر کامل دسترس رکھتے تھے بالخصوص اردو فارسی اور عربی زبان میں آپ وہ جوہر دکھلائے ہیں کہ قابل دیدنی ہے جن کی علمی ضیا پاشیاں اور ادبی جلوہ سامانیاں فتاوی رضویہ شریف اور آپ کی دیگر تصنیفات میں دیکھے جا سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اگر سائل نے، اردو، فارسی، عربی، میں سوال کیا ہے تو جواب بھی اردو، فارسی، عربی میں دیے ہیں حد تو یہ ہے کہ سوال نثر، نظم، یا مقفی و مسجع میں کیا ہے تو جواب نثر، نظم اور مقفی و مسجع میں تحریر فرمائے ہیں۔ خیر میرا عنوان" فارسی نثر ونظم میں اعلی حضرت کا عبور" ہے تو اس پر میں کچھ خامہ فرسائی کی جسارت کر رہا ہوں واضح رہے کہ اس سلسلے میں یہ بات عیاں ہے جو محتاج بیاں

نہیں کہ فارسی زبان اپنے اندر ایک جہاں اور وسعت بے پایاں سمیٹی ہوئی ہے اور یہ زبان بہت ہی شیرین ہونے کے ساتھ ساتھ مشکل ترین بھی ہے جیسا کہ مثل مشہور ہے کہ زبان فارسی خیلے دشوار است لکن شیرین است۔ سبحان اللہ، اقلیم زبان و بیان کے شاہ سحبان احمد رضا خان علیہ الرحم والرضوان نے زبان فارسی میں نظم ونثر دونوں جہتوں سے وہ کمال دکھائے ہیں کہ جس سے دنیائے فارسی داں دست تحیر بدنداں گرفت کے شکار ہے اور حسرت بھری نگاہوں سے محو حیرت ہے کہ آیا یہ شخص ہندی نژاد ہیں یا ایرانی نژاد ؟۔زبان فارسی میں اعلی حضرت کی فصاحت و بلاغت بیانی اور طلاقت وسلاست لسانی دیکھنی ہے تو رسالہ"اکسیر اعظم، مع شرح فارسی، مجیر معظم"کا مطالعہ کریں جس میں آپ نے،سیدی وسندی حضور غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کے فضائل ومناقب نظم ونثر دونوں جہتوں سے بیان فرمایا ہے اس نظم کے چند اشعار اور نثر کے ایک اقتباس مع اردو ترجمہ ذیل میں ملاحظہ کریں۔

پیرِ پیراں میرِ میراں اے شہ جیلاں توئی ۔۔۔ انسِ و جانِ قدسیان وغوث اِنس و جاں توئی
سر توئی سرور توئی سر را سروساماں توئی ۔۔۔ جاں توئی جاناں توئی جاں راقرار جاں توئی
ظلِ ذات کبریا وعکسِ حسن مصطفے ۔۔۔ مصطفے خورشید و آں خورشید را لمعاں توئی
من رانی قد رنی الحق گر بگوئی می سزد ۔۔۔ زانکہ ماہِ طیبہ را آئین تاباں توئی
بارک اللہ تو بہارِ لالہ زارِ مصطفی ۔۔۔ وہ چہ رنگ است ایں کہ رنگِ روض رضواں توئی
جوشد از قدتو سرو و بارد از روئے تو گل ۔۔۔ خوش گلستا نے کہ باشی طرفہ سروِ ستاں توئی
آنکہ گویند،، اولیا را ہست قدرت از اِلہ ۔۔۔ باز گردانند تیر از نیم راہ،،ایناں توئی
از تو میریم و زییم وعیش جاویداں کنیم ۔۔۔ جاں ستاں جاں بخش جاں پرور توئی وہاں توئی

پیروں کے پیر، میروں کی میر۔اے شہ جیلاں! تم ہو،قدسیوں کی جانوں کے لیے انس اور انسانوں،جنوں کے فریادرس تم ہو،سرتم ہو،سرور تم ہو،سر کے لیے سروسامان تم ہو، جان تم ہو، جاناں تم ہو جان کے لیے قرار جاں تم ہو،تم ذات کبریا کا سایہ ہو اور حسن مصطفی کا عکس، مصطفی آفتاب ہیں اور اس آفتاب کی چمک تم ہو،اگر کہوں کہ،،جس نے مجھے دیکھا اس نے حق کو دیکھا،تو بجا ہے اس لیے کہ تم ماہ طیبہ کے تابناک آئینہ ہو، بارک اللہ(خدا مبارک فرمائے (لالا زار مصطفی کے نو بہار کیا خوب رنگ ہے، باغ رضواں کا رنگ تم ہو،تمہارے قد سے سرو ابل رہا تمہارے رخ سے گلاب برس رہا ہے تم کتنے اچھے گلستاں اور کیا خوب باغِ سرو ہو،وہ جو کہتے ہیں کہ،،اولیا کو خدا کی طرف سے قدرت حاصل ہے وہ آدھے راستے سے تیر کو لوٹا دیتے ہیں،،تم وہی ہو،ہم تمہی سے مرتے جیتے اور دائمی زندگی گزارتے ہیں، جان لینے والے جان بخشنے والے جان کی پرورش کرنے والے تمہی ہو ہاں تمہی ہو۔) تابِ معظم اکسیر اعظم عجوز پسر خود را بحضرت سپرد، او از شدت مجاہدہ لاغر گشت ضعیفہ بخدمت رفت طبقے دید بر واستخوا نہائے مرغے کہ حضرت تناول فرمودہ بود عرضہ داشت کہ بندگان گوشت مرغ می خورند و پسرم نان جو،سیدنا دست بر استخوانہا نہادو بر لفظ مبارک راند۔''قم باذن اللہ الذی یحی العظام وہ رمیم''

برخیزد باذن خدا۔ کہ زندہ می کند استخوانہائے بوسیدہ را، فی الحال مرغ برخاست، وبانگ کردن نہاد، آں گاہ فرمود چوں پسرت ایں چنیں شود ہر چہ خواہد خورد۔

ایک بڑھیا نے اپنے لڑکے کو حضرت کے سپرد کردیا۔ وہ مجاہدی کی شدت سے لاغر وہ کمزور ہو گیا۔ ضعیفہ خدمت مبارکہ میں آئی، دیکھا کہ ایک طبق ہے جس کے اوپر اس مرغ کی ہڈیاں رکھی ہوئی ہیں۔ جو حضرت نے تناول فرمایا تھا۔ اس نے عرض کیا حضرت مرغ کا گوشت تناول فرماتے ہیں اور میرا لڑکا جو کی روٹی کھاتا ہے حضرت نے دست مبارک ہڈیوں کے اوپر رکھا اور فرمایا "قم باذن اللہ الذی یحی العظام وھورمیم" اٹھ جا خدا کی اذن سے جو بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ فرماتا ہے فورا مرغ کھڑا ہو گیا اور بانگ دینے لگا۔ (تابِ منظم مجیر معظم)

اعلی حضرت قدس العزیز نے فارسی زبان میں نہایت زبردست قصیدہ مسمی بنام تاریخی سلسلۃ الذہب نافیۃ الارب مشائخ سلسلہ کے مختصر اوصاف وفضائل پر مشتمل تحریر فرمایا۔ ااس مطول قصیدہ سے صرف مشائخ کرام کے اسماطیبہ والے اشعار بطور اختصار اس جگہ درج کرتا ہوں تاکہ فارسی سے مذاق رکھنے والے حضرات روزانہ اس کو بھی پڑھ کر برکت حاصل کریں اور دوسرے حضرات بھی اس کو پڑھا کریں اس لیے کہ اس شجرہ میں بوسیلہ تمام بزرگان سلسلہ خداوند عالم سے امداد کن کی درخواست وہ دعا ہے اللہ تعالی قبول فرمائے) ملک العلما

یا خدا بہر جناب مصطفے امداد کن یا رسول اللہ! از بہر خدا امداد کن۔
مرتضی شیر خدا مرحب کشا خیبر کشا سرور لشکر کشا مشکل کشا امداد کن۔
یا شہید کربلا دافع کرب وبلا گل رخا شہزادہ گلگوں قبا امداد کن۔
باقی اسیاد یا سجاد یا شاہجواد خضر ارشاد آدم آل عبا امداد کن۔
باقر یا عالم سادات یا بحر العلوم از علوم خود بدفع جہل ما امداد کن۔
جعفر صادق بحق ناطق بحق واثق توئی بہر حق مار طریق حق نما امداد کن۔
شان حلما کان علما جان سلما السلام موسی کاظم جہاں ناظم مرا امداد کن۔
ضامن ثامن رضا بر من نگاہ از رضا خشم راشایانم وگور ضا امداد کن۔
یا شہ معروف مارا رہ سوئے معروف دہ یا سری امن از سقط در دوسرا امداد کن۔
یا جنیدا اے بادشاہ جند عرفاں المدد شبلیا اے شبل شیر کبریا امداد کن۔
شیخ عبد الواحد را ہم ہوئے واحد نما فرح را بالفرح طرطوسیا امداد کن۔
بوالحسن ہقاریا حاکم حسن کن بے ریا ای علی اے شاہ عالی مرتقی امداد کن۔
سرور مخزوم سیف اللہ اے خالد بقرب بوسعید اسعد اسعد الوری امداد کن۔

یا ولی الاولیا ابن نبی الانبیا اے کہ پایت بر قبا باولیا امداد کن۔
یا ابن ہذا المرتجی یا عبدرزاق الوری تا کہ باشد رزق ما عشق شما امداد کن۔
یا ابا صالح صلاح دین واصلاح قلوب فاسدم گلزار و در جوش ہوا امداد کن۔
جان نصری یا محی الدین فانصروانتصر اے علی اے شہر یار مرتضی امداد کن۔
سید موسی کلیم طور عرفاں المدد اے حسن اے اے تاجدار مجتبی امداد کن۔
متقی جوہر زجیلاں سید احمد الامان بے بہا گوہر بہا الدین بہا امداد کن۔
بندہ را نمرود نفس انداخت د نار ہوا ابراہیم ابر آتش گل کناں امداد کن۔
اے محمد یا عالم واخرز دست غفلتم اے کہ ہر موئے تو در ذکر خدا امداد کن۔
ابینا مت شیر جاں شد بنات کا پی احمد! نوشیں لبا شیریں ادا امداد کن۔
شاہ فضل اللہ یا ذوالفضل یا فضل الہ چشم در فضل تو بست ایں بینوا امداد کن۔
شاہ برکات اے ابو! ابو برکات اے سلطان جود بارک اللہ اے مبارک بادشا امداد کن۔
بے خود اوہ با خدا آل محمد مصطفے سید احق واجدا یا مقتدا امداد کن۔
اے حریم طیبہ تو حیدرا کوہ احد یا جبل یا حمزہ یا شیر خدا امداد کن۔
یا ابوالفضل ال احمد حضرت اچھے میاں شاہ شمس الدین ضیا الاصفیا امداد کن۔
تاجدار حضرت مارہرہ یا آل رسول اے خدا خواہ وجدا از ما عدا امداد کن۔
بے وسائل آمد سوئے تو منظور تو نست یعنی اے رب نبی اولیا امداد کن۔
نیست عون از تو بل غیر تو خود ہیچ نیست یا الہ الحق الیک المنتھی امداد کن۔

محمد طلحہ حسین سعدی ثقافی
کاشی باڑی، روئی دھاسہ، ٹھاکر گنج، کشن گنج، بہار۔

مخدوم جہاں اور امام احمد رضا قدس سرہ

مفتی صابر رضا محب القادری نعیمی

دعوت و ابلاغ کے بنیادی اسباب و وسائل اور عوامل و محرکات میں زبان و ادب ایک اہم عنصر ہے۔ داعی دین کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے مدعو اور مخاطب کے سامنے قابل فہم زبان استعمال کرے؛ یہی وجہ ہے کہ سارے انبیا و رسل علیہم الصلاۃ والسلام اپنی قوم کی زبان میں بھیجے گئے

قرآن حکیم میں ہے: و ما ارسلنا مِن رسول الا بِلِسانِ قومِہ لِیبیِن لھم- فیضِل اللہ من یشآء و یھدِی من یشآء وھو العزِیز الحکیم۔ ترجمہ: اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا کہ وہ انہیں صاف بتائے پھر اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہے اور وہ راہ دکھاتا ہے جسے چاہے اور وہی عزت حکمت والا ہے (سورۂ ابراھیم: ۴)

خاتم الانبیا سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانے میں اور جہاں بھیجے گئے وہ دنیا کا وسط کہلاتا ہے، اس زمانے کی مرکزی زبان عربی تھی، اس لیے قرآن عربی زبان میں نازل ہوا، اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت و ترسیل کا کام عربی زبان میں انجام دیا، دیگر انبیا و رسل میں سے کسی کی زبان عبرانی تو کسی کی سریانی وغیرہ رہی۔ اس پر پوری امت متفق ہے کہ محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی اور رسول ہیں، اور یہ عقیدہ ضروریات دین میں سے بھی ہے، اور ساتھ میں یہ بھی مسلم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین اور دعوت قیامت تک محیط ہے، ظاہری حیات سے پردہ فرمانے کے بعد دعوت و تبلیغ اور رشد و ہدایت کے حوالے سے اولیا، صوفیا اور علما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث و امین ہیں۔ یہ ان کا منصبی فریضہ ہے کہ وہ اپنی قوم کی زبان میں قرآن و حدیث کی ترجمانی کرے، الحمد للہ اساطین امت اولیا صلحا نے دینا بھر میں اس دعوتی اسلوب کو اپنایا اور مدعو قوم کی زبانوں میں کتب، اور لٹریچرس وغیرہ تحریر کیے اور قرآن و حدیث کی تشریحات فرمائیں، اور آج مختلف زبانوں میں اسلامی معلومات و تفہیمات اور رشد ہدایت کا ذخیرہ موجود ہیں۔

اسی منہج پر برصغیر ہندو پاک کی تاریخ عہد وسطی انقلاب ۱۸۵۷ء سے ماقبل کا دور جو کہ فارسی زبان و ادب کے عروج کا دور تھا یہاں تک کہ مغلیہ سلطنت میں بھارت کی سرکاری غیر سرکاری دفاتر اور محکمے کی زبان فارسی رہی ہے، حالات اور تقاضے یہ تھے کہ فارسی زبان میں دین کی آبیاری کی جائے، اسی ضرورت کے پیش نظر صوفیا نے اپنی دعوت و ارشاد خلق خدا کی نفع رسائی دستگیری میں فارسی زبان کے ذریعے اہم کردار ادا کیا، خلق کو دین اسلام قرآن فہمی حدیث دانی اس کے بیان و معانی اور اسرار و رموز سے لوگوں کو آشنا کیا اور بڑی تعداد میں لوگ ان سے قریب ہو گئے، اور اس کے یہ جو آج ہم اسلام کی بہاریں دیکھ رہے ہیں، یہ سب اسی کے موثر نتائج اور صوفیا کی کاشت کی ہوئی زمین کی فصلیں ہیں۔

اسلام کی خاطر نمایاں کارنامے انجام دینے والوں میں مخدوم الملک حضرت سیدنا شرف الدین یحیی منیری قدس سرہ المتوفی کی شخصیت ممتاز نظر آتی ہے، حضرت مخدوم بہار کی کل تصانیف کی تعداد سے زیادہ بتائی جاتی ہے،() آپ عربی فارسی دیگر زبانوں پر کامل عبور اور دسترس رکھتے تھے لیکن آپ کی زیادہ تر کتابیں فارسی زبان میں ہیں، اور ان میں چند مشہور کتب ورسائل کے نام یہ ہیں: مکتوبات صدی: توحید، شریعت وطریقت، روح کی حقیقت، خدمت خلق کی تعلیم، مکتوبات دوصدی: علم کی ضرورت علمی توجیہات، شرف آدم، صبر وشکر کی تعلیم، معوذتین، روح کا گھر میں آنا، خوف ورجا وغیرہ

مکتوبات بست وہشت: علم مکاشفہ، رب تعالی کی معیت، ترک دنیا کی تعلیم، علم قلبی کا درس، مایوسی کے بعد نزول رحمت، علم معرفت الہی کا ذریعہ، عشق کی تعریف، وغیرہ،

معدن المعانی: رب تعالی کی وحدت، عددی نہیں، حقیقی ہے، فرقہ ثنویہ کا رد، مومن کی تکفیر میں عجلت نہیں، شرک خفی وجلی کی بحث، جوہر کی تعریف، ذات وصفات باری تعالی، متشابہات کی بحث، وغیرہ

خوان پر نعمت: اقسام وحی اپنی ولایت کا علم، اللہ تعالی تک پہونچنے کا مطلب، ولدان وغلمان کا فرق، ارادت ومشیت، سعید وشقی کی بحث، حضور کا فضل مسلم ہے

. شرح آداب المریدین: درود وسلام کا بیان، کلام اللہ غیر مخلوق ہے، انبیائے کرام، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فضل تمام انبیا پر اور خاتم النبیین کی بحث اور بالترتیب خلفائے راشدین عشرہ مبشرہ صحابہ عہد رسالت علم وعلما کے فضائل وغیرہ. فوائد رکنی: طہارت ظاہر وباطن، مشیت ایزدی، مراتب اولیا، فقر وقناعت، زہد وفقر وغیرہ

ان کے علاوہ ملفوظات زاد راہ، مونس المریدین، فوائد المریدین، ارشاد السالکین، مغز المعانی، مخ المعانی، رسائل مکیہ، رسائل اجوبہ، رسائل وجودیہ، رسائل وصول، فوائد غیبی، سبیل الرشاد، اسباب النجا، راحت القلوب، وغیرہ

یہ تمام کتب ورسائل عقائد ونظریات حقہ اصلاح احوال تزکیہ نفس اور علوم اسلامیہ کی ترویج میں نمایاں مقام رکھتے ہیں. مخدوم بہار کی تصنیفات عقائد اہلسنت کے احیا، باطل نظریات کے حاملین متصوفین کے رد وابطال ساتھ زبان وادب کے اعتبار سے فارسی ادب میں گراں قدر اضافہ ہے، مخدوم بہار کی مندرجہ بالا کتابوں میں مکتوبات کو غیر معمولی شہرت ملی اپنے تو اپنے غیروں نے بھی اعتراف کیا ہے. مولوی علی میاں ندوی نے دعوت وعزیمت میں لکھا:

نظم میں حکیم سنائی فرید الدین عطار، مولانا روم نے بہت کچھ فرمایا ہے، لیکن نثر میں مخدوم الملک بہاری شیخ احمد شرف الدین یحیی منیری کے مکتوبات سے زیادہ موثر طاقتور اور بلیغ تحریر نظر سے نہیں گزری ہے(۳)

یقینا آپ کے مکتوبات کا مجموعہ متلاشیان حق کے لیے بہترین رہنما اور قلب وروح کے مریضوں کے لیے موثر علاج اور اکسیر اعظم ہے آج بھی اہل حق علما اور صوفیا اس سے استفادہ کرتے اور متمتع ہوتے ہیں

مکتوبات کے علاوہ فارسی ملفوظات کا بھی جواب نہیں، علوم وفنون حکمت ودانش اور صلاح وفلاح، تزکیہ وتصفیہ کے باب میں

مکتوبات کی طرح آپ کے ملفوظات کو بھی نمایاں مقام حاصل ہے، معدن المعانی اسم با مسمی ہے۔ یہ صحیح معنوں میں علوم وفنون کا معدن ومخزن اور منبع ہے، علم قرآن وتفسیر، علم حدیث، اصولِ حدیث، فقہ واصول فقہ اور علم کلام وفلسفہ پر گفتگو کرتے ہوئے محققین کے سلطان ہونے کی حیثیت سے آپ متمکن نظر آتے ہیں، ضخامت کے اعتبار سے یہ کتاب ساڑھے چھ سو صفحات پر مشتمل ہے، اور اس میں پچاس ابواب ہیں اور ہر باب کے تحت علمی تحقیقی مباحث موجود ہیں، مکتوبات وملفوظات میں آپ کے بعد مجدد الف ثانی کے مکتوبات اور امام احمد رضا قدس سرہ کے ملفوظات اور دیگر بزرگ صوفیا کی کاوشات بھی ہیں، لیکن ان سب میں آپ امام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

،اب آیئے مخدوم بہار کی عظمت اور ان کی خدمات کی تفہیم کے لیے ہمارے عہد کے مناظر اعظم فقیہ النفس حضرت علامہ مفتی مطیع الرحمن مضطر رضوی صاحب کا یہ اقتباس ملاحظہ کریں:

آٹھویں صدی ہجری میں ہندوستان کے اندر صوفیا کے لبادے میں متصوفین اسلام کا چہرہ مسخ کرنے لگ گئے تھے، اور علما کے لباس میں اہل ظاہر دین سے اس کی روح نکالنے کے درپے تھے، تو اس وقت کے عالم بے بدل اور صوفی زماں حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیی منیری علیہ الرحمہ نے نہ تو خانقاہ ومدرسہ کے کنج خمولی میں پناہ لی، اور نہ متصوفین اور اہل ظاہر سے صلح کی بلکہ اپنے دربار فیض بار سب کی صلاح وفلاح کے لیے کھلا رکھنے کے ساتھ ساتھ اور عمل کی سپر لے کر میدان جہاد میں کود پڑے، اہل ظاہر کی کم علمی کو واضح اور متصوفین کی بدعملی کو اجاگر کر کے دونوں کو جادہ حق سے ہٹا ہوا بتایا، اور اپنے علم وعمل کے ذریعہ قوم کو سیدھی راہ دکھائی، اور صحیح منزل کی نشاندہی کی جیسا کہ آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ اور ملفوظات ومکتوبات کا ورق ورق اس پر شاہد عدل ہے ()

قارئین: مندرجہ بالا سطور مخدوم بہار کے اعتقاد ونظریات، اور دینی مذہبی لسانی خدمات آپ کے عظیم مقام ومرتبہ کے عرفان کے لیے کافی ہیں، اگر آپ ان کی زندگی کا مطالعہ کرینگے تو سمجھ میں آئیگا کہ وہ ایک بڑے محدث محقق فقیہ صوفی اور انشا پرداز ادیب تھے، آپ کی نگارشات صرف فارسی نہیں بلکہ عربی ادب میں کامل مہارت کا ثبوت فراہم کرتی ہیں، بایں طور کہ اسلام میں مآخذ کی حیثیت رکھنے والی قرآن وحدیث سے لیکر تفسیری کتب کی اصل زبان عربی ہے، اور آپ نے اس کے معانی ومفہوم کو فارسی زبان کے لباس میں لوگوں تک پہونچایا ہے، آپ کی انفرادی شان یہ بھی ہے کہ ہندوستان میں علم حدیث بخاری ومسلم کی باضابطہ تدریس کے آغاز کا سہرا بھی آپ ہی کے سر جاتا ہے، اور آپ کی پوری زندگی احقاق حق ابطال باطل سے عبارت ہے، ایک طرف خدمت خلق اور دوسری جانب تعلق باللہ مخلوق سے ظاہری دوری کا یہ عالم کہ ایک طویل عرصہ تک بیہیا اور راج گیر کے جنگلوں میں جا کر عبادت وبندگی اور ریاضت ومجاہدہ کر رہے ہیں، درخت کے پتوں پر اپنا گذارہ فرما رہے ہیں، مخدوم بہار کے عقائد ونظریات قرآن وحدیث کے عین مطابق تھے، اور زندگی بھر اسی کے داعی ومبلغ رہے، باوجود اس کے چودھویں صدی کے توہین رسالت کے مرتکب اسماعیلی گروہ نے اپنے مقتدا مولانا اسماعیل دہلوی کی کتاب تقوی الایمان کو حق اور درست ثابت کرنے اور باطل نظریات کو جواز فراہم کرنے کے لیے مخدوم بہار کی ذات کو استعمال کرنے کی سعی کی، مخدوم پاک کو مشق ستم بنایا، تو امام احمد رضا سپر بن کر کھڑے ہو گئے، اور انہوں

نے دفاع کا مورچہ سنبھالا، مجدد اعظم امام احمد رضا فاضل بریلوی المتوفی ھ جو کہ مخدوم جہاں کے مداح اور ان کی علمی روحانی عظمتوں کے معترف ہیں، صرف معترف نہیں بلکہ یہ کہنا صد فی صد درست ہوگا کہ امام احمد رضا ان جیسے صوفیا کے صوفیانہ مشن اور داعیانہ تحریک کے وکیل وترجمان تھے، بظاہر مخدوم بہار اور امام احمد رضا کے درمیان تقریبا چھ سو سال کا عرصہ حائل ہے، لیکن عقائد واعمال اور علم روحانیت کے باب میں یکسانیت اس قدر کہ بال برابر بھی فرق نہیں، مخدوم بہار اور امام احمد رضا لسانیات کے باب میں بھی ایک دوسرے کے شریک وسہیم رہے ہیں، انہوں نے ایک ہزار سے زائد کتب ورسائل میں عربی اردو کے علاوہ فارسی ادب کے بھی جواہر پارے چھوڑے ہیں، راقم کے اس دعوی کے ثبوت میں دونوں بزرگوں کے تصانیف دیکھے جاسکتے ہیں، خدمت دین خواہ کسی بھی زبان میں ہو اور وہ مخدوم بہار ہوں یا اعلی حضرت یا پھر دوسرے تمام اولیا ومحدثین ان کی تعلیمات دراصل قرآن واحادیث کا عطر مجموعہ ہے، ان کی تعلیمات سے انحراف کہیں نا کہیں قرآن وحدیث سے انحراف ہے،

مخدوم بہار سے امام احمد رضا کی عقیدت ومحبت دیکھیں، اپنے شاگرد وخلیفہ ملک العلما حضرت مولانا سید ظفر الدین بہاری کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: حضرت سیدنا مخدوم شرف الحق والدین بہاری منیری قدس سرہ کی طرف ایک ملفوظ بنام معدن المعانی بہار میں چھپا ہے یہاں اور لکھنو میں نہ ملا وہاں ملے تو ایک نسخہ مطلوب اور کسی معتمد جگہ اس کا کوئی قلمی نسخہ بھی معلوم کرنا ہے(۵)

معدن المعانی کا ذکر اوپر گذر چکا، دونوں کے درمیان کا روحانی رشتہ دیکھیں! مخدوم بہار سلسلہ فردوسیہ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ نجیب الدین فردوسی علیہ الرحمہ سے مرید تھے، اور یہ سلسلہ مشہور سلسلہ سہروردیہ کی شاخ ہے، امام احمد رضا کو اس سلسلہ سے بھی خلافت واجازت حاصل تھی، مخدوم بہار کے سجادہ حضرت شاہ امین میاں فردوسی علیہ الرحمہ یہ امام احمد رضا کے معاصر بزرگ ہیں، ان کی سرپرستی میں بہار کی زمین سے آپ نے ندوہ وہابیہ دیابنہ کا رد وابطال فرمایا، عدم تقلید کے قائلین اور بعض نام نہاد مقلدین اسماعیلی تقوی الایمان کے توہین آمیز کفریہ عبارات کی تائید وصفائی میں مخدوم بہار کی جانب منسوب ایک متصوفانہ قول کو بطور دلیل پیش کرنے لگے، تا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ مخدوم بہار جنہیں مسلمانوں کی اکثریت اپنا مقتدا وپیشوا مانتی ہے، انہوں نے بھی اسی نوعیت کی بات کی ہے جو آج تقوی الایمان میں مرقوم ہے، ایسے پرفتن ماحول میں امام احمد رضا نے ایک تحقیقی اور فقہی رسالہ بنام حجب العوار عن مخدوم بہار تحریر فرما کر امت مسلمہ کو حقائق سے آشکارا کیا اور اپنے گمراہ کن عقائد کے اثبات ومبنی برحق پر ان کی جانب منسوب قول کا سہارا لینے والوں کا دندان شکن جواب دیا۔

یہ رسالہ دراصل ایک استفتا کے جواب میں ہے، دانا پور پٹنہ سے شعبان ھ کو حنیف خان نام سے ایک شخص نے سوال کیا بخدمت فیض درجت جناب اعلی حضرت مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب مدظلہ گذارش یہ ہیکہ اسماعیل نے چمار کے لفظ سے مثال دی، یہاں کے غیر مقلدین کہتے ہیں، کہ مخدوم صاحب نے مینگنی سے مثال دی ہے، اس کا کیا جواب ہے حضور کا کوئی رسالہ یا فتوی اس بارے میں ہے یا نہیں

امام احمد رضا چاہتے تو مختصر وضاحت کے ساتھ جواب دیکر یا پھر داخل شطحیات بتا کر اپنا دامن چھڑا لیتے، لیکن نہیں انہوں

نے اپنے ممدوح جو مخدوم الملک مخدوم بہار سلطان المحققین جیسی ارفع شان کے ساتھ دنیا جہاں میں متعارف تھے، اور ان کی علمی روحانی شخصیت مسلم تھی، ایسی مقتدر ہستی کے جناب میں ایسی غلط بات منسوب کرنا جس سے امت گمراہی اور ذلت کی دبیز چادر تلے دب کر اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے، ایک بڑی سازش کا حصہ تھا، اور بروقت علمی تحقیقی جواب دینا ضروری تھا، مخدوم پاک سے محبت ان کی عظمت وعقیدت اور روحانیت تقاضا کر رہی تھی، کوئی اٹھے اور جواب لاجواب سے پوری قوم کو گمراہ ہونے سے بچائے، لہذا امام احمد رضا نے ایسا ہی کیا، بتایا جاتا ہے کہ مخدوم بہار کی واحد شخصیت ہے، جن کے نام آپ نے یہ ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا، رسالہ کو پڑھینگے تو معلوم ہوگا کہ مخدوم بہار پر لگائے گیے بے بنیاد سنگین الزام کے پرخچے اڑا دیے گیے ہیں، اور باطل ضال مضل طبقہ پر امام قہر الہی کی بجلی بن کر گرج رہے ہیں، اہل حق کیلیے مخدوم بہار کا فیضان بن کر برس رہے ہیں، اور علما ومحققین پر تحقیق تنقید وتنقیح اور استدلال کے دروازے کھلتے نظر آرہے ہیں، عقلی ونقلی دلائل اور منطقی گرفت کہ روشنی میں باطل نظریات کو جواز فراہم کرنے والوں کی قلعی کھلتی نظر آرہی ہے، ان کی مستتر منصوبہ بندارادی مذموم خیالات کو جس انداز میں آپ نے طشت از بام فرمایا ہے یقینا یہ آپ ہی کا حق ہے، اس کو پڑھنے والا آپ کی مجددانہ مجتہدانہ محققانہ شان کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا، اصل ونقل لاحق اور غیر لاحق کو پرکھنے کے جو اصول آپ نے بیان کیے ہیں، نہایت عمدہ اور معلوماتی ہیں،

مخدوم بہار سے منسوب الزام کا جواب دیتے ہوئے آپ نے پہلی دلیل دی ہے، کوئی کتاب یا رسالہ کسی بزرگ کے نام سے منسوب ہونا، اس سے ثبوت قطعی کو مستلزم نہیں، بہت سے رسالے اکابر چشت کے نام منسوب ہیں، جس کا اصلا ثبوت نہیں

دلیل ثانی: میں آپ فرماتے ہیں کسی کتاب کا ثابت ہونا اس کے ہر فقرے کا ثابت ہونا نہیں ہے بہت اکابر کی کتابوں میں الحاقات ہیں تفصیل کے لیے عارف باللہ امام عبد الوہاب شعرانی علیہ الرحمہ کی کتاب الیواقیت والجواہر کی جانب اشارہ فرمایا درمختار کے حوالے سے حضرت شیخ اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کے کلام میں درمختار کے حوالے سے الحاقات کے ثابت ہونے پر دلیل دیے، مخدوم بہار کی ایک فارسی کتاب عقائد ترجمہ عمدۃ الکلام سے ایک ملحقہ عبارت کی نشاندہی کی ہے، عبارت ہے قریش اعلی جد مصطفی بود واو دو پسر داشت یکے را نام ہاشم بود ودوم را نام تیم بود پیغمبر از نسل ہاشم است وابوبکر از نسل تیم است:

اعلی حضرت امام احمد رضا مخدوم بہار کے تقدس کو سامنے رکھتے ہوئے فرماتے ہیں، کوئی جاہل سے جاہل ایسی بات کہہ سکتا ہے کہ ہاشم کے باپ کا نام قریش تھا، اور ان کے دو بیٹے تھے ایک ہاشم دوسرا تیم، ہم ہرگز ایسی نسبت بھی مخدوم صاحب کی طرف نہیں مان سکتے ضرور کسی جاہل کا الحاق ہے،

دلیل ثالث: میں امام احمد رضا نے کسی مسلمان کی جانب کسی کبیرہ کی نسبت کرنا کتنا بڑا جرم ہے اور اس سے پیدا ہونے والی خرابیوں کو واضح فرمایا ہے، اور دلائل میں احیا العلوم، فتاوی حدیثیہ، مقدمہ ابن الصلاح، امام نووی کی تقریب، فتح القدیر، منح الروض الازھر شرح فقہ اکبر، مجمع الازھر، کے حوالے سے اپنی دلیل کو مزین فرمایا،

دلیل رابع: میں امام نے مخدوم پاک سے منسوب قول کے غیر الحاقی ہونے کی صورت میں اس عبارت کی شرعی اور نفیس توضیح

فرمائی ہے،فرماتے ہیں،حقیقت امر یہ ہے کہ مخلوق کی دو قسم ہے،اول وہ کہ عظمت دینی رکھتے ہیں،جن کے سرو و سرور مطلق حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پھر باقی حضرات انبیا و ملائکہ اولیا و اہلبیت وصحابہ پھر دیگر علما و صلحا و اتقیا پھر سلاطین اسلام پھر عام مومنین گویا کہ تمام ذوات قدسیہ صحائف دینیہ صفات جمیلہ اعمال صالحہ اخلاق فاضلہ اور اماکن مقدسہ۔۔۔۔۔۔کو شامل فرمالیا،اور دوسری قسم کی وضاحت میں وہ کہ عظمت دینی سے اصلا بہرہ نہیں رکھتے،مثلا کفار و مشرکین مرتدین پھر باقی ضالین نیز صفات رذیلہ اعمال خبیثہ اخلاق ازیلہ اور اماکن نجسہ

دونوں قسموں کو قرآن وحدیث کتب فقہ سے مبرہن کیا،اور فرمایا قسم اول کی تعظیم تعظیم الٰہی سے جدا نہیں بلکہ بعینہ اسی کی تعظیم تو محل غیر میں غیر اللہ اور خلق سے وہی مراد ہوتا ہے، جسے مولی عزوجل سے علاقہ قرب نہیں علاقہ قرب والے تو جانب خالق میں ہیں نہ کہ جانب غیر میں،

سبحان اللہ کیا نفیس تحقیق ہے امام احمد رضا کی جسے بھی انشراح صدر حاصل کرنا ہو وہ ضرور پڑھے،: آگے لکھتے ہیں:

صوفی کہ غیر خدا کی تحقیر کرے اور اسے اونٹ کی مینگنی سے حقیر تر جانے قطعا اسی کی تحقیر کرتا ہے،جس کی تعظیم تعظیم الٰہی نہیں جسے مولی عزوجل سے علاقہ نہیں ورنہ جانب خالق کی تحقیر کرے تو خود رب عزوجل کی تحقیر کریگا یہ صوفی کا کام ہوگا یا ابلیس لعین کا ملعون ملعون ملعون ہے وہ کہ اس سے یہ سمجھے کہ مصحف شریف وانبیائے کرام کو مینگنی سے حقیر تر بتا تا ہیاب امام احمد رضا کا اپنے ممدوح سے قلبی وابستگی اور مثبت فکر دیکھیں،فرماتے ہیں:

حضرت مخدوم صاحب تو معاذ اللہ اس معنی ملعون کے وہم سے بھی پاک ہیں،ہاں یہی کافر او رملعون ومرتد وشیطان وابلیس ہیں جو ان کے کلام (اگر ان کا کلام ہے) ایسے گندے کفر پڑھالتے ہیں، وما کفر سلیمن ولکن الشیطن کفروا سلیمان نے تو کفر نہ کیا ہاں یہ شیطان ہی کافر ہوئے، دلیل کے اخیر میں فرماتے ہیں،ہاں مخدوم صاحب نے اگر کہا تو دنیا اور دنیا کی چیزوں کو کہا،جن کو اللہ سے علاقہ نہیں، بیشک وہ مینگنی سے حقیر تر ہیں

دلیل خامس: میں امام اہلسنت نے اپنے منطقی استدلال اور اعلی ذہانت کا جو منظر پیش کیا ہے وہ بڑا دلچسپ ہے،فرماتے ہیں،اگر حضرت مخدوم نے ایسا فرمایا تو کیا انہوں نے تمام انبیا اولیا بالخصوص حضور سید الانبیا علیہ وعلیہم الصلو والثنا کو مینگنی سے مثال دی، والعیاذ باللہ تو ایسی صورت میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ یہ قول: تمہارے نزدیک حق ہے یا باطل اگر باطل ہے تو باطل سے سند لانے والا عیار و مکار اور اس سے توہین شان رسالت کا ہلکا پن چاہنے والا کافر بے دین فی النار ہے یا نہیں اور اگر کہیں کہ ہاں وہ حق ہے اور حضرات انبیا وسید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ اس ناپاک مثال کے لائق ہیں تو پردہ کھل گیا اپنے دعوی اور دلیل کی روشنی میں کبھی وہابیہ غور کریں تو وہ تینوں صورتوں میں مجرم ٹھرینگے،اور ان میں کی ہر ایک صورت ان کے حق میں زہر قاتل ہے،اس پر بھی آپ نے دلائل دیے،اور اخیر میں صاحب حجب العوار حضرت مخدوم بہار اپنے ممدوح کے متعلق امام احمد رضا دوٹوک انداز میں رقم طراز ہیں:

ہرگز مخدوم صاحب نے ایسی ملعون بات نہ فرمائی، نہ وہ یا کوئی مسلمان ایسا کہہ سکتا ہے،جن کے غلامان غلام کے غلامان

غلام کی کفش برداری سے حضرت مخدوم صاحب حضرت مخدوم صاحب ہوئے، اگر انہیں کوایسا بتاتے تو خود کہاں رہتے، اور اپنے آپ اس سے کتنے لاکھ درجے بدتر گندی گھناونی ذلیل ناپاک مثال کے قابل ہوتے نہ کہ سندلانے کے لائق، مگر حاشااللہ! بات وہی ہے کہ وما کفر سلیمان لکن الشیاطین کفروا، سلیمان نے کفر نہ کیا ہاں شیطان کافر ہوئے (یعنی (حضرت مخدوم صاحب نے تو کفر نہ کیا شیاطین ہی کفر کر رہے ہیں''

امام احمد رضا نے مخدوم بہار کے بدخواہوں کو حجب العوار میں اپنی انفرادی شان تحقیق وتفہیم سے جو مسکت جواب دیے ہیں، یقینا دفاع کے ساتھ ساتھ تحقیق کے نئے زاویے بھی وا ہوتے نظر آ رہے ہیں،

اور بڑی بات یہ ہے کہ حجب العوار میں آپ نے مخالفین کو صرف مثبت دلائل نہیں دیے ہیں، بلکہ ان کی کتاب تفوی الایمان سے درجنوں کفریہ توہین آمیز عبارات کی بھی نشاندہی فرمائی، اور ان کے منفی رذیل فکر کا پردہ چاک فرمایا ہے، اب ایسے عقائد ونظریات کا بوجھ اٹھانے والوں سےکبھی نہ ہی تو جواب بن پائیگا اور نا ہی ان دونوں بزرگوں کے اعتقادات سے متعلق لوگوں کو فریب دے سکتے ہیں، بس ایک ہی صورت ہے کہ حق قبول کریں، تفوی الایمانی عقائد سے توبہ ورجوع کریں، نہیں تو شامت یہ ہے کہ جس قدر ممکن ہو ماتم کریں للہ جل علا سب کو ہدایت دے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم صابر رضا محب القادری نعیمیم آخذ ومرجع کتب () سورابراہیم آی () تذکرہ مخدوم بہار () تاریخ دعوت وعزیمت () سہ ماہی رفاقت () مکتوبات امام احمد رضا محدث بریلوی () حجب العوار عن مخدوم بہار

القلم فاؤنڈیشن پٹنہ

ردقادیانیت میں امام احمد رضا کی نگارشات

مولانا قاضی نورسعید احمد قادری

عقیدۂ ختم نبوت ورسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ضروریات دین میں سے ہے۔جس پر قرآن کریم کی آیت کریمہ :''مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلٰكِن رَّسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ''[الاحزاب:۴۰] (محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں، ہاں اللہ کے رسول ہیں، اور سب نبیوں میں پچھلے) اور حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم :''انا خاتم النبیین لا نبی بعدی'' شاہد ہیں۔(میں خاتم النبیین ہوں۔میرے بعد کوئی نبی نہیں [ترمذی شریف، باب ماجاء تقوم الساعۃ الخ، ج:۴،ص:۹۳، دارالفکر بیروت] اس کے علاوہ بے شمار احادیث نبویہ صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور عہد رسالت سے لے کر اب تک اہل ایمان میں سے کسی نے اس کے برخلاف عقیدہ نہیں رکھا، ہر ایک کا عقیدہ یہی رہا ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، لیکن مرزا غلام احمد قادیانی نے نہ صرف ختم نبوت کا انکار کیا بلکہ خود کو نبی ہونے کا دعویٰ بھی کیا۔

> المستند المعتمد میں ہے:''اور انہیں میں سے ''مرزائی فرقہ'' ہے اور ہم ان لوگوں کو مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف منسوب کر کے ''غلامی'' کہتے ہیں۔یہ ایک دجال ہے جو اس زمانہ میں نکلا تو پہلے اس نے حضرت عیسیٰ مسیح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے جیسا ہونے کا دعویٰ کیا، اور خدا کی قسم اس نے سچ کہا وہ جھوٹے مسیح دجال کے مثل ہیں، پھر اس کی حالت نے ترقی کی، تو اس نے اپنی طرف وحی آنے کا دعویٰ کیا اور بے شک وہ خدا کی قسم سچا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:''شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا''[الانعام:۱۱۲] آدمیوں اور جنوں میں کے شیطان کہ ان میں ایک دوسرے پر خفیہ ڈالتا ہے بناوٹ کی بات دھوکے کو۔[کنز الایمان] رہا اس کا اس دعویٰ (مزعوم) وحی کو اللہ کی طرف کرنا، اور اپنی کتاب ''براہین غلامیہ'' کو کلام اللہ عزوجل قرار دینا، تو یہ بھی ان باتوں میں سے ہے جو ابلیس نے اس سے چپکے سے کہہ دی:''کہ تو مجھ سے لے لے اور الٰہ العالمین کی طرف منسوب کردے''
>
> پھر کھل کر اس نے نبوت ورسالت کا دعویٰ کیا اور کہا:''وہی ہے اللہ جس نے اپنا رسول قادیان میں بھیجا۔اور اس نے یہ کہا: کہ اللہ تعالیٰ نے جو اتارا اس میں یہ آیت ہے کہ ہم نے اس کو قادیان میں اتارا اور وہ حق کے ساتھ نازل ہوا۔اور یہ گمان کیا کہ یہ وہی احمد ہے، جس کی بشارت مریم کے بیٹے نے دی، اور وہی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے

مراد ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایسے رسول کی خوش خبری دیتا آیا جو میرے بعد ہوگا ،جس کا نام احمد ہوگا۔ اور اس کا گمان یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اس سے فرمایا: بے شک تم اس آیت کے مصداق ہو: هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ [سورۃ الفتح ،۲۸] وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے۔ [کنز الایمان] پھر اپنی کمین ذات کو بہت سارے انبیا و مرسلین صلوات اللہ علیہم وسلامہم سے افضل بتانے لگا، اور نبیوں، رسولوں میں سے کلمۃ اللہ و روح اللہ و رسول اللہ کو خاص کر کے کہا: ؎

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے

اور جب اس سے مواخذہ کیا گیا کہ تو عیسی رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جیسا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، تو کہاں ہیں وہ ظاہر نشانیاں جو عیسی علیہ السلام لائے، جیسے مردوں کو زندہ کرنا، مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دینا، اور مٹی سے پرندہ کی شکل بنانا، پھر اس میں پھونک مارتے تو وہ اللہ کے حکم سے اڑتا پرندہ ہو جاتا؟ تو اس نے جواب دیا: عیسی یہ کام مسمریزم سے کرتے تھے۔ (مسمریزم انگریزی زبان میں ایک قسم کا شعبدہ ہے) تو اس نے کہا اور اگر یہ نہ ہوتا کہ میں ان جیسی باتوں کو ناپسند کرتا ہوں تو میں بھی ضرور کر دکھاتا، اور جب مستقبل میں ہونے والی غیب کی خبریں بہت بتانے کا عادی ہوا اور ان پیشین گوئیوں میں اس کا جھوٹ بہت زیادہ ظاہر ہوتا اپنی مرض کی اس نے یہ دوائیوں کی کہ غیبی خبروں میں جھوٹ کا ہونا نبوت کے منافی نہیں، اس لیے کہ بے شک یہ چار سو نبیوں کی خبروں میں ظاہر ہوا اور سب سے زیادہ جن کی خبریں جھوٹی ہوئیں عیسی (علیہ السلام) ہیں۔ اور بدبختی کے زینوں میں چڑھتے چڑھتے اس درجہ کو پہونچا کہ واقعہ حدیبیہ کو انہیں جھوٹی خبروں میں شمار کیا، تو اللہ کی لعنت ہو اس پر کہ جس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دی اور اللہ کی لعنت اس پر ہو جو انبیا میں سے کسی کو ایذا دے۔ وصلی اللہ تعالی علیٰ نبینا وعلیہم وبارک وسلم اور جب اس نے مسلمانوں کو اس پر مجبور کیا کہ اس کو مسیح موعود ابن مریم بتول مان لیں اور اس بات پر مسلمان راضی نہ ہوئے، مسلمان حضرت عیسی علیہ السلام کے فضائل کی آیتیں پڑھنے لگے، تو آمادۂ جنگ ہوا، اور حضرت عیسی علیہ الصلو ۃ والسلام کے بارے میں، خرابیوں اور عیبوں کا دعویٰ کرنے لگا، یہاں تک کہ ان کی مادر صدیقہ بتول پاکدامن برگزیدہ، اللہ و رسول کی شہادت سے جن

کی پاکی کا اعلان فرمایا گیا، اور کھل کر بولا کہ عیسی اور ان کی ماں پر یہودیوں کے طعنوں کا ہمارے پاس جواب نہیں، اور ہم اصلا ان کو رد نہیں کر سکتے، اور بتول مطہرہ حضرت مریم کو اپنے جی سے اپنے رسائل کے بہت سارے مقامات میں ایسے عیب لگانے لگا کہ مسلم پر نقل کرنا اور حکایت کرنا بار گراں ہے، پھر تصریح کی کہ حضرت عیسی کی نبوت پر کوئی دلیل نہیں، اور کہا بلکہ بہت سی دلیلیں ان کی نبوت کے ابطال پر قائم ہیں، پھر اس ڈر سے کہ کہیں سب مسلمان اس سے بھاگ نہ پڑیں چھپایا، تو کہا ہم تو ان کی نبوت اس لیے مانتے ہیں کہ قرآن نے ان کو انبیا میں سے شمار کیا، پھر لوٹا تو بولا ان کی نبوت کا ثابت ہونا ممکن نہیں، اور اس میں بھی جیسا کہ تم دیکھتے ہو قرآن عظیم کو جھٹلانا ہے، اس لیے کہ اس میں وہ حکم لگایا جس کے باطل ہونے پر دلیلیں قائم ہیں یہ اس کے دیگر کفریات ملعونہ کے ساتھ منضم ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس کے شر سے اور تمام دجالوں سے پناہ میں رکھے۔ [المستند المعتمد مترجم، ص:۳۹۸ تا ۴۰۰، رضا اکیڈمی ممبئی]

ان باطل عقیدے ونظریے کے خلاف امام اہل سنت امام احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی قدس سرہ نے مستقل پانچ رسائل تصنیف کیں، اور ان میں آپ نے قرآن کریم کی متعدد آیتوں اور بے شمار احادیث نبویہ اور کثیر فقہی جزئیات سے یہ ثابت فرمایا کہ رسول کائنات آخری نبی ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ نبوت کرنا قرآن کریم کا صریح انکار ہے، جو کہ کفر وارتداد ہے۔ چناں چہ ان باطل عقیدوں کے ردوابطال میں پانچ رسائل تحریر کیں:

جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ:

۱۳۱۶ھ میں آپ نے جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ، یعنی ختم نبوت کے انکار پر دشمن خدا کو خدا کی سزا کے نام سے یہ رسالہ تصنیف فرمایا، اس رسالہ میں آپ نے تقریباً ایک سو بیس حدیثوں سے یہ ثابت فرمایا کہ رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی دعویٔ نبوت کر کے کافر ومرتد ہوا، مذکورہ رسالہ کی چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

حدیث: (۱) ابن سعد عامر شعبی سے راوی، سیدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے صحیفوں میں ارشاد ہوا: "انه كائن من ولدک شعوب وشعوب حتى ياتي النبي الامي الذي يكون خاتم الانبياء" بے شک تیری اولاد میں قبائل در قبائل ہوں گے یہاں تک کہ نبی امی خاتم الانبیا جلوہ فرما ہو۔

حدیث: (۲) احمد وبخاری ومسلم وترمذی حدیث طویل شفاعت میں ابوہریرہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "فیاتون محمدا ، فیقولون: یا محمد! انت رسول الله وخاتم الانبیاء" اولین وآخرین حضور خاتم النبیین افضل

المرسلین کے حضور آکرعرض کریں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کے رسول اور تمام انبیا کے خاتم ہیں ہماری شفاعت فرمائیں۔

حدیث: (۳) ابو نعیم "حلیۃ الاولیاء" اور ابن عساکر دونوں بہ طریق عطاء حضرت ابوہریرہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "نزل آدم بالہند واستوحش فنزل جبریل فنادی بالاذان اللہ اکبر اللہ اکبر، أشہد أن لا الہ الا اللہ، أشہد ان لا الہ الا اللہ، أشہد أن محمدا رسول اللہ، أشہد أن محمدا رسول اللہ، قال آدم: من محمد؟ قال: أخر ولدک من الانبیاء" جب آدم علیہ الصلوۃ و السلام بہشت سے ہند میں اترے تو گھبرائے، جبریل امین علیہ الصلوۃ والتسلیم نے اتر کر اذان دی، جب نام پاک آیا، آدم علیہ الصلوۃ والسلام نے پوچھا: محمد کون ہیں؟ کہا: آپ کی اولاد میں سب سے پچھلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

حدیث: (۴): طبرانی "معجم کبیر" میں اور حاکم بہ افادۂ تصحیح اور بیہقی "دلائل النبوۃ" میں امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جب آدم علیہ الصلوۃ والسلام سے لغزش واقع ہوئی عرض کی یارب اسئلک بحق محمد ان غفرت لی۔ الٰہی! میں تجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما۔ ارشاد ہوا: اے آدم! تو نے محمد کو کیوں کر پہچانا، حالاں کہ میں نے ابھی اسے پیدا نہ کیا؟ عرض کی: الٰہی! جب تو نے مجھے اپنی قدرت سے بنایا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو عرش کے پایوں پر لکھا پایا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو میں نے جانا تو نے اسی کا نام اپنے نام پاک کے ساتھ ملایا ہوگا، جو تجھے تمام جہان سے زیادہ پیارا ہے۔ فرمایا: صدقت یا آدم انہ لأحب الخلق الیّ واذ سألتني بحقہ فقد غفرت لک ولو لا محمد ما خلقتک، زاد الطبراني وہو أخر الانبیاء من ذرّیتک۔ اے آدم! تو نے سچ کہا بے شک وہ مجھے تمام جہان سے زیادہ پیارا ہے، اور جب تو نے مجھے اس کا واسطہ دے کر سوال کیا تو میں نے تیرے لیے مغفرت فرمائی، اگر محمد نہ ہوتا تو میں تجھے نہ بناتا۔ وہ تیری اولاد میں سب سے پچھلا نبی ہے۔ [فتاوی رضویہ]

المبین ختم النبیین:

۱۳۲۶ھ میں آپ نے المبین ختم النبیین، یعنی ختم نبوت کو واضح کرنے والا کے نام سے رسالہ تصنیف فرمایا، اس

رسالہ میں قرآن وحدیث اور فقہائے کرام کے جزئیات سے یہ ثابت فرمایا کہ رسول کائنات صلی اللہ تعالی علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ اور جو دعویٰ نبوت کرے کافر و مرتد ہے، مذکورہ کتاب سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

حضور پر نور خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلیہم اجمعین کا خاتم یعنی بعثت میں آخر جمیع انبیا ومرسلین یا بلا تاویل و بلا تخصیص ہونا ضروریات دین سے ہے، جو اس کا منکر ہو یا اس میں ادنی شک وشبہہ کو بھی راہ دے کافر مرتد، ملعون ہے، آیہ کریمہ: ''وَلٰكِنْ رَّسُولَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ'' وحدیث متواتر: ''لا نبی بعدی'' سے تمام امت مرحومہ نے سلفاً خلفاً ہمیشہ یہی معنی سمجھے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلا تخصیص تمام انبیا میں آخر نبی ہوئے حضور کے ساتھ یا حضور کے بعد قیام قیامت تک کسی کو نبوت ملنی محال ہے۔

فتاویٰ ''یتیمۃ الدہر'' و''الاشباہ والنظائر'' و''فتاوی عالمگیریہ'' وغیرہا میں ہے: ''اذا لم یعرف الرجل أنّ محمداً صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر الأنبیاء فلیس بمسلم، لأنّہ من الضروریات''

شفا شریف امام اجل قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ میں ہے: ''کذلک (یکفر) من أدع نبوۃ احد مع نبینا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أو بعدہ (الی قولہ) فھؤلاء کلھم کفار مکذبون للنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لأ نہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم أخبر أنہ وخاتم النبیین ولا نبی بعدہ، وأخبر عن اللّٰہ تعالیٰ أنہ خاتم النبیین وأنہ أرسل کافۃ للناس وأجمعت الأمۃ علی حمل أن ھذا الکلام علی ظاھرہ وأنّ مفھومۃ المراد بہ دون تاویل ولا تخصیص فلا شک فیکفر ھٰؤلاء الطوائف کلھا قطعاً اجماعاً وسمعاً'' یعنی جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خواہ حضور کے بعد کسی کی نبوت کا ادعا کرے کافر ہے (اس قول تک) یہ سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ خاتم النبیین ہیں اور حضور کے بعد کوئی نبی نہیں اور اللہ تعالی کی جانب سے یہ خبر دی کہ حضور خاتم النبیین ہیں اور ان کی رسالت تمام لوگوں کو عام ہے اور امت نے اجماع کیا ہے کہ یہ آیات واحادیث اپنے ظاہر پر ہیں جو کچھ ان سے مفہوم ہوتا ہے وہی خدا اور رسول کی مراد ہے نہ ان میں کوئی تاویل ہے نہ کچھ تخصیص تو جو لوگ اس کا خلاف کریں وہ بحکم اجماع امت وبحکم قرآن وحدیث سب یقینا کافر ہیں۔

امام حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ العالی ''کتاب الاقتصاد'' میں فرماتے ہیں: ''اِنَّ الائمۃ فھمت ھذا اللفظ أنّہ أفھم عدم نبي بعدہ أبداً، وعدم رسول بعدہ أبداً، وأنہ

ليس فيه تاويل ولا تخصيص، ومن أوله بتخصيص، فكلامه من أنواع الهذيان لا يمنع الحكم بتكفيره؛لأنه مكذب لهذا النّص الذي أجمعت الأمة على أنه غير مؤل ولا مخصوص"

یعنی تمام امت مرحومہ نے لفظ خاتم النبیین سے یہی سمجھا ہے وہ بتاتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کبھی کوئی نبی نہ ہوگا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کوئی رسول نہ ہوگا، اور تمام امت نے یہی مانا ہے کہ اس میں اصلا کوئی تاویل یا تخصیص نہیں، تو جو شخص لفظ خاتم النبیین میں النبیین کو اپنے عموم واستغراق پر نہ مانے بلکہ اسے کسی تخصیص کی طرف پھیرے اس کی بات منون کی بک یا سرسامی کی بہک ہے، اسے کافر کہنے سے کچھ ممانعت نہیں کہ اس نے نص قرآنی کو جھٹلایا جس کے بارے میں امت کا اجماع ہے کہ اس میں نہ کوئی تاویل ہے نہ تخصیص۔

عارف باللہ سیدی عبد الغنی نابلسی قدس سرہ قدسی" الشرح الفرائد" میں فرماتے ہیں: "تجويز نبى مع نبيناصلى الله عليه وآله وسلم أو بعده يستلزم تكذيب القرآن؛ اذقد نص علىٰ أنه خاتم النبيين وأخر المرسلين؛ وفى السنة:" أنا العاقب لا نبى بعدى" وأجمعت الأمة على إبقاء هذا الكلام على ظاهره، وهذه إحدى المسائل المشهورة التي كفّرنا بها الفلاسفة۔ لعنهم اللّٰه تعالى"

ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ یا بعد کسی کو نبوت ملنی جائز ماننا تکذیب قرآن کو مستلزم ہے کہ قرآن عظیم تصریح فرما چکا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین و آخر المرسلین ہیں، اور حدیث میں فرمایا: "میں پچھلا نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں" اور تمام امت کا اجماع ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر ہے، یعنی عموم واستغراق بلا تاویل وتخصیص اور یہ ان مشہور مسئلوں میں سے ہے جن کے سبب ہم اہل اسلام نے کافر کہا فلاسفہ کو، اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے۔ [فتاوی رضویہ]

السوء والعقاب علی المسیح الکذاب

۱۳۲۰ھ میں آپ نے "السوء والعقاب علی المسیح الکذاب" یعنی جھوٹے مسیح پر وبال اور عذاب کے نام سے رسالہ تصنیف فرمایا اس رسالہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کے بعض اقوال کو پیش فرمایا جو صریح کفر ہیں: ان میں سے چند کلمات کفر اور اس کا رد ملاحظہ فرمائیں:

کفر اول:

مرزا کا ایک رسالہ ہے جس کا نام ''ایک غلطی کا ازالہ'' ہے، اس کے صفحہ ۶۷۳ پر لکھتا ہے : ''میں احمد ہوں جو آیت {مُبَشِّرًا م بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ} میں مراد ہے'' آیۂ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ سیدنا مسیح ربانی عیسی بن مریم روح اللہ علیہما الصلوۃ والسلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ مجھے اللہ عزوجل نے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، توریت کی تصدیق کرتا اور اس رسول کی خوشخبری سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لانے والا ہے جس کا نام پاک احمد ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ازالہ کے قول ملعون مذکور میں صراحتاً ادّعا ہوا کہ وہ رسول پاک جن کی جلوہ افروزی کا مژدہ حضرت مسیح لائے معاذ اللہ مرزا قادیانی ہے۔

کفر دوم:

''توضیح مرام''، طبع ثانی صفحہ ۹ پر لکھتا ہے کہ ''میں محدث ہوں اور محدث بھی ایک معنی سے نبی ہوتا ہے۔''

کفر سوم:

''دافع البلاء'' مطبوعہ ریاض ہند صفحہ ۹ پر لکھتا ہے: ''سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔''

کفر چہارم:

مجیب پنجم نے نقل کیا و نیز میگوید کہ خدائے تعالی نے ''براہین احمدیہ'' میں اس عاجز کا نام امتی بھی رکھا ہے اور نبی بھی۔ ان اقوال خبیثہ میں

اولاً: کلام الٰہی کے معنی میں صریح تحریف کی کہ معاذ اللہ آیۂ کریمہ میں یہ شخص مراد ہے نہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ثانیاً: نبی اللہ و رسول اللہ و کلمۃ اللہ عیسی روح اللہ علیہ الصلوۃ والسلام پر افترا کیا، وہ اس کی بشارت دینے کو اپنا تشریف لانا بیان فرماتے تھے۔

ثالثاً: اللہ عزوجل پر افترا کیا کہ اس نے عیسی علیہ الصلوۃ والسلام کو اس شخص کی بشارت دینے کے لیے بھیجا، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے: {اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ} بے شک جو لوگ اللہ عزوجل پر جھوٹ بہتان اٹھاتے ہیں فلاح نہ پائیں گے۔ اور فرماتا ہے: {اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ} ایسے افترا وہی باندھتے ہیں جو بے ایمان کافر ہیں۔

رابعاً: اپنی گڑھی ہوئی کتاب ''براہین غلامیہ'' کو اللہ عزوجل کا کلام ٹھہرایا کہ خدائے تعالی نے ''براہین احمدیہ'' میں یوں فرمایا۔ اور اللہ عزوجل فرماتا ہے: {فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ★ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ★ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ} خرابی ہے ان کے لیے جو اپنے ہاتھوں کتاب لکھیں پھر کہہ دیں یہ اللہ کے پاس سے ہے، تاکہ اس کے بدلے کچھ ذلیل قیمت حاصل کریں، سو خرابی ہے ان کے لیے ان کے لکھے ہاتھوں سے اور خرابی ہے ان کے لیے اس کمائی سے۔

ان سب سے قطع نظر ان کلمات ملعونہ میں صراحۃً اپنے لیے نبوت و رسالت کا ادّعائے قبیحہ ہے اور وہ بہ اجماع قطعی کفر صریح ہے۔ فقیر نے رسالہ ''جزاء اللہ عدوہ باباءئہ ختم النبوۃ'' ۱۳۱۶ھ خاص اسی مسئلے میں لکھا اور اس میں آیتِ قرآن عظیم اور ایک سو دس ۱۱۰ حدیثوں اور تیس نصوں کو جلوہ دیا، اور ثابت کیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خاتم النبین ماننا، ان کے زمانہ میں خواہ ان کے بعد کسی نبی جدید کی بعثت کو یقیناً قطعاً محال و باطل جاننا فرض اجل و جزءِ ایقان ہے۔

{وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ} نص قطعی قرآن ہے، اس کا منکر، نہ منکر بلکہ شک کرنے والا، نہ شاک کہ ادنیٰ ضعیف احتمالِ خفیف سے تو ہم خلاف رکھنے والا قطعاً اجماعاً کافر ملعون مخلد فی النیر ان ہے، نہ ایسا کہ وہی کافر ہو بلکہ جو اس کے اس عقیدۂ ملعونہ پر مطلع ہو کر اسے کافر نہ جانے وہ بھی کافر، جو اس کے کافر ہونے میں شک و تردد کو راہ دے وہ بھی کافر، بینا لکفر جلی الکفران ہے۔ [فتاوی رضویہ]

الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی:

۱۳۴۰ھ میں آپ نے الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی، یعنی قادیانی مرتد پر خدا کی تلوار کے نام سے رسالہ تصنیف فرمایا، جس میں قادیانی کے باطل عقیدہ و نظریہ کے خلاف حضرت عیسی علیہ السلام کے با حیات ہونے پر آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ سے استدلال فرمایا اور یہ ثابت فرمایا کہ حضرت عیسی علیہ السلام بقید حیات ہیں اور اس کے خلاف عقیدہ رکھنا قرآن کریم کا صریح انکار ہے جو کفر ہے۔ چناں چہ لکھتے ہیں:

رسول اللہ ارشاد فرماتے ہیں: ''اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ'' ترجمہ: انبیا زندہ ہیں اپنی قبروں میں، نماز پڑھتے ہیں۔

معاذ اللہ کوئی گمراہ بددین یہی مانے کہ ان کی وفات اوروں کی طرح ہے جب بھی ان

کا دوبارہ تشریف لانا کیوں محال ہو گیا؟

({حَرَامٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَآ اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ} (اور حرام ہے اس بستی پر جسے ہم نے ہلاک کر دیا کہ پھر لوٹ کر آئیں۔ت)

ایک شہر کے لیے ہے، بعض افراد کا بعد موت دنیا میں پھر آنا خود قرآن کریم سے ثابت ہے، جیسے سیدنا عزیر علیہ الصلوۃ والسلام۔

قال اللہ تعالی: {فَاَمَاتَہُ اللہُ مِائَۃَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہٗ} (تو اللہ نے اسے مردہ رکھا سو برس، پھر زندہ کر دیا۔ت)

چاروں طائرانِ خلیل علیہ الصلوۃ والسلام:

قال اللہ تعالیٰ: {ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْھُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُھُنَّ یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا}

(پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے، پھر انہیں بلا، وہ تیرے پاس چلے آئیں گے دوڑتے ہوئے۔ت)

ہاں مشرکین ملاعنہ منکرین بعث اسے محال جانتے ہیں اور در بارہ مسیح علیہ الصلوۃ والسلام قادیانی بھی اس قادر مطلق عزّ جلالہ کو معاذ اللہ صراحۃً عاجز مانتا اور ''دافع البلاء'' کے صفحہ ۳۴ پر یوں کفر بکتا ہے: ''خدا ایسے شخص کو پھر دنیا میں نہیں لاسکتا جس کے پہلے فتنے ہی نے دنیا کو تباہ کر دیا ہے۔''

مشرک و قادیانی دونوں کے رد میں اللہ عزوجل فرماتا ہے: {اَفَعَیِیْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ بَلْ ھُمْ فِیْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ} (تو کیا ہم پہلی بار بنا کر تھک گئے بلکہ وہ نئے بننے سے شبہ میں ہیں۔ت)

جب صادق و مصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے نزول کی خبر دی اور وہ اپنی حقیقت پر ممکن و داخل زیر قدرت و جائز، تو انکار نہ کرے گا مگر گمراہ۔

(اگر وہ حکم افراد کو بھی عام مانا جائے تو موت بعد استیفاے اجل کے لیے ہے، اس سے پہلے اگر کسی وجہ خاص سے اماتت ہو تو مانع اعادت نہیں بلکہ استیفاے اجل کے لیے ضرور اور ہزاروں کے لیے ثابت ہے۔

قال اللہ تعالی: {اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَھُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَھُمُ اللہُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاھُمْ} (اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا انہیں جو اپنے گھروں

سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے، تو اللہ نے ان سے فرمایا مرجاؤ، پھر انہیں زندہ فرمادیا۔ت)

(قتادہ نے کہا: ''اَمَاتَهُمْ عُقُوْبَةً ثُمَّ بُعِثُوْا لِيَتَوَفَّوْا مُدَّةَ اٰجَالِهِمْ وَلَوْ جَآئَتْ اٰجَالِهِمْ مَابُعِثُوْا'' (معناً)

اس وقت حیات و وفات حضرت مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کا مسئلہ قدیم سے مختلف چلا آتا ہے مگر آخر زمانے میں ان کے تشریف لانے اور دجال لعین کو قتل فرمانے میں کسی کو کلام نہیں، یہ بلا شبہ اہلِ سنت کا اجماعی عقیدہ ہے، تو وفات مسیح نے قادیانی کو کیا فائدہ دیا، اور مغل بچہ، عیسی رسول اللہ بے باپ سے پیدا ابن مریم کیوں کر ہوسکا؟ قادیانی اس اختلاف کو پیش کرتے ہیں، کہیں اس کا بھی ثبوت رکھتے ہیں کہ اس پنجابی کے ابتداع فی الدین سے پہلے مسلمانوں کا یہ اعتقاد تھا کہ عیسی آپ تو نہ اتریں گے کوئی ان کا مثیل پیدا ہوگا۔ اسے نزول عیسی فرمایا گیا اور اس کو ابن مریم کہا گیا؟ اور جب یہ عام مسلمانوں کے عقیدے کے خلاف ہے تو آیت: {يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَآئَتْ مَصِيْرًا} (مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی ہے ۔ت) کا حکم صاف ہے''۔ [فتاوی رضویہ]

قهر الديان على مرتد بقاديان:

۱۳۲۳ھ میں آپ نے قہر الدیان علی مرتد بقادیان یعنی مرتد پر قہر خداوندی کے نام سے رسالہ تصنیف فرمایا، جس میں قادیانی نے اللہ کے رسول حضرت عیسی بن مریم اور ان کی ماں علیہا الصلوٰۃ والسلام پر جو گالیا دیں، اور ان کی شان زیبائی میں گستاخیاں کیں، اور ان کی مختلف کتابوں میں جو چھپی ہیں، اس کو آفتاب نصف النہار کی طرح بیان فرمایا، ان کی گستاخیاں اس قدر خطرناک ہے کہ ایک مسلمان بولنا تو دور اس کا تصور تک کسی نبی کے تعلق سے ہرگز نہیں کر سکتے، ان کی بعض گستاخیاں جس کو امام احمد رضا خان قدس سرہ نے رقم فرمائے ان میں سے چند ملاحظہ فرمائیں:

تازیانہ آتا ۳ (۱): ''اعجاز احمدی'' ص: ۱۳ پر صاف لکھ دیا کہ: ''یہود عیسی کے بارے میں ایسے قومی اعتراض رکھتے ہیں کہ ہم بھی جواب میں حیران ہیں، بغیر اس کے کہ یہ کہہ دیں کہ ضرور عیسیٰ نبی ہے، کیوں کہ قرآن نے اس کو نبی قرار دیا ہے اور کوئی دلیل ان کی نبوت پر قائم نہیں ہوسکتی، بلکہ ابطال نبوت پر کئی دلائل قائم ہیں۔ یہاں عیسیٰ کے ساتھ قرآن عظیم پر بھی جڑ دی کہ وہ ایسی باطل بات بتا رہا ہے جس کے ابطال پر متعدد

دلائل قائم ہیں۔''

ت ۴و۵(۲): ایضاً ص: ۲۴ ''کبھی آپ کو شیطانی الہام بھی ہوتے تھے۔''

ت ۶ (۳): ایضاً ص: ۲۴ ''ان کی اکثر پیشگوئیاں غلطی سے پر ہیں۔'' یہ بھی صراحۃً نبوت عیسیٰ سے انکار ہے کیوں کہ قادیانی خود اپنی ساختہ کشتی، ص: ۵، پر کہتا ہے: ''ممکن نہیں کہ نبیوں کی پیشین گوئیاں ٹل جائیں۔''

ت ۷: نیز پیشنگوئی لیکھرام آخر دافع الوساوس، ص: ۳، پر کہتا ہے: کسی انسان کا اپنی پیشگوئی میں جھوٹا نکلنا تمام رسوائیوں سے بڑھ کر رسوائی ہے۔''

ت ۸: ''ضمیمہ انجام آتہم''ص: ۲۷، پر کہا: ''کیا اس کے سوا کسی اور چیز کا نام ذلت ہے کہ جو کچھ اس نے کہا وہ پورا نہ ہوا۔''

ت ۹: اور کشتی ساختہ میں اپنی نسبت یوں لکھتا ہے، ص: ۶ ''اگر کوئی تلاش کرتا کرتا مر بھی جائے تو ایسی کوئی پیشگوئی جو میرے منہ سے نکلی ہوا سے نہیں ملے گی، جس کی نسبت وہ کہہ سکتا ہو کہ خالی گئی۔'' تو مطلب یہ ہوا کہ اس کے لیے تو بھاری عزت ہے اور سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے لیے وہ خواری و ذلت ہے، جس سے بڑھ کر کوئی رسوائی نہیں۔ الا لعنۃ اللہ علی الظالمین۔

ت ۱۰ تا ۱۲ (۴) ''دافع البلاء'' (ٹائٹل پیج، ص: ۳: ''ہم مسیح کو بے شک راستباز آدمی جانتے ہیں کہ اپنے زمانہ کے اکثر لوگوں سے البتہ اچھا تھا، واللہ اعلم، مگر وہ حقیقی منجی نہ تھا۔'' رسول اللہ اور وہ بھی ان پانچ مرسلین اولوالعزم سے کہ تمام رسولوں سے افضل ہیں، یعنی ابراہیم ونوح وموسیٰ وعیسیٰ ومحمد صلی اللہ علیہ وعلیہم وسلم اس کی صرف اتنی قدر ہے کہ ایک راستباز آدمی تھا، جوان کی خاک پا کے ادنی غلاموں کا بھی پورا وصف نہیں تو بات کیا، وہی کہ عیسیٰ کی نبوت باطل ہے، فقط ایک نیک شخص تھا وہ بھی نہ ایسا کہ دوسرے کو نجات ملنے کا واقعی سبب ہو سکے، بلکہ حقیقی نجات دہندہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تھے، اور اب قادیانی ہے کہ اس کے متصل کہتا ہے کہ: ''حقیقی منجی وہ ہے جو حجاز میں پیدا ہوا تھا اور اب بھی آیا مگر بروز کے طور پر خاکسار غلام احمد از قادیان''

ت ۱۳۔ (۵): پھر یہاں تک تو عیسیٰ کا ایک راستباز آدمی اور اپنے بہت اہل زمانہ سے اچھا ہونا یقینی تھا کہ بے شک اور البتہ کے ساتھ کہا، نوٹ میں چل کر وہ یقین بھی زائل ہو گیا، اسی صفحہ پر کہا: ''یہ ہمارا بیان محض نیک ظنی کے طور پر ہے

ورنہ ممکن ہے کہ عیسیٰ کے وقت میں بعض راستباز اپنی راستبازی میں عیسیٰ سے بھی اعلیٰ ہوں۔'' اے سبحٰن اللہ!

ایماں یقین شعار باید
حسن ظن تو چکار آید

ت ۱۴۔(۶): پھر ساتھ لگے خدا کی شریعت بھی ناقص و نا تمام ہوگئی، اس کے ص:۴، پر کہا: ''عیسیٰ کوئی کامل شریعت نہ لائے تھے''۔

ت ۱۵ تا ۱۷۔(۷): عیسیٰ کی راستبازی پر شراب خوری اور انواع انواع بداطواری کے داغ بھی لگ گئے، ایضاً، ص:۴۔

مسیح کی راستبازی اپنے زمانے میں دوسرے راستبازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی بلکہ یحییٰ کو اس پر ایک فضیلت ہے کیوں کہ وہ (یعنی یحییٰ) شراب نہ پیتا تھا اور کبھی نہ سنا کہ کسی فاحشہ عورت نے اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا تھا، یا ہاتھوں اور اپنے سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھوا تھا، یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی، اسی وجہ سے خدا نے قرآن میں یحییٰ کا نام حصور رکھا مگر مسیح کا نہ رکھا، کیوں کہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔

ت ۱۸ تا ۲۰(۸): اسی ملعون قصے کو اپنے رسالہ ''ضمیمہ انجام آتھم''ص:۷، میں یوں لکھا: ''آپ کا کنجریوں سے میلان اور صحبت بھی شاید اسی وجہ سے ہو کہ جدّی مناسبت درمیان ہے (یعنی عیسیٰ بھی ایسوں ہی کی اولاد تھے) ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک جوان کنجری کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر اپنے ناپاک ہاتھ لگاوے اور زناکاری کی کمائی کا پلید عطر اس کے سر پر ملے اور اپنے بالوں کو اس کے پیروں پر ملے سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا انسان کس چلن کا آدمی ہوسکتا ہے۔''

ت ۴۱ تا ۴۴(۲۹): وہ پاک کنواری مریم صدیقہ کا بیٹا کلمۃ اللہ جسے اللہ نے بے باپ کے پیدا کیا نشان سارے جہان کے لیے۔ قادیانی نے اس کے لیے دادیاں بھی گنادیں، اور ایک جگہ اس کا دادا بھی لکھا ہے اور اس کے حقیقی بھائی سگی بہنیں بھی لکھی ہیں، ظاہر ہے کہ دادا، دادی حقیقی بہنیں، سگے بھائی اس کے ہوسکتے ہیں جس کے لیے باپ ہو، جس کے نطفے سے وہ بنا ہو، پھر بے باپ کے پیدا ہونا کہاں رہا؟ یہ قرآن عظیم کی تکذیب اور طیبہ طاہرہ مریم کو سخت گالی ہے۔

ت ۵۲(۳۳): حد یہ کہ عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی تکفیر کردی۔ مسلمانو! وہ اتنا

احمق نہیں کہ صاف حرفوں میں لکھ دے عیسیٰ کافر تھا، بلکہ اس کے مقدمات متفرق کر کے لکھے۔ یہ تو دشنام سوم میں سن چکے کہ عیسیٰ کی سخت رسوائیاں ہوئیں۔ اور کشتی ساختہ، ص: ۱۸، پر کہتا ہے: ''جو اپنے دلوں کو صاف کرتے ہیں ممکن نہیں کہ خدا ان کو رسوا کرے، کون خدا پر ایمان لایا صرف وہی جو ایسے ہیں۔'' دیکھو کیسا صاف بتادیا کہ جسے خدا پر ایمان ہے ممکن نہیں کہ اسے خدا رسوا کرے، لیکن عیسیٰ کو رسوا کیا تو ضرور اسے خدا پر ایمان نہ تھا اور کیا کافر کہنے کے سر پر سینگ ہوتے ہیں۔ {اَلاَ لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ} [فتاوی رضویہ]

مذکورہ تمام رسالوں سے آپ نے یہ واشگاف کیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا عقیدہ باطل ہے اس نے ضروریات دین کا انکار کیا اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان اقدس میں گستاخیاں کیں اور نبوت کا دعوی کیا وغیرہ، جس کی وجہ سے کافر و مرتد ہوئے۔ اعلی حضرت امام احمد رضا خان قادری نور اللہ مرقدہ نے مذکورہ رسالوں میں مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد و نظریات کا رد و ابطال فرمایا ہی لیکن ان رسالوں کے علاوہ آپ نے اپنے فتاوے میں بھی جا بجا قادیانی کا رد فرمایا، اور یہ ثابت فرمایا ہے کہ جو بھی معاذ اللہ مرزا کا عقیدہ رکھے گا وہ مسلمان نہیں ہے۔ اللہ تعالی تمام مسلمانون کو حق پر قائم رہنے کی توفیق بخشے اور امام اہل سنت کا درجہ بلند فرمائے۔

شعبۂ تحقیق نوری دارالافتا بھیونڈی

امام احمد رضا اور عظمت سادات کرام

مفتی شاہ محمد مخدوم رضا اشرفی جامعی

شمع شبستان ولایت، بہار چمنستان معرفت، منبع علم وحکمت، قاطع دیوبندیت ووہابیت، امام الواصلین، سید العارفین، مولی المسلمین، عاشق رسول، نائب انبیا، وارث غوث الوریٰ، امام عشق ومحبت، مجدد دین وملت، عظیم المرتبت، اعلیٰ حضرت، مولانا الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کی ذات عالم اسلام میں محتاج تعارف نہیں، آپ نے ایسے ایسے کارہائے نماں انجام دئے ہیں جن کو رہتی دنیا فرموش نہیں کرسکتی، حق و باطل کے درمیان ایسا خطِ امتیاز کھینچ دیا ہے جس سے باطل فرقوں میں کہرام مچ گیا ہے، آج آپ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کا نام لیتے ہی فرقۂ باطلہ کے سینوں میں زلزلہ برپا ہوجاتا ہے۔ آپ نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ دین متین کی خدمت میں صرف کردی۔ اپنی خداداد صلاحیتوں کے ذیعہ سیکڑوں کتابیں تصنیف فرما کر سعادتِ کونین اور شرافت دارین حاصل کی، جوامت مسلمہ کے لیے عظیم وبہترین سرمایہ ہیں۔ آپ نے جہاں ہمیں قرآن کو سمجھنے کے لیے ''کنز الایمان'' فقہ وافتاء کے لیے'' فتاویٰ رضویہ'' نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم غیب پر'' الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ'' اور فرقۂ باطلہ کے عقائد ونظریات کو جاننے کے لیے ''حُسام الحرمین'' دیا، تو وہیں پر آپ نے عشق رسول ومحبت رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں جینا، مرنا بھی سکھایا، آپ کی آل واصحاب کی تعظیم وتکریم کرکے ادب واحترم کا سلیقہ بتایا، اور خود بھی ادب واحترام کا خوب خیال فرمایا۔

اس میں کوئی دورائے نہیں کہ جس کے دل میں نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی محبت ہوگی، بلاشبہ اس کے دل میں سرکار مصطفی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی آل کی بھی محبت ہوگی، اس لیے کہ محبت رسول ہو اور آل رسول کی محبت نہ ہو، تو یہ محبت کامل نہیں کہلائے گی، بلکہ ناقص کہلائے گی۔

قربان جائیں اعلیٰ حضرت امام عشق ومحبت امام احمد رضا خان قدس سرہ پر کہ آپ نے اس محبت والفت، تعظیم وتوقیر کا ثبوت اپنے اقوال وافعال، اشعار وابیات، اوراخلاق وکردار سے اس طرح دیا، کہ آج بھی دنیا اس بات کو بلاتردد تسلیم کرتی ہے کہ امام احمد رضا نے جس طرح سادات کرام کی تعظیم وتکریم، محبت والفت کرکے دکھائی ہے اس طرح، نہ کسی نے دکھائی ہے اور نہ ہی بتائی ہے۔ آپ کے اس طرز عمل کو دیکھنے والوں نے دیکھا، سماعت کرنے والوں نے سماعت بھی کی، اور عمل کرنے والے آج بھی عمل کررہے ہیں۔

اعلیٰ حضرت اور سادات کرام کی عظمت:

اس میں کوئی ردوقدح نہیں کہ اس خطۂ ارض میں اگر اعلیٰ حسب ونسب کی بات کی جائے تو وہ سادات کرام واہل بیت اطہار

ہی ہیں کیوں کہ وہ نبی اکرم نورمجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذریت ہیں۔ جیسا کہ وارث علوم اعلیٰ حضرت، تلمیذ خاص، خلیفۂ اول حضرت علامہ ظفرالدین رضوی بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں: ''سادات کرام، جزِ رسول (نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ منور کا ٹکڑا) ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ تعظیم وتوقیر کے حق دار ہیں اور اِس پر پورا عمل کرنے والا میں نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو پایا۔ اس لئے کہ کسی سید صاحب کو وہ اس کی ذاتی جان پہچان یا قابلیت کے اعتبار سے نہیں دیکھتے تھے بلکہ اِس حیثیت سے ملاحظہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جز ہیں، پھر اِس عقیدت ونظریے کے بعد جو کچھ اِن (ساداتِ کرام) کی تعظیم وتوقیر کی جائے، سب درست وبجا ہے۔

اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اپنے قصیدۂ نور میں عرض کرتے ہیں:

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا — تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانا نور کا

[حیاتِ اعلیٰ حضرت، ج:۱،ص:۱۶۵]

اعلیٰ حضرت امام عشق محبت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سادات کرام کی عظمت کے متعلق کئی احادیث مبارکہ کو نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: ''حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''جو شخص اولاد عبدالمطلب میں سے کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اس کا صلہ دنیا میں نہ پائے، میں بہ نفس نفیس روزِ قیامت اس کا صلہ عطا فرماؤں گا'' ملخصا [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۲۱، ص:۴۱۹]

اسی میں ایک اور حدیث پاک کے حوالے سے فرماتے ہیں: ''جو میری اولاد اور انصار اور عرب کا حق نہ پہچانے وہ تین علتوں سے خالی نہیں۔ یا تو منافق ہے یا حرامی یا حیضی بچہ۔ (یہ بیہقی کے الفاظ زید بن جبیر نے داؤد بن حصین سے انھوں نے ابن ابی رافع سے انھوں نے اپنے والد کے حوالہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا) دوسروں کے الفاظ یوں ہیں۔ یا منافق، ولدزنا، یا اس کی ماں نے ناپاکی کی حالت میں اس کا حمل لیا'' ملخصا [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۲۲/ ۴۲۰]

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ خود اپنا ذاتی عمل کے بارے میں لکھتے ہیں: ''یہ فقیر ذلیل بحمدہ تعالیٰ حضرات سادات کرام کا ادنیٰ غلام وخاکپا ہے ان کی محبت وعظمت ذریعۂ نجات وشفاعت جانتا ہے، اپنی کتابوں میں چھاپ چکا ہے کہ سید اگر بد مذہب بھی ہوجائے تو اس کی تعظیم نہیں جاتی، جب تک بد مذہبی حد کفر تک نہ پہنچے، ہاں بعد کفر سیادت ہی نہیں رہتی، پھر اس کی تعظیم حرام ہوجاتی ہے'' ملخصاً [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۲۹،ص:۵۸۷]

اعلیٰ حضرت کا تعظیم سادات نہ کرنے پر تنبیہ کرنا:

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل سادات کرام کی محبت وعظمت سے اس قدر بھرا ہوا تھی کہ کسی سیدزادے کو نام لے کر پکارنا بے ادبی وگستاخی سمجھتے تھے۔ اگر کوئی آپ کے سامنے نام لے کر پکار لیتا تو اسی وقت اس کی اصلاح فرماتے ہوئے کہتے کہ سید زادے کو نام لے کر مت پکارو۔

ملک العلما، حضرت علامہ ظفر الدین قادری بہاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ''حضرت مولانا نور محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت مولانا سید قناعت علی رحمۃ اللہ الولی یہ دونوں حضرات مجددِ دین وملت، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صحبتِ بابرکت میں رہ کر علم دین حاصل کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مولانا نور محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سید صاحب کا نام لے کر اِس طرح پکارا: قناعت علی، قناعت علی! جب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عاشق صادق، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کانوں میں یہ آواز پڑی تو گوارا نہ کیا کہ خاندانِ رسول کے شہزادے کو اس طرح نام لے کر پکارا جائے۔ فوراً مولانا نور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بلوایا اور انفرادی کوشش کرتے ہوئے فرمایا: کیا سیدزادوں کو اِس طرح پکارتے ہیں؟ کبھی مجھے بھی اِس طرح پکارتے ہوئے سنا؟ (یعنی میں تو استاد ہوں پھر بھی کبھی ایسا انداز اختیار نہیں کیا) یہ سن کر مولانا نور محمد صاحب بہت شرمندہ ہوئے اور ندامت سے نِگاہیں جھکا لیں۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: ''جائیے! آئندہ خیال رکھئے گا''[حیات اعلیٰ حضرت،ض:۱،ص:۱۷۹]

اعلیٰ حضرت اور پالکی پر سواری:

اعلیٰ حضرت کو سیکڑوں علوم وفنون پر مہارت تامہ حاصل تھی، آپ کے علم کا شہرہ افق فلک کی بلندی پر گونج رہا ہے، لیکن اس کے باوجود آپ کے قلب اطہر میں سادات کرام کی عظمت اس قدر بسی تھی جس کی مثال دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔

حیات اعلیٰ حضرت میں ہے: ''بریلی شریف کے کسی محلے میں اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت مولانا شاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مدعو (دعوت پر بلائے گئے) تھے۔ اِرادت مندوں نے اپنے یہاں لانے کے لئے پالکی کا اِہتمام کیا تھا۔ چنانچہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سوار ہوگئے اور چار مزدور، پالکی کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر چل دیئے۔ ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ یکا یک، امامِ اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پالکی میں سے آواز دی: ''پالکی روک دیجئے'' پالکی رک گئی۔ آپ فوراً باہر تشریف لائے اور بھرائی ہوئی آواز میں مزدوروں سے فرمایا: ''سچ سچ بتائیے! آپ میں سیدزادہ کون ہے؟ کیوں کہ میرا ذوقِ ایمان سرورِ دوجہان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو محسوس کررہا ہے'' ایک مزدور نے آگے بڑھ کر عرض کی: ''حضور! میں سید ہوں'' ابھی ان کی بات مکمل بھی نہ ہونے پائی تھی کہ عالم اسلام کے پیشوا اور اپنے وقت کے عظیم مجدد نے اپنا عمامہ شریف اس سیدزادے کے قدموں میں رکھ دیا۔ امامِ اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گررہے ہیں اور ہاتھ جوڑ کر التجا کررہے ہیں: ''معزز شہزادے! میری گستاخی معاف کردیجئے، بے خیالی میں مجھ سے بھول ہوگئی، ہائے غضب ہوگیا! جن کی نعلِ پاک میرے سر کا تاج عزت ہے، ان کے کاندھے پر میں نے سواری کی، اگر بروزِ قیامت تاجدارِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھ لیا کہ احمد رضا! کیا میرے فرزند کا دوشِ نازنیں (یعنی نازک کندھا) اِس لئے تھا کہ وہ تیری سواری کا بوجھ اٹھائے؟ تو میں کیا جواب دوں گا! اس وقت میدانِ محشر میں میرے ناموسِ عشق کی کتنی زبردست رسوائی ہوگی۔ کئی بار زبان سے معاف کردینے کا اِقرار کروالینے کے بعد امامِ اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آخری التجائے شوق پیش کی: محترم شہزادے! اس لاشعوری میں ہونے والی خطا کا کفارہ جبھی ادا ہوگا کہ اب

آپ پالکی میں سوار ہوں گے اور میں پالکی کو کاندھا، دوں گا۔ اس التجا پر لوگوں کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور بعض کی تو چیخیں بھی بلند ہوگئیں۔ ہزار اِنکار کے بعد آخر کار مزدور شہزادے کو پالکی میں سوار ہونا ہی پڑا۔ یہ منظر کس قدر دل سوز ہے، اہل سنت کا جلیل القدر امام مزدوروں میں شامل ہو کر اپنی خداداد علمیت اور عالمگیر شہرت کا سارا اِعزاز خوشنودیِ محبوب کی خاطر ایک گمنام مزدور شہزادے کے قدموں پر نثار کر رہا ہے'' [حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱،ص: ۱۸۳/انوار رضا،ص: ۴۱۵]

اعلیٰ حضرت کے دولت کدہ میں ایک کمسن سیدزادے کا واقعہ:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قدس سرہ العزیز سادات کرام کے متعلق کس طرح احتیاط برتتے تھے اور ان کی عظمت و احترام آپ کے دل میں کس حد تک جاں گزیں تھا زیر اقتباس سے ملاحظہ فرمائیں:

چناں چہ حیات اعلیٰ حضرت میں ہے، جناب سید ایوب علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں: ''ایک کم عمر صاحبزادے خانہ داری کے کاموں میں اِمداد کے لیے (اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے) کاشانہ اقدس میں ملازم ہوئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ سیدزادے ہیں لہٰذا اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے گھر والوں کو تاکید فرما دی کہ صاحبزادے سے خبردار کوئی کام نہ لیا جائے کہ مخدوم زادہ ہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرزندِ ارجمند ہیں، ان سے خدمت نہیں لینی بلکہ ان کی خدمت کرنی ہے، لہٰذا کھانا وغیرہ اور جس شے کی ضرورت ہو ان کی خدمت میں حاضر کی جائے۔ جس تنخواہ کا وعدہ ہے وہ بطورِ نذرانہ پیش ہوتا رہے، چنانچہ حسب الارشاد تعمیل ہوتی رہی۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ صاحبزادے خود ہی تشریف لے گئے'' [حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص: ۲۲۳]

اعلیٰ حضرت کی ناراضگی اور قولِ سید کی فرمابرداری:

سیرت اعلیٰ حضرت میں ہے: ''اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کبھی ناراض ہوتے تو کھانا، پینا اور حقہ، پان چھوڑ دیتے تھے جس سے آپ کو کافی پریشانی ہوتی تھی، بسا اوقات یہ معاملہ پیش آ ہی جاتا تھا۔ اس ناگواری کو دور کرنے کے لیے سب سے پہلے تو خاندان والے اور احباب اس غصے کے فرو کرنے کی کوشش کرتے۔ اگر وہ اس مجاہدے کو نہ ختم کرا سکے تو سید صاحبان سے عرض کیا جاتا تھا۔ اعلیٰ حضرت کو سید صاحب کے حکم کی تعمیل کرنا پڑتی تھی۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے ایک بار کھانا چھوڑا اور صرف ناشتے پر قناعت کی۔ اس میں بھی کوئی اضافہ منظور نہ فرمایا۔ سارے خاندان اور ان کے احباب کی کوشش رائگاں ہوگئی۔ سید مقبول صاحب کی خدمت میں نومحلہ حاضر ہوئے، عرض کیا! آج دو مہینے ہونے کو آئے کہ اعلیٰ حضرت نے کھانا چھوڑ دیا ہے، ہم سب کوشش کر کے تھک گئے ہیں، آپ ہی انہیں مجبور کر سکتے ہیں۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ ہماری زندگی میں انہیں یہ ہمت ہوگئی ہے کہ وہ کھانا چھوڑ بیٹھے ہیں، ابھی کھانا تیار کراتا ہوں اور لے کر آتا ہوں، حسب وعدہ سید مقبول صاحب ایک نعمت خانہ میں کھانا لے کر خود تشریف لائے، اعلیٰ حضرت قبلہ زنانے مکان میں تھے۔ سید صاحب کی اطلاع پاتے ہی باہر آ گئے۔ سید صاحب سے قدم بوس ہوئے۔ اب بات چیت شروع ہوئی۔ سید صاحب نے فرمایا میں نے سنا ہے کہ آپ نے کھانا چھوڑ دیا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے عرض کیا کہ میں تو روز کھاتا ہوں۔ سید

صاحب نے فرمایا مجھے معلوم ہے جیسا آپ کھاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے عرض کیا کہ حضور میرے معاملات میں اب تک کوئی فرق نہیں پڑا ہے۔ میں اپنا سب کام بدستور کر رہا ہوں، مجھے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی تو سید صاحب قبلہ برہم ہو گئے اور کھڑے ہو کر فرمانے لگے: اچھا! تو میں کھانا لیے جاتا ہوں، کل میدان قیامت میں سرکار دو جہاں کا دامن پکڑ کر عرض کروں گا کہ ایک سیدانی نے بڑے شوق سے کھانا پکایا اور سید لے کر آیا مگر آپ کے احمد رضا خاں نے کسی طرح نہ کھایا۔ اس پر اعلیٰ حضرت کانپ گئے، عرض کیا کہ میں تعمیلِ حکم کے لیے حاضر ہوں۔ ابھی کھائے لیتا ہوں۔ سید صاحب قبلہ نے فرمایا کہ اب تو یہ کھانا تم جب ہی کھا سکتے ہو جب یہ وعدہ کرو کہ اب عمر بھر کھانا نہ چھوڑو گے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت قبلہ نے عمر بھر کھانا نہ چھوڑنے کا وعدہ کیا تو سید صاحب قبلہ نے اپنے سامنے انہیں کھلایا اور خوش خوش تشریف لے گئے۔

اعلی حضرت کے لیے سادات کرام کا جائز حکم آخری ہوتا تھا۔ سادات کرام کے حکم کے بعد اعلیٰ حضرت کو سوائے تعمیلِ حکم کے کوئی چارہ کار ہی نہ ہوتا تھا۔ ہم نے ان کے والد ماجد کا دور تو نہ دیکھا مگر یہ دیکھا کہ اللہ اور رسول کے حکم کے بعد اعلیٰ حضرت کے یہاں سادات کرام ہی کا حکم نافذ ہوسکتا تھا۔ یہ نا قابل انکار حقیقت ہے کہ سرکار دو عالم کی آخری وصیت ''ان تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی '' ترجمہ: میں دو بھاری امانتیں چھوڑ تا ہوں، اللہ کی کتاب اور اپنی اولاد۔ اس پر پورا پورا عمل کر کے اس دور میں اعلیٰ حضرت قبلہ ہی نے دکھایا'' [سیرت اعلیٰ حضرت، ص: ۹۵/ ۹۷]

اعلیٰ حضرت اور سادات مارہرہ مقدسہ:

مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب فریدی صدر مدرس ''مدرسہ شمس العلوم بدایوں'' کا بیان ہے: ''حضرت مہدی حسن سجادہ نشین سرکار کلاں مارہرہ شریف نے فرمایا: میں جب بریلی آتا تو اعلیٰ حضرت خود کھانا لاتے اور ہاتھ دھلاتے۔ حسب دستور ہاتھ دھلاتے وقت فرمایا۔ حضرت شہزادہ صاحب! یہ انگوٹھی اور چھلے مجھے دیجیے، میں نے فوراً اتار کر دے دی اور وہاں سے بمبئی چلا گیا۔ بمبئی سے مارہرہ واپس آیا، تو میری بیٹی فاطمہ نے کہا ابا! بریلی کے مولانا صاحب کے یہاں سے پارسل آیا تھا، جس میں چھلے اور انگوٹھی تھے، یہ دونوں طلائی تھے۔ والا نامہ اس میں مذکور تھا، شہزادی صاحبہ یہ دونوں طلائی اشیا آپ کی ہیں۔ یہ تھا اعلیٰ حضرت کا سادات اور پیرزادوں کا احترام'' [حیات اعلیٰ حضرت، ج: ۱، ص: ۲۳۴]

اعلیٰ حضرت اور احترام سادات کچھوچھہ مقدسہ:

مولانا تقدس علی خان رضوی تحریر فرماتے ہیں: ''ہم شبیہ غوث اعظم سید شاہ علی حسین اشرفی الجیلانی اعلیٰ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ اولاد امجاد سرکار غوث اعظم اکثر و بیشتر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ سے ملاقات کے لئے بریلی تشریف لاتے، تو اعلیٰ حضرت ان کا بہت احترام فرماتے، دست بوسی فرماتے، اور اعلیٰ حضرت جس مسند پر بیٹھتے تھے اس پر کسی کو نہیں بٹھاتے تھے، ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ ہم شبیہ غوث اعظم سید شاہ علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ آپ سے ملنے آئے تو آپ نے اپنی مسند پر ان کو بٹھایا مولانا عبدالحکیم اشرفی قادری تحریر فرماتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت، سید شاہ علی حسین اشرفی میاں کی قدم بوسی فرماتے تھے'' [ماہنامہ

کنز الایمان والبریلوی کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ]

محدث اعظم اعلیٰ حضرت کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، امام اہل سنت، بوجہ سیادت آپ کا غایت درجہ احترام فرماتے تھے چنانچہ جب محدث اعظم ہند علامہ سید محمد اشرفی الجیلانی علیہ الرحمہ بریلی پہونچے ابھی پہلا ہی جمعہ تھا کہ آپ کو سب سے پچھلی صف میں جگہ ملی اعلیٰ حضرت نے نماز جمعہ پڑھائی نماز جمعہ کے دو فرض سے فارغ ہونے کے بعد اگلی صف کے لوگوں سے سید صاحب کے بارے میں پوچھا، جاننے والوں نے کہا: حضور وہ سب سے پچھلی صف میں ہیں، فوراً اعلیٰ حضرت، محدث اعظم ہند والی صف میں پہونچے اور مصافحہ کیا، اگلی صف میں جگہ دلوائی، پھر سنن ونوافل ادا فرمائی، حاضرین نے امام اہل سنت کا جب یہ عمل دیکھا تو شہزادہ مخدوم اشرف سے مصافحے کے لئے بھیڑ جمع ہوگئی، محدث اعظم فرماتے ہیں: اس کے بعد عالم یہ تھا جدھر نکل جاتا تو سلام کا جواب دینے اور لوگوں سے مصافحہ سے فرصت نہ ملتی تھی یہ واقعہ خود محدث اعظم ہند نے ''ناگپور'' کی سرزمین پر ماہ شوال المکرم میں منعقدہ ۹ے۳۱ھ کو جشن یوم ولادتِ اعلیٰ حضرت کے مبارک موقع پر خطبہ صدارت میں بیان فرمایا'' [استفادہ: مضمون محمد قاسم القادری نعیمی چشتی]

اکرامِ سادات کے لیے نہ یقین کی ضرورت، نہ سند کی حاجت:

کسی سید کی تعظیم وتوقیر کے لیے ہمیں نہ یقین کی ضرورت ہے اور نہ ہی سند کی، لہٰذا جو لوگ سادات کہلاتے ہیں ان کا ادب و احترام ہم پر لازم ہے۔ ہمیں ان کے حسب ونسب کی چھان پھٹک کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، اور نہ ہی شریعت ہمیں اس کا حکم دیتی ہے۔ ہاں اگر کسی کے بارے میں یقین قطعی ہو کہ واقعی یہ سید نہیں ہے، تو اس کی تعظیم ہم پر واجب نہیں، اور یہ بھی بہتر ہے کہ اس کے متعلق لوگوں کو بتادیں تاکہ لوگ اس کے فریب سے بچ سکے۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ مرقدہ سے ساداتِ کرام کے متعلق ''سید'' ہونے کی ''سَنَد'' دریافت کرنے اور نہ ملنے پر بُرا کہنے والے شخص کے بارے میں سوال ہوا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''فقیر بارہا فتویٰ دے چکا ہے کہ کسی کو سید سمجھنے اور اس کی تعظیم کرنے کے لیے ہمیں اپنے ذاتی علم سے اسے سید جاننا ضروری نہیں، جو لوگ سید کہلائے جاتے ہیں ہم ان کی تعظیم کریں گے، ہمیں تحقیقات کی حاجت نہیں، نہ سیادت کی سند مانگنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور خواہی نخواہی سند دکھانے پر مجبور کرنا اور نہ دکھائیں تو برا کہنا، مطعون کرنا ہرگز جائز نہیں۔ ''**الناس امنأ علی انسابِهِم**'' (لوگ اپنے نسب پر امین ہیں)۔

ہاں جس کی نسبت ہمیں خوب تحقیق معلوم ہو کہ یہ سید نہیں اور وہ سید بنے، اس کی ہم تعظیم نہ کریں گے، نہ اسے سید کہیں گے اور مناسب ہوگا کہ ناواقفوں کو اس کے فریب سے مطلع کردیا جائے۔

میرے خیال میں ایک حکایت ہے جس پر میرا عمل ہے کہ ایک شخص کسی سید سے اُلجھا، انہوں نے فرمایا: میں سید ہوں، کہا: کیا سند ہے تمہارے سید ہونے کی؟ رات کو زیارتِ اقدس سے مشرف ہوا کہ معرکہ حشر ہے، یہ شفاعت خواہ ہوا، اِعراض فرمایا، اس نے عرض کی: میں بھی حضور کا امتی ہوں! فرمایا: کیا سند ہے تیرے امتی ہونے کی؟'' ملخصا [فتاوی رضویہ مترجم، ج:۲۹، ۵۸۷]

سادات کرام کی تعظیم فرض، توہین حرام:

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ''سادات کرام کی تعظیم فرض ہے۔ اور ان کی توہین حرام، بلکہ علمائے کرام نے ارشاد فرمایا: جو کسی عالم کو مولویا، یا کسی کو میروا، بروجہ تحقیر کہے کافر ہے۔ ''مجمع الانہر'' میں ہے: ''**الاستخفاف بالاشراف والعلماء کفر ومن قال لعالم عویلم او لعلوی علیوی قاصدا به الاستخفاف کفر** '' سادات کرام اور علما کی تحقیر کفر ہے، جس نے عالم کی تصغیر کر کے عویلم یا علوی کو علیوی تحقیر کی نیت سے کہا تو کفر کیا'' ملخصاً [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج: ۲۲، ص: ۴۲۰]

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانا نور کا

ساکن: کوچگڑھ، روٹا، پورنیہ، بہار
استاذ: الجامعۃ الرضویہ بیل بازار کلیان ممبئی

بقیہ صفحہ نمبر: ۲۲۲ کا

سیرت کی کتابوں میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بچوں پر شفقت فرماتے، ان سے محبت فرماتے، بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ نہیں کرتے اور یتیم بچوں کی بالخصوص دل جوئی فرماتے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ والرضوان بھی بچوں کے ساتھ محبت فرماتے۔ جناب سید ایوب علی صاحب اپنے بھائی قناعت علی کے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت نے قناعت علی کو حلوہ دینا چاہا تو قناعت علی پیچھے ہٹے، پھر اعلیٰ حضرت نے فرمایا یہ تیرا حصہ ہے، یہ سن کر قناعت علی نے کہا حضور شرم آتی ہے، تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا: اس میں شرم کی کیا بات ہے، میرے لیے جیسے مصطفےٰ (مفتی اعظم ہے، ویسے تم ہو) سب بچوں کو حصہ دیا گیا آپ دونوں کے لیے بھی میں نے دو حصے رکھ لیے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کی پوری زندگی اتباع سنت میں گزری ہے، آپ کی حیات مبارکہ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت صرف عالم ہی نہیں بلکہ سچے متبع سنت تھے۔ سنت رسول پر عمل کرنے میں کوئی شرم نہیں کرتے، کوئی جھجھک اور عار محسوس نہیں کرتے تھے، ہر حال میں سنت رسول پر عمل کرتے تھے، رسول اللہ کی سنتوں کی اتباع کرتے تھے۔

ضرورت ہے کہ علمائے کرام محفلوں اور مجلسوں میں اعلیٰ حضرت کی زندگی کے اس پہلو کو بھی بیان کریں اور عوام کو بتائیں کہ اعلیٰ حضرت صرف سنتوں کے بارے میں لکھتے ہی نہیں تھے، بلکہ ہر حال میں سنتوں پر عمل بھی کرتے تھے۔

استاذ: الجامعۃ الرضویہ بیل بازار کلیان ممبئی

امام احمد رضا اور حقوق انسانی

مولانا شاہ الحمید مرکزی پورنوی

اللہ تعالی نے لفظ ''کن'' سے اٹھارہ ہزار مخلوقات کو وجود بخشا اور تمام مخلوقات میں عظمت و رفعت کا تاج انسان کے سر سجایا۔ اور اللہ تبارک و تعالی نے کمال بندگی، دنیا و آخرت کی سرفرازی اور ہدایت و رہنمائی کے لیے قرآن مجید میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، میراث جیسے مفروضہ احکام کو نازل فرمایا اور ساتھ ہی انسانی زندگی کی بقا، معاشرتی نظام کی ضیا اور مساواتی عمل کے نباہ کے لیے حقوق العباد کا بھی حکم فرمایا۔ باوجود اس کے کہ آج حقوق العباد کی پامالی سے معاشرتی نظام درہم برہم ہو رہا ہے خواہ وہ بھائی بھائی کا معاملہ ہو یا باپ بیٹے کا، ماں بیٹی کا ہو یا خاندان کے افراد کا ہر شخص انسانی حقوق سے بے اعتنائی برتتا ہوا نظر آ رہا ہے جس کی وجہ سے بھائی چارگی کا ماحول بے نور ہوتا چلا جا رہا ہے، بات بات پہ لوگ جذبۂ انتقام کی آگ کو بھڑکا کر خونریزی کے لیے کمربستہ ہو جاتے ہیں اور آپسی تنازعات، نازیبا حرکات اور عداوت و نفرت کی بہتات نے دیمک کی طرح معاشرے کی بنیادی نظام کو کمزور کر دیا ہے۔

لیکن حضور سیدی اعلی حضرت امام احمد رضا خان نے کتاب اللہ اور حدیث رسول کی روشنی میں معاشراتی نظام کو لائق افتخار بنانے اور انسانی عادت و اطوار کو سنوارنے کے لیے فتاوی رضویہ کی شکل میں بیش بہا قیمتی خزانہ عطا کیا ہے جس کو پڑھنے اور اس پر عمل کرنے سے انسان خوش بخت نظر آتا ہے، اس کی چند مثالیں پیش خدمت ہے

نافرمان اولاد کا فرض، نفل اور نیک عمل قبول نہیں

یہ نحوست بڑی تیزی کے ساتھ پھیلتی جا رہی ہے کہ ہر آئے دن اولاد انجام کار سے باخبر ہونے کے باوجود بھی نافرمان ہوتی چلی جا رہی ہیں ۔ بالخصوص شادی ہو جانے کے بعد اپنے والدین کو گھر سے بے گھر کر کے الگ رہنے کو ترجیح دیتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ کیا ایسے شخص کی عبادت قبول ہوگی یا نہیں؟ اعلی حضرت امام احمد رضا خان قدس سرہ فرماتے ہیں:

''باپ کی نافرمانی اللہ جبار قہار کی نافرمانی ہے اور باپ کی ناراضی اللہ قہار جبار کی ناراضی ہے آدمی ماں باپ کو راضی کرے تو وہ اس کی جنت ہیں اور ناراض کرے تو وہی اس کے دوزخ ہیں جب تک ماں باپ کو راضی نہ کرے گا اس کا کوئی فرض کوئی نفل کوئی نیک عمل اصلا قبول نہ ہوگا عذاب آخرت کے علاوہ دنیا ہی میں جی تے جی سخت بلا نازل ہوگی مرتے وقت معاذ اللہ کلمہ نصیب نہ ہونے کا خوف ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''طاعۃ اللہ طاعۃ الوالد معصیۃ اللہ معصیۃ الوالد'' اللہ کی اطاعت ہے والد کی اطاعت اور اللہ کی معصیت ہے والد کی معصیت۔ رواہ الطبرانی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ۔ دوسری حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: '' رضا اللہ فی رضا الوالد وسخط اللہ فی سخط الوالد'' اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے اللہ کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے۔ رواہ الترمذی وابن حبان فی صحیحہ والاحاکم

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما ۔ تیسری حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''ھماجنتک ونارک'' ماں باپ تیری جنت اور دوزخ بھی ہیں ۔رواہ ابن ماجہ

والدین کی اطاعت کب فرض اور کب ناجائز:

آج کل والدین اولاد سے اپنی ہر بات کی اطاعت وفرمابرداری کروانا اپنا شرعی حق سمجھتے ہیں اور بچوں کو زمانۂ طفولیت سے یہ تعلیم بھی دی جاتی ہے کہ والدین ہی کی اطاعت میں دنیا وآخرت کی کامیابی وکامرانی ہے ۔ جب کہ والدین کی اطاعت امور جائزہ میں ہی واجب ہے گرچہ والدین فاسق وفاجر مرتکب کبیرہ ہوں لیکن اگر والدین کسی خلاف شرع کام کا حکم دیں تو ان کی اطاعت ہرگز نہیں کی جائے گی ۔ کیونکہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں، بارگاہ رضا میں اسی نوعیت کا ایک مسئلہ دریافت کیا گیا کہ اطاعت والدین وبرادران واجب ہے یا فرض؟ اور درصورت ارتکاب ان کے یہ گناہ کبیرہ مثلا زنا کرنا، چوری کرنا، داڑھی منڈانا، یا کتروانا، ترک اطاعت ہے کیا اب بھی اطاعت کرنا چاہئے، اور اگر بعد ارتکاب لڑکا اپنے باپ سے یا چھوٹا بھائی بڑے بھائی سے کہے کہ داڑھی منڈانا، یا زنا کرنا یا چوری کرنا چھوڑ دو اور اس کے جواب میں وہ کہے کہ یہ ترک اطاعت ہے

قیامت کے دن چیونٹی سے چیونٹی کا عوض لیا جائے گا :

آج کل معاشرہ میں لوگ خوف خدا سے بے خوف ہوکر اور اپنی بازوئی قوت، جاہ وحشمت پر مغرور ہوکر کمزوروں پر ظلم وتشدد کی بارش برساتے ہیں اور دوسروں کو تکلیف دینا اپنا شیوہ سمجھتے ہیں ۔کیا قیامت کے دن اللہ تعالی ایسے بندے کو معاف کرے گا یا نہیں؟ حضور اعلی حضرت امام احمد رضا خان قدس سرہ ایک حدیث شریف نقل فرماتے ہیں:

''یعنی دفتر تین ہیں ایک دفتر میں سے اللہ تعالی کچھ نہ بخشے گا اور ایک دفتر کی اللہ تعالی کو کچھ پرواہ نہیں اور ایک دفتر میں اللہ تعالی کچھ نہ چھوڑے گا وہ دفتر جس میں اصلا معافی کی جگہ نہیں وہ تو کفر ہے کہ کسی طرح نہ بخشا جائے گا اور وہ دفتر جس کی اللہ تعالی کو کچھ پراہ نہیں وہ بندے کا گناہ ہے خالص اپنے اور اپنے رب کے معاملے میں کہ کسی دن کا روزہ ترک کیا یا کوئی نماز چھوڑ دی اللہ تعالی چاہے تو اسے معاف کردے اور درگزر فرمائے اور وہ دفتر جس میں سے اللہ تعالی کچھ نہ چھوڑے گا وہ بندوں کا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم ہے کہ اس میں ضرور بدلہ ہونا ہے ۔رواہ الاامام احمد فی المسند والحاکم فی المستدرک عن ام المؤمنین الصدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا ۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں لتؤدن الحقوق الی اھلھا یوم القیامۃ حتی یقاد للشاۃ جلحاء من الشاۃ القرناء تنطحھا بے شک روز قیامت تمھیں اہل حقوق کو ان کے حق ادا کرنے ہونگے یہاں تک کہ منڈی بکری کا بدلہ سینگ والی بکری سے لیا جائے گا کہ اسے سینگ مارے رواہ الائمۃ احمد فی المسند ومسلم فی صحیحہ والبخاری فی الادب المفرد والترمذی فی الجامع عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ ایک روایت میں فرمایا حتی للذرۃ من الذرۃ یہاں تک کہ چیونٹی سے چیونٹی کا عوض لیا جائے گا ۔[فتاوی رضویہ، ج نہم، نصف آخر ص:۴۸، ۴۹]

سوتیلی ماں کی تعظیم وحرمت لازمی ہے:

اس پرفتن دور میں شد ومد کے ساتھ ہمارے معاشرہ میں سوتیلی ماں کی توہین کی جارہی ہے یہاں تک کہ بعض حضرات تو

سوتیلی ماں پر فحش فعل کی تہمت بھی لگا دیتے ہیں۔ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ حضور اعلی حضرت امام احمد رضا خان تحریر فرماتے ہیں:

''حقوق تو مسلمان پر ہر مسلمان رکھتا ہے۔اور کسی مسلمان کو تہمت لگانی حرام قطعی ہے خصوصا معاذ اللہ اگر تہمت زنا ہو،جس پر قرآن مجید نے ارشاد فرمایا:''یعظکم اللہ ان تعودوا لمثلہ ابدا ان کنتم مؤمنین''۔اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ اب ایسا نہ کرنا اگر ایمان رکھتے ہو۔تہمت زنا لگانے والے کو اسی کوڑے لگتے ہیں اور ہمیشہ کو اس کی گواہی مردود ہوتی ہے۔اللہ تعالی نے اس کا نام فاسق رکھا، یہ سب احکام ہر مسلمان کے معاملے میں ہیں اگر چہ اس سے کوئی رشتہ علاقہ اصلا نہ ہو،اور سوتیلی ماں تو ایک عظیم وخاص علاقہ اس کے باپ سے رکھتی ہے جس کی باعث اس کی تعظیم وحرمت اس پر بلاشبہ لازم،اسی حرمت کے باعث رب العزت جل وعلا نے اسے حقیقی ماں کی مثل حرام ابدی کیا[جلد ۲۴: مترجم جدید،ص:۳۸۶/۳۸۷]

ماں باپ کے تنازع میں اولاد کن کا ساتھ دیں؟

اکثر دیکھا جاتا ہے کہ اولاد میں سے بیٹا ماں کو زیادہ چاہتا ہے تو بیٹی باپ کو زیادہ چاہتی ہے اور جب والدین کے مابین کوئی تنازع ہو جائے تو اس وقت بیٹا ماں کی طرف داری کرتا ہے تو بیٹی باپ کی طرف داری کرتی ہے تو کیا جھگڑے کے وقت اولاد کا کسی کی طرف داری کرنا از روئے شرع درست ہے؟ لیکن والدین کے بحث ومباحثہ کے وقت اولاد کا دونوں میں سے کسی ایک کی طرف داری کرنا جائز ہے یا نہیں؟ حضور اعلی حضرت امام احمد رضا خان تحریر فرماتے ہیں:

''اگر والدین میں باہم تنازع ہو تو ماں کا ساتھ دے کر معاذ اللہ باپ کے درپے ایذا ہو یا اس پر کسی طرح درشتی کرے یا اسے جواب دے یا بے ادبا آنکھ ملا کر بات کرے، یہ سب باتیں حرام اور معاذ اللہ عزوجل کی معصیت ہیں، نہ ماں کی اطاعت ہے نہ باپ کی، تو اسے ماں باپ میں سے کسی کا ایسا ساتھ دینا ہرگز جائز نہیں، وہ دونوں اس کی جنت ونار ہیں، جسے ایذا دے گا دوزخ کا مستحق ہوگا والعیاذ باللہ، معصیت خالق میں کسی کی اطاعت نہیں، اگر ماں چاہتی ہے کہ یہ باپ کو کسی طرح آزار پہنچائے اور یہ نہیں مانتا تو وہ ناراض ہوتی ہے، ہونے دے اور ہرگز نہ مانے، ایسے ہی باپ کی طرف سے ماں کے معاملہ میں، ان کی ایسی ناراضیاں کچھ قابل لحاظ نہ ہوگی کہ یہ ان کی نری زیادتی ہے کہ اس سے اللہ تعالی کی نافرمانی چاہتے ہیں بلکہ ہمارے علمائے کرام نے یوں تقسیم فرمائی ہے کہ خدمت میں ماں کو ترجیح ہے جس کی مثالیں ہم لکھ آئے ہیں اور تعظیم باپ کی زائد ہے کہ وہ اس کی ماں کا بھی حاکم وآقا ہے۔[فتاوی رضویہ، ج نہم، ص:۵۹/۶۰]

والدین سے بھی زیادہ شوہر کا حق بیوی پر:

اکثر لڑکیاں شادی کر لینے کے بعد بھی شوہر کی اطاعت کو چھوڑ کر والدین کی باتوں پر چلتی ہے جب کہ از روئے شرع تمام ضروریات کو شوہر ہی پورا کرتا ہے اس کے باوجود بھی بیوی شوہر کی نافرمانی کرتی ہے اور بغیر اجازت شوہر کے میکے چلی جاتی ہے۔ایسی بیوی پر شریعت کا کیا حکم ہے؟ اعلی حضرت امام احمد رضا خان قدس سرہ فرماتے ہیں:

''عورت پر مرد کا حق خاص امور متعلقہ زوجیت میں اللہ و رسول کے بعد تمام حقوق حتی کہ ماں باپ کے حق سے زائد ہے ان امور میں اس کے احکام کی اطاعت اور اس کے ناموس کی نگہداشت عورت پر فرض اہم ہے، بے اس کے اذن کے محارم کے سوا کہیں نہیں جا سکتی اور محارم کے یہاں بھی ماں باپ کے یہاں ہر آٹھویں دن وہ بھی صبح شام تک کے لیے اور بہن بھائی، چچا م، ماموں، خالہ، پھوپھی کے یہاں سال بھر بعد اور شب کو کہیں نہیں جا سکتی۔ نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''اگر میں کسی کو غیر خدا کے سجدے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے'' اور ایک حدیث میں ہے: ''اگر شوہر کے نتھنوں سے خون اور پیپ بہہ کر اس کی ایڑیوں تک جسم بھر گیا ہو اور عورت اپنی زبان سے چاٹ کر اسے صاف کرے تو اس کا حق ادا نہ ہوگا'' [جلد ۲۴، مترجم جدید، ص:۳۸۰/۳۷۹]

والدین کے حق کی رعایت مشکل ہو جائے تو پہل کن کی طرف کریں:

اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب والدین ایک ساتھ باہر سے گھر تشریف لائیں تو ایسی صورت میں پہلے کن کی خدمت کی جائے ممکن ہے کہ اگر والد کی خدمت پہلے کی جائے تو والدہ ناراض ہو جائے اور اگر والدہ کی خدمت کی جائے تو والد ناراض ہو جائے تو اس مشکل گھڑی میں اولاد خدمت کرنے میں پہل کن کی جانب کریں؟ اعلی حضرت امام احمد رضا خان قدس سرہ فرماتے ہیں:

''جب آدمی کے لیے والدین میں سے ہر ایک کے حق کی رعایت مشکل ہو جائے مثلا ایک کی رعایت سے دوسرے کو تکلیف پہنچتی ہے تو تعظیم و احترام میں والد کے حق کی رعایت کرے اور خدمت میں والدہ کے حق کی۔ علامہ حمامی نے فرمایا :''ہمارے امام فرماتے ہیں کہ احترام میں باپ مقدم ہے اور خدمت میں والدہ مقدم ہوگی حتی کہ اگر گھر میں دونوں اس کے پاس آئے ہیں تو باپ کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو اور اگر دونوں نے اس سے پانی مانگا اور کسی نے اس کے ہاتھ سے پانی نہیں پکڑا تو پہلے والدہ کو پیش کرے، اسی طرح قنیہ میں۔ واللہ سبحانہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ احکم۔ [جلد ۲۴، مترجم جدید، ص:۳۹۰]

شوہر اور بیوی کے درمیان زیادہ حق کس کا ہے:

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ تھوڑی بات پر شوہر اور بیوی کے درمیا جھگڑا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے شوہر متعلقہ حقوق کو بھی ادا نہیں کرتا اور بیوی بھی شوہر کے حقوق کو ادا نہیں کرتی تو ایسی صورت میں دونوں سے زیادہ حق کن پر ہے اور حقوق ادا نہ کرنے پر گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ اعلی حضرت امام احمد رضا خان قدس سرہ فرماتے ہیں:

''زن و شوہر میں ہر ایک کے دوسرے پر حقوق کثیرہ واجب ہیں ان میں جو بجا نہ لائے گا اپنے گناہ میں گرفتا ہوگا، ایک اگر ادائے حق نہ کرے تو دوسرا اسے دستاویز بنا کر اس کے حق ساقط نہیں کر سکتا مگر وہ حقوق کہ دوسرے کے کسی حق پر مبنی ہوں اگر یہ اس کا ایسا حق ترک کرے وہ دوسرا اس کے یہ حقوق کہ اس پر مبنی تھے ترک کر سکتا ہے، جیسے عورت کا نان و نفقہ شوہر کے یہاں پابند رہنے کا بدلہ ہے اگر ناحق اس کے یہاں سے چلی جائے گی جب تک واپس نہ آئے گی کچھ نہ پائے گی غرض واجب ہونے مطالبہ ہونے بے وجہ شرعی ادا نہ کرنے سے گنہگار ہونے میں تو حقوق زن و شوہر برابر ہیں ہاں شوہر کے حقوق عورت پر بکثرت ہیں اور اس پر وجوب بھی اشد و آکد'' [فتاوی رضویہ جلد نہم، نصف آخر، ص:۳۹۰]

شعبۂ تحقیق: الجامعۃ الرضویہ کلیان ممبئی

امام احمد رضا اور خانوادۂ اشرفیہ کے روابط

مولانا غلام چشتی الغوثی

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی اور شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی قدس سرہما دونوں اپنے وقت کے بڑے پائے کے عالم دین اور عارف حق آگاہ تھے۔ دونوں بزرگوں کے درمیان عقائد ونظریات، افکار وخیالات، اوصاف وکمالات، فضائل ومناقب، محاسن ومحامد، دینی وعلمی کارناموں اور دیگر مختلف خوبیوں کے اعتبار سے کافی یکسانیت تھی۔ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی دین وملت کے مجدد تھے تو شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی قدس سرہ سلسلہ اشرفیہ کے مجدد تھے۔ خالق ارض وسما نے ان دونوں بزرگوں کو صدق وصفا، اخلاص وللہیت، عفو ودرگزر، حلم وحیا، فکر وتدبر اور تواضع وانکساری جیسے اوصاف حمیدہ سے آراستہ فرمایا تھا۔ ان دونوں حضرات کو جس زاویے سے دیکھیں یکتائے روزگار نظر آتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی اور اعلیٰ حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں نے آپسی اتحاد واتفاق، محبت والفت اور آپسی تعلقات سے دین وملت، مذہب ومسلک کے پھیلانے میں جو فضا قائم کی وہ یقینا ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ دونوں بزرگوں کے تعلقات پر روشنی ڈالنے سے پہلے اجمالا ان دونوں کے مختصر احوال ملاحظہ فرمائیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی:

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان ۱۰/شوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴/جون ۱۸۵۶ء کو اتر پردیش کے شہر بریلی میں ایک دینی وعلمی گھرانے کے اندر پیدا ہوئے۔

آپ نے چار سال کی عمر میں ناظرہ قرآن مکمل فرمایا، چھ سال کی عمر میں ایک نو وارد عرب سے دیر تک فصیح عربی میں گفتگو کی، آپ نے محض آٹھ سال کی عمر میں فن نحو کی ''ھدایۃ النحو'' نامی کتاب جو کہ درس نظامی میں پڑھائی جاتی ہے دوران درس ہی عربی زبان میں اس کی شرح لکھی، اور ۱۰/سال کی عمر میں اصول فقہ کی مشہور ومعروف کتاب مسلم الثبوت مصنفہ حضرت علامہ محب اللہ بہاری کی بسیط شرح قوم مسلم کو عطا فرمائی، اور دیکھتے ہی دیکھتے آپ کے کارناموں کے ساتھ ساتھ آپ کی عمر بھی بڑھتی چلی گئی حتی کہ جب آپ ۱۳/سال، دس ماہ، پانچ دن کی عمر میں پہنچے تو آپ نے تمام علوم مروجہ درسیہ سے فراغت حاصل کر لی، اور باقاعدہ تدریس کا اغاز کیا، اور منصب افتاء کی ذمہ داری سنبھال لی، پھر خداداد ذہانت اور زور مطالعہ سے بتدریج مختلف شرقی وغربی علوم کو خود ہی حل فرما کر داد تحقیق دی۔ اور ۲۲/سال کی عمر میں بیعت وخلافت سے مشرف ہوئے اور پیر ومرشد نے فخریہ فرمایا:

''قیامت کے روز خدا نے پوچھا کہ آل رسول دنیا سے کیا لائے ہو؟ تو احمد رضا کو پیش کر دوں گا''۔

امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ اپنی پوری زندگی دین محمدی کی خدمت کرنے ،سنت رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو عوام الناس کے درمیان عام کرنے اور ناموس رسالت کی پاسداری میں گزار دی حتی کہ آپ نے ۲۵ ؍صفر المظفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۸ ؍اکتوبر ۱۹۲۱ء کو دوپہر ۲ ؍بج کر ۳۸ ؍منٹ پر جمعہ کے دن داعی اجل کو لبیک کہا۔اور ۲۶ ؍صفر المظفر ۱۳۴۰ھ شام ۴ ؍بجے مسجد رضا کے پہلو میں تجہیز و تدفین عمل میں آئی۔مزار پاک بریلی شریف میں مرجع خلائق ہے۔

اعلی حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی:

قدوۃ العارفین ،سراج السالکین ،حضرت سید شاہ ابو احمد محمد علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی ولادت با سعادت ۲۲ ؍ربیع الآخر ۱۲۶۶ھ مطابق ۷ ؍مارچ ۱۸۵۰ء بروز شنبہ کو فیض آباد (امبیڈکر نگر) کے مشہور و معروف علاقہ کچھو چھہ شریف میں صبح صادق کے وقت ہوئی۔اور جب آپ رحمۃ اللہ علیہ چار برس، چار ماہ، چار دن کے ہوئے تو مولانا گل محمد خلیل آبادی نے آپ کی رسم بسم اللہ ادا فرمائی، اور آپ نے ابتدائی تعلیم حضرت مولانا گل محمد خلیل آبادی سے خلیل آباد میں ہی حاصل کی۔آپ بچپن ہی سے بہت ہی ذہین و فتین اور علم کے خوگر تھے آپ نے درسیات کی تعلیم مولوی امانت علی کچھوچھوی ،مولوی سلامت علی گورکھپوری، اور مولوی قادر بخش کچھوچھوی سے حاصل کی، اور آپ کو بیعت و ارادت آپ کے بڑے بھائی حضرت سید شاہ اشرف حسین کچھوچھوی علیہ الرحمہ سے حاصل تھی، اور پھر ۱۲۹۶ھ میں پیر و مرشد نے مسند سجادگی بھی عطا فرمائی، آپ نے ۱۳۵۵ھ تک حضرت سیدنا مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مسند سجادگی کو رونق بخشتے ہوئے امت محمدیہ کو فیض یاب کیا، اور ۱۱ ؍رجب المرجب ۱۳۵۵ھ کو صبح سویرے بحالت ذکر مالک حقیقی سے جا ملے۔مزار مقدس حسب وصیت نیر شریف کے جنوبی کنارے میں واقع ہے۔ [ملخصا دو عاشق رسول کے روابط/ص:۱۰]

خلاق دو عالم نے آپ کو بے شمار محاسن و کمالات محامد و مفاخر سے نوازا تھا۔عنفوان شباب ہی سے زہد و ورع ،فضل و کمال اور جوانی ہی میں بارعب ، بلند شان کے حامل تھے چنانچہ سید غلام علی آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے آپ کی جوانی کے عالم میں فرمایا تھا کہ:’’شاہ صاحب نے وہ لیاقت بہم پہنچائی ہے کہ علما کی مجلس میں بھی ایک شاندار رکن دکھائی دیں گے‘‘۔[حیات مخدوم الاولیا محبوب ربانی/ص:۵۸]۔

اعلی حضرت بریلوی اور اعلی حضرت کچھوچھوی کے روابط:

اعلی حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی اور اعلی حضرت سید شاہ ابو احمد محمد علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہما دونوں بزرگوں نے آپسی الفت و محبت کی ایک ایسی داستان پیش کی جسے رہتی دنیا تک فراموش نہیں کی جاسکتی ہے۔اگر آج کے دور میں انہیں کے نقش قدم پر چلا جائے تو بہت ساری برائیوں کا خاتمہ ہوسکتا ہے اور ہماری آنے والی نسلوں کے لیے ایک مثال قائم ہوسکتی ہے ۔خانوادہ اشرفیہ کے بزرگوں کا امام احمد رضا سے بے انتہا الفت و محبت کا ہی نتیجہ تھا کہ حضور سید احمد اشرف کچھوچھوی اور حضور محدث اعظم ہند دونوں شہزادے حضور اعلی حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ میں حاضر ہو کر علم کی زیور سے

آراستہ ہوئے اور شرف تلمذ حاصل کیے۔

حضور سرکارکلاں علیہ الرحمہ کا حضور مفتی اعظم ہند کی نماز جنازہ پڑھانا اسی تعلقات ومحبت کی علامت ہے، بغیر کسی تردد کے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ سب حضور اعلیٰ حضرت بریلوی اور حضور اعلیٰ حضرت کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہما کی آپسی الفت ومحبت، تعلقات و روابط کا ثمرہ ہے۔

خانوادہ رضویہ اور خانوادہ اشرفیہ کی پہلی ملاقات:

خانوادہ رضویہ اور خانوادہ اشرفیہ کے دونوں بزرگوں کی ملاقات کی داستان بھی کیا خوب ہے کہ دونوں بزرگوں کی ملاقات بھی ایسی بارگاہ میں ہوتی ہے جنہیں دنیا روحانیت کے بادشاہ رموز طریقت کے تاجدار حضرت محبوب الٰہی کے نام سے یاد کرتی ہے۔ چنانچہ سوانح نگار لکھتے ہیں کہ:

اعلیٰ حضرت اشرفی میاں رحمۃ اللہ علیہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا قدس سرہ کے روضۂ اقدس کے اندر سے حاضری دے کر باہر نکل رہے تھے اور حضرت سیدنا امام اہل سنت مولانا احمد رضا علیہ الرحمہ حاضری کے قصد سے روضہ کی جانب جارہے تھے، اچانک امام اہل سنت کی نظر آپ کے چہرہ انور پر پڑی اور بے ساختہ یہ شعر آپ کی زبان پر جاری ہوگیا:

اشرفی اے رخت آئینہ حسن خوباں
اے نظر کردہ و پروردہ سہ محبوباں

[سیرت اشرفی، ص:۴۱، ۴۳]

مذکورہ واقعہ کی منظر کشی ''حیات وخدمات صدر العلما محدث میرٹھی'' کے حوالے سے مولانا ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی نے اس طرح بیان کی ہے: ''اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو جب یہ معلوم ہوا کہ ان کے پیر ومرشد حضرت آل رسول علیہ الرحمہ کی طبیعت زیادہ ناساز ہے تو آپ خود بغرض مزاج پرسی مارہرہ شریف تشریف لے گئے۔ حضرت آل رسول علیہ الرحمہ نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو دیکھ کر فرمایا کہ میرے پاس سرکار غوث اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی امانت خاص ہے جسے اولاد غوث میں شبیہ الثقلین مولانا سید شاہ ابواحمد محمد علی حسین اشرفی جیلانی کچھوچھوی کو سونپی اور پیش کردینی ہے اور وہ اس وقت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا چشتی رضی اللہ عنہ کے آستانہ پر ہیں، محراب مسجد میں ملاقات ہوگی۔ چناں چہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ دہلی تشریف لائے۔ حضرت محبوب الٰہی کے آستانہ پر حاضری دی۔ پھر مسجد میں تشریف لائے تو واقعی پیر کی نشاندہی کے بموجب حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ کو محراب مسجد میں پایا اور برجستہ فی البدیہہ یہ شعر کہا:

اشرفی اے رخت آئینہ حسن خوباں
اے نظر کردہ و پروردہ سہ محبوباں

پھر عرض مدعا کیا حضرت اشرفی علیہ الرحمہ نے مارہرہ شریف میں حاضری دی حضرت شاہ آل رسول علیہ الرحمہ نے سلسلہ

عالیہ قادریہ کی اجازت وخلافت بخشی اور فرمایا کہ جس کا حق تھا اس تک یہ امانت پہونچا دیا اس کے بعد حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ حضرت آل رسول کے خاتم الخلفا کہلائے۔،[ماہنامہ اعلی حضرت نومبر ۲۰۱۱ء]

اعلی حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی کو امام اہل سنت اعلی حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کے عقائد ونظریات، فکرو تدبر، قول وفعل، تصنیف وتالیف، تحقیق وتفتیش پر اتنا اعتماد و بھروسہ تھا کہ آپ نے اپنے مریدین، معتقدین، اور محبین سے سخت تاکید کے ساتھ فرمایا کہ تم سب امام اہل سنت امام احمد رضا کے افکار ونظریات اور ان کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کرو! چنانچہ تذکرہ نگار تذکرہ کرتے ہیں:

''حضور اشرفی میاں قدس سرہ کو حضرت محدث بریلوی کے فرامین اور تحریرات پر کس قدر اعتماد تھا، اس تحریر سے اندازہ لگا سکتے ہیں: میرا مسلک شریعت وطریقت میں وہی ہے جو اعلی حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا ہے لہذا میرے مسلک پر مضبوطی سے قائم رہنے کے لیے اعلی حضرت فاضل بریلوی کی تصانیف ضرور مطالعہ میں رکھو!'' [مجدد اسلام اعلی حضرت بریلوی، ص ۱۳۳]۔

اعلی حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی اور اعلی حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کے مابین رشتہ ارادت وطریقت کو بھی دیکھا جائے تو اس کی نظیر نہیں ملتی کہ رشتہ ارادت اتنا مضبوط ومستحکم تھا کہ اعلی حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی خود اس بات کا اظہار فرماتے ہیں:

''میرا مرید وہی ہے جو امام احمد رضا کا مرید ہے یعنی ان کا مخالف ومعاند ہرگز میرا مرید نہیں''

درج ذیل اقتباس کی ہر ہر سطر سے محبت والفت اور قلبی لگاؤ کی خوشبو پھوٹتی ہے، چناں چہ وہ فرماتے ہیں کہ:

فقیر کو حضرت مولانا سید شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہ سے شرف خلافت حاصل ہے اور مولانا احمد رضا خاں بھی ان کے دربار سے فیض یاب ہیں، فقیر اور وہ (حضرت محدث بریلوی) اس رشتے سے پیر بھائی ہوئے'' میرا مرید ان کا مرید ہے اور ان کا مرید فقیر کا مرید ہے جو اس کے (حضرت محدث بریلوی) خلاف ہے، فقیر (حضرت اشرفی میاں) اس سے بری ہے۔'' [حیات حضرت آل رسول احمدی ص: ۱۹۰ / ماہنامہ ماہ نور اگست ۲۰۱۱ء]

اعلی حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کی اعلی حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی سے عقیدت ومحبت کا عالم یہ تھا کہ آپ عام طور پر جلسے جلوس اور محافل میں تشریف نہیں لے جاتے لیکن جب اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کی محفل اور تقریر کی بات آتی تو آپ بڑے شوق سے اعلی حضرت اشرفی میا کی تقریر سننے تشریف لے جاتے۔ چنانچہ سوانح نگار رقم طراز ہیں:

''اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز بہت کم وعظ کی مجلسوں میں جایا کرتے تھے مگر آپ کے وعظ میں پورے اہتمام سے شرکت فرماتے تھے اور اپنے ملنے والوں سے فرمایا کرتے تھے کہ:'' حضرت مولانا سید ابو احمد محمد علی حسین اشرفی الجیلانی ان لوگوں میں ہیں جن کا وعظ میں سنتا ہوں، حضرت کا وعظ شریعت مطہرہ کے موافق اور اس کی پوری پابندی کے ساتھ ہوتا ہے۔'' [حیات اشرفی، ص: ۴۱]

علامہ حسنین رضا علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ: ''اشرفی میاں علیہ الرحمہ کی شفقت ومحبت تو آنکھوں دیکھی ہے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے تحریک خلافت کے بمقابل فتوے صادر فرمائے اور متعدد رسالے تحریر کئے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ تنظیم کے مقاصد اگر چہ بہتر تھے۔ لیکن قیادت پر غیر مسلم طاغوتی قوتیں قابض ہوگئیں اور تنظیم کی آڑ میں اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کرنے لگیں مگر چونکہ اس تنظیم میں خود علماے کرام کا ایک جم غفیر شریک تھا لہذا بدایوں، رامپور، فرنگی محل لکھنؤ اور اجمیر (شریف) کے علمائے ذوی الاحترام نے آپ کی زبردست مخالفت کی، یہاں تک کہ شہر کانپور کی سرزمین پر ''صوبہ متحدہ علمائے کانفرنس'' میں امام اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان کے مقاطعہ کا اعلان کر دیا گیا، تو اس شورش زدہ ماحول اور خار دار فضا میں اعلیٰ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ اپنے محبوب و پسندیدہ مجدد کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور اعلان فرما کر رفاقت کا حق ادا کر دیا۔ آپ نے فتاوے کی تصدیق ان الفاظ میں فرما کر پرزور حمایت کی: ''مولانا احمد رضا خاں صاحب عالم اہل سنت کے فتووں پر عمل کرنا واجب ہے کافروں کا ساتھ دینا ہرگز جائز نہیں''۔'' [سرکار کلاں نمبر/ص:۱۶۵]

اعلیٰ حضرت بریلوی اور اعلیٰ حضرت کچھوچھوی کے مابین تعلقات و روابط اس قدر مضبوط تھے کہ جن کی مثال شاید ہی کہیں ملے خواہ تعلقات علمی ہو یا روحانی بہر حال دونوں بزرگ ایک دوسرے کی بے حد عزت وتکریم کرتے تھے جو اس دور میں ان کی زندگی ہمارے لیے باہم الفت ومحبت کا دروازہ کھولتی ہے۔ چناں چہ روحانی روابط کے متعلق حضور محدث اعظم ہند تحریر فرماتے ہیں کہ:

''میں اپنے مکان پر تھا اور بریلی (شریف) کے حالات سے بے خبر تھا، میرے حضور شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت شاہ سید علی حسین اشرفی میاں قدس سرہ العزیز وضو فرما رہے تھے کہ یک بارگی رونے لگے، یہ بات کسی کی سمجھ میں نہ آئی کہ کیا کسی کیڑے نے کاٹ لیا ہے، میں آگے بڑھا تو فرمایا کہ:

''بیٹا! میں فرشتوں کے کاندھے پر قطب الارشاد کا جنازہ دیکھ کر رو پڑا ہوں'' چند گھنٹے کے بعد بریلی (شریف) کا تار ملا تو ہمارے گھر میں کہرام برپا ہو گیا، اس وقت حضرت والد ماجد قبلہ حکیم الاسلام علامہ سید نظر اشرف قدس سرہ کی زبان پر بے ساختہ آیا ''رحمۃ اللہ علیہ'' اسی وقت ایک خاندانی بزرگ نے فرمایا کہ:

''اس سے تو تاریخ وصال نکلتی ہے، آج ہم اور آپ اسی یکتائے روزگار امام و مجدد قطب الارشاد کی بارگاہ عالی میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کو جمع ہیں اور ان کی روح مبارک کی سنیت سے دارین کا آسرا لگائے ہوئے ہیں۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ورضی اللہ تعالیٰ احمد رضا فقط''

فقیر اشرفی وگدائے جیلانی ابوالحامد سید محمد غفرلہ کچھوچھوی نزیل ناگپور [المیزان،ص:۲۵۹]

خانوادۂ رضویہ اور خانوادۂ اشرفیہ کے بزرگوں کے درمیان جہاں الفت ومحبت کے روابط مضبوط ومستحکم تھے وہیں پر دونوں خانقاہوں کے بزرگوں میں یہ چیز گھر کی ہوئی تھی کہ وہ ایک دوسرے کی تعظیم وتکریم میں ایک دوسرے پر پہل کرتے تھے چناں چہ استاد العلما حضرت علامہ تقدس علی خان رضوی بریلوی علیہ الرحمہ نے ان روابط کو بڑے نرالے انداز میں بیان کیا ہے، چناں چہ لکھتے

ہیں کہ:

''میری عمر ۱۲ ر سال کی تھی، جب میں نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے شرح جامی کا درس لیا، اعلیٰ حضرت کی عام نشست ایک مسہری تھی جس پر آپ جلوہ فرما ہوتے تھے اس کے سامنے کرسیاں بچھی تھیں جس پر لوگ آ کر بیٹھتے تھے۔ ادب واحترام کا عالم یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت کی مسہری پر کوئی نہیں بیٹھتا تھا، ایک دن جب میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ مسہری پر ایک نورانی شخصیت تشریف فرما ہے اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نہایت ادب واحترام کے ساتھ عام کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں، یہ منظر دیکھ کر مجھے حیرانی ہوئی کہ یہ کون ہے جن کا ادب واحترام اس قدر ملحوظ رکھا گیا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے اپنی نشست پر انہیں بٹھایا، میں پوچھنے والا ہی تھا کہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

انہیں تعظیم دو کہ یہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے شہزادے حضرت سید شاہ محمد علی حسن کچھوچھوی ہیں۔ [شیخ اعظم نمبر، ص:۵۹، مئی ۲۰۱۲ء]

اسی طرح حکیم سید احمد حسین کوثر اشرفی کچھوچھوی اپنے ایک مضمون:

''اشرف العلما علیہ الرحمہ کا تذکرہ خیر'' میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''۱۹۷۱ء میں ایک مرتبہ پنڈوہ شریف حضرت شاہ علاء الحق پنڈوی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضری دی میں نے اپنی عرض داشت پیش کی، میرے ہم سفر مولوی اکمل حسین مرحوم (سر بیلہ بہار) تھے۔ دادا پیر کی بارگاہ میں حاضری کے بعد واپسی میں جب مظفر پور اسٹیشن پر گاڑی رکی اس وقت بڑی لائن نہیں بنی تھی۔ گاڑی رکنے کے بعد میں نے دیکھا کہ اسٹیشن پر ایک ہجوم لگا ہوا ہے اور لوگ ادھر ادھر دوڑ رہے ہیں۔ صورت شکل دیکھ کر میں نے اکمل سے کہا کہ یہ لوگ تو سنی علما لگ رہے ہیں دیکھو کیا بات ہے۔ مولوی اکمل حسین فوراً نیچے اترے اور الٹے قدم واپس آئے اور کہا کہ حضرت! مفتی اعظم ہند صاحب ہیں، یہ لوگ سیٹ کی بات کر رہے ہیں اور ٹی ٹی منع کر رہا ہے، میں نے فوراً اکمل حسین مرحوم سے کہا تم، میرا بستر لگا دو، میں ابھی ان کو لیکر آتا ہوں۔ میں فوراً نیچے اترا اور حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کو لیکر گاڑی میں آ گیا اور علمائے کرام سے کہا کہ آپ لوگ فکر نہ کریں۔ بزرگوں کا انتظام قدرت پہلے سے ہی کر دیتی ہے۔ میری مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان سے پہلی ملاقات تھی۔ اس سے قبل کوئی تعارف نہیں تھا۔ اتنے میں ٹرین دھیرے دھیرے چلنے لگی۔ میں نے دیکھا کہ حضرت علیہ الرحمہ کی انگلیاں گردش میں ہیں۔ دل میں خیال آیا کہ لاؤں اپنا تعارف کرادوں اور دست بوسی کرلوں۔ ایک عجیب جذباتی کیفیت مجھ پر طاری تھی۔ بہر حال! جرأت کر کے میں نے آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر جلدی سے دست بوسی کر لی۔ حضرت نے میرے ہاتھ کو اتنی مضبوطی سے پکڑ لیا کہ میں چھڑا نہیں سکا۔ ہاتھ پکڑے پکڑے اٹھکر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ شہزادے! آپ تو مصطفی اشرف کے بیٹے ہیں۔ میں سراپا حیرت بنا حضرت کی طرف جھکا رہا۔ پھر فرمایا آپ نے مجھے گنہگار کر دیا۔ جب تک میرے ہاتھ کو چوم نہیں لیا اس وقت تک میرا ہاتھ نہیں چھوڑا۔ جیسے ہی ہاتھ ڈھیلا کیا۔ میں نے ہاتھ کو اپنی طرف کھینچ لیا اور سامنے والے سیٹ پر بیٹھ گیا۔ میں نے دیکھا کہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کچھ کرب کی

حالت میں ہیں جو چہرے سے صاف عیاں ہو رہا تھا۔ میں نے کہا۔حضور! کچھ عرض کروں؟ گردن ہلا کر اشارہ فرمایا۔ میں نے کہا حضور میں نے آپ کی دست بوسی جو کی ہے۔وہ ایک سچے نائب رسول کی دست بوسی کی سعادت حاصل کی ہے۔حضور آپ نے جو عشق آل رسول ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں دست بوسی کی ہے توحضور نہ آپ گنہگار ہوئے اور نہ میں۔میرے اس برجستہ جواب پر مسکرا دیے اور ٹرین نے تیز رفتار اختیار کر لی۔[اشرف العلما نمبر،ص:۹۶]

اخیر اخیر میں میں یہ ذکر کر دوں کہ جو رشتہ اعلی حضرت محدث بریلوی اور اعلی حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہما نے قائم کیا تھا وہ سلسلہ بسلسلہ چلتا رہا حتی کہ جب فقیہ اسلام قاضی القضانی الہند تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خان ازہری نور اللہ مرقدہ کا وصال پر ملال ہوا تو شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید شاہ محمد مدنی الاشرفی الجیلانی جانشین حضور مخدوم ملت محدث اعظم کچھوچھہ مقدسہ نے بھی اپنے رنج وغم کا اظہار فرمایا اور آپ کے وصال پر ملال کو عالم اسلام کے لیے ایک عظیم خسارہ قرار دیا چناں چہ آپ فرماتے ہیں:

''معتمد ذرائع سے یہ افسردہ خبر ملی کہ امام اہل سنت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے شہزادے عالم اسلام کے مشہور ومعروف عالم دین مفتی اختر رضا خان ازہری صاحب نور اللہ تعالی مرقدہ، جانشین حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ اس دنیاے فانی میں نہ رہے،انا للہ وانا الیہ راجعون! مفتی اختر رضا ازہری صاحب کی رحلت بلاشبہ علمی وروحانی دنیا میں عظیم خلا ہے جس کا پر ہونا مستقبل قریب میں نظر نہیں آتا۔ازہری صاحب نے دین وسنیت اور رشد وہدایت کی جو خدمات انجام دی ہیں، یقیناوہ تاریخ کا ایک اہم حصہ ہیں۔اللہ تعالی ازہری صاحب کے ذریعہ دین وسنیت کی راہ میں کی گئی ہر چھوٹی بڑی خدمات قبول فرمائے آمین!اور ان کے شہزادے عزیز مکرم مولانا عسجد رضا خان صاحب اور دیگر پسماندگان،مریدین،معتقدین اور خلفا،تمام کو اللہ رب العزت صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور اہل سنت کو بدل عطا فرمائے۔آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم۔

شریک غم فقیر اشرفی وگدائے جیلانی ابوالحمزہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی وگدائے اشرفی سید محمد حمزہ اشرف اشرفی کچھوچھ''۔

مورخہ ۷/ذی قعدہ ۱۴۳۹ھ بمطابق ۱۹/جولائی ۲۰۱۸ء بروز ہفتہ۔

[انوار تاج الشریعہ نمبر: ناشر رضا اکیڈمی شاخ لاتور مہاراشٹر]

شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید شاہ محمد مدنی الاشرفی الجیلانی جانشین حضور مخدوم ملت محدث اعظم کچھوچھہ مقدسہ کا تعزیتی کلمات دونوں بزرگوں کے قائم کردہ رشتے کی ایک مضبوط ومستحکم مثال ہے اور بفضلہ تعالی وہ رشتہ آج بھی اسی طرح قائم وبرقرار ہے۔

اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعا ہے کہ مولا تعالی اس رشتے کو تا قیامت برقرار رکھے اور ہم تمام اہل سنت وجماعت کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم

پپہریا، بائسی پورنیہ بہار۔شعبۂ تحقیق:الجامعۃ الرضویہ کلیان ممبئی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان اور تاریخ گوئی

مولانا عرفات رضا امجدی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی عبقریت برصغیر ہند و پاک بلکہ پوری دنیائے اسلام میں کسی بھی تعارف وتبصرے کا محتاج نہیں ،آپ آسمان علم وعرفان کے وہ نیر تاباں ہیں جن کی علمی شعاوٗں اور روحانی فیضان سے آج پوری دنیائے اسلام فیضیاب ہورہی ہے امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے علم وتحقیق کی دنیا میں جوعظیم الشان تجدیدی کارنامے انجام دیے ہیں اس سے ارباب علم ودانش بخوبی واقف ہیں۔ چودھویں صدی کے باغ وبہار کا مطالعہ کیا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ کی ذات بابرکت کی وجہ سے علم کی دنیا اور اخلاق کی انجمنیں آراستہ اور آباد ہیں۔آپ بیک وقت بے شمار خوبیوں ،اوصاف وکمالات اور علوم ومعارف کے جامع تھے آپ کی ذات ستودہ صفات کا جس جہت سے بھی مطالعہ کیا جائے بے مثل وبے مثال نظر آتے ہیں آپ نے جس علمی وفنی عنوان پر قلم اٹھایا اس علم وفن پر ایسے گوہر آبدار بکھیرے کہ بڑے بڑوں کی علم وتحقیق اور تنقید کی آنکھیں خیرہ ہوگئی اور خود کو آپ کے علم وفضل وکمال کے سامنے سرنگوں کرتے ہوئے نظر آئے جس علم وفن کی طرف آپ نے توجہ کیا اس کے امام وقائد تسلیم کیے گئے۔ سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے بیشتر علوم وفنون پر اپنی قلمی شاہکار کے نقوش چھوڑے ہیں جو آج تک علمی دنیا اس سے استفادہ کررہی ہے آپ جہاں علوم شریعت میں منفرد المثال ہیں وہی دانائے رموز معرفت میں بھی یگانہ روزگار ہیں وہ کون سا علم ہے جس پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کومہارت تامہ حاصل نہ رہا ہو حدیث وتفسیر، فقہ وکلام، ہندسہ وریاضی، منطق وفلسفہ، ہیئت وجعفر،طبعیات وکیمیات ،اقتصادیات وارضیات، سائنس و طب، جغرافیہ وتاریخ ،علم مناظرہ ومقابلہ،نحو وصرف ،لغت وشاعری،تصوف وسلوک، کم وبیش 60 علوم وفنون پر آپ کومہارت تامہ حاصل تھی ،ان تمام علوم وفنون میں نہ صرف یہ کہ آپ کی مہارت کے شواہد موجود ہیں بلکہ آپ کی تصنیفات میں اعلیٰ تحقیق بھی پائی جاتی ہے نوی صدی کے مجدد امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ والرضوان نے مختلف علوم وفنون پر ایک ہزار کتابیں تصنیف فرمائی تھی امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے بعد امام احمد رضا کی ہی ذات ہے جنہوں نے دنیا کے ہر شعبۂ حیات میں ایک ہزار سے زائد کتابیں تصنیف فرمائی جنہیں دیکھ کر دنیائے علم وتحقیق حیرت زدہ اور انگشت بدنداں ہیں واقعی امام احمد رضا کے بارے میں یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ کے بعد براعظم میں اعلیٰ حضرت کا کوئی مثیل وعدیل پیدا نہ ہوا۔

قسیم جامع عرفاں اے شہہ احمد رضا تم ہو ۔۔۔ تمہاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو

امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ کی آفاقی شخصیت کے حوالے سے علامہ حنیف رضا خان رضوی بریلوی مرتب جامع الاحادیث لکھتے ہیں۔

امام احمد رضا بلا شبہ اپنے دور میں پوری دنیا کیلئے مرجع فتاوی تھے۔ آپکے دار الافتا میں براعظم ایشیا۔ افریقہ یورپ اور امریکہ سے استفتا آتے تھے اور ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہو جاتے تھے اور سب کے جواب اسی شرح و بسط کے ساتھ مجتہدانہ شان سے دیئے جاتے لیکن امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید سے سر موانحراف نہیں ہوتا بلکہ اپنے مسلک حنفی پر شدت سے کاربند رہتے۔ آپ کے فتاوی سے عوام وخواص۔ علماء وصلحا اور مفتیان دین متین وقاضیان عدالت بھی مستفید ہوتے تھے اور آج بھی ہو رہے ہیں۔ آپ کی اس شان فقاہت اور تبحر علمی سے متاثر ہو کر ہی علماے عرب وعجم نے بالاتفاق چودھویں صدی کا مجدد تسلیم کیا۔ اور علمائے حرمین شریفین زادہما شرفا وتعظیما وکثیر تعداد میں آپ کے سامنے زانوئے ادب طے کرتے نظر آئے اور آپ سے سندیں حاصل کیں۔ (مقدمہ فتاویٰ رضویہ ج 4 ص 7)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان کی دیگر علوم وفنون سے قطع نظر صرف آپ کی فن تاریخ گوئی کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ آپ جہاں دیگر میدانوں میں درجہ امامت پر فائز تھے وہیں تاریخ نویسی کے میدان میں بھی اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ ہم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کی نگارشات سے تاریخ کا ایک سرسری جائزہ پیش کرتے ہیں۔

حضرت امام علی رضا کی نیشا پور میں آمد:

خاندان نبوت کے چشم و چراغ امام الہدی منبع جود وسخا جانشین مولا علی وارث علوم کمالات مصطفی صلی اللہ علیہ والہ وسلم لخت جگر سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا جامع کمالات علمیہ وروحانیہ عارف اسرار ورموز قرانیہ حضرت امام علی رضا رضی اللہ تعالی عنہ جب آپ نیشا پور تشریف لائے تو لوگوں کی ایک بڑی جماعت جس میں علماء حفاظ طالبان علم حدیث آپ کی دیدار کی ایک جھلک پانے کے لیے بے چین و بے قرار تھے جب آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے ان لوگوں کو اپنے دیدار سے شرف بخشا جیسے ہی تمام لوگوں نے آپ کا دیدار کیا تو ان کی آنکھوں سے آنسوں جاری ہو گئے اور علماء کی جماعت نے آپ کی بارگاہ میں حدیث روایت کرنے کی درخواست کی تو آپ نے ان کی درخواست قبول فرما کر انہیں اپنے علمی فیضان سے فیضیاب فرمایا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس تاریخی سفر کو فتاویٰ رضویہ میں امام ابن حجر مکی کی صواعق محرقہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

کہ جب امام علی رضا رضی اللہ تعالی عنہ نیشا پور میں تشریف لائے، چہرہ مبارک کے سامنے ایک پردہ تھا، حافظان حدیث امام ابوذراع رازی وامام محمد بن اسلم طوسی اور ان کے ساتھ بیشمار طالبان علم حدیث حاضر خدمت انور ہوئے اور گڑ گڑا کر عرض کیا کہ اپنا جمال مبارک ہمیں دکھایئے اور اپنے آبائے کرام سے ایک حدیث ہمارے سامنے روایت فرمایئے، امام نے سواری روکی اور غلاموں کو فرمایا کہ پردہ ہٹالیں خلق کی آنکھیں جمال مبارک کے دیدار سے ٹھنڈی ہوئیں۔ دو گیسو شانہ مبارک پر لٹک رہے تھے۔ پردہ ہٹتے ہی خلق کی یہ حالت ہوئی کہ کوئی چلاتا ہے، کوئی روتا ہے، کوئی خاک پر لوٹتا ہے، کوئی سواری مقدس کا سم چومتا ہے۔ اتنے میں علماء نے آواز دی خاموش۔ سب لوگ خاموش ہو رہے۔ دونوں امام مذکور نے حضور سے کوئی حدیث روایت کرنے کو عرض کی، حضور

نے فرمایا: حدثني ابو موسى الكاظم عن ابيه جعفر الصادق عن ابيه محمد الباقر عن ابيه زين العابدين عن ابيه الحسين عن ابيه على ابن ابى طالب رضى الله تعالى عنهم قال حدثني حبيبي وقرة عيني رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال حدثني جبريل قال سمعت رب العزة يقول لا اله الا الله حصنى فمن قال دخل حصنى من من عذابي ۔یعنی امام علی رضا امام موسیٰ کاظم و امام جعفر صادق و امام محمد باقر و امام زین العابدین و امام حسین و علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت فرماتے ہیں کہ میرے پیارے میری آنکھوں کی ٹھنڈک رسول للہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے حدیث بیان فرمائی کہ ان سے جبریل نے عرض کی کہ میں نے اللہ عزوجل کو فرماتے سنا کہ لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے تو جس نے اسے کہا وہ میرے قلعہ میں داخل ہوا، میرے عذاب سے امان میں رہا ۔ یہ حدیث روایت فرما کر حضور روانہ ہوگئے اور پردہ چھوڑ دیا گیا دواتوں والے جو ارشاد مبارک لکھ رہے تھے شمار کیے گئے تو بیس ہزار سے زائد تھے (فتاویٰ رضویہ جدید مترجم ج9 /ص:133)

صدق صادق کا تصدق صادق الاسلام کر بے غضب راضی ہو کاظم اور رضا کے واسطے

سلطنت عثمانیہ کی طرف سے کعبہ معظّمہ میں قندیلیں آویزہ کی گئی:

سلطنت عثمانیہ کے سلطان مراد بن سلطان سلیم خان نے کعبہ معظّمہ اور روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنے ایک خادم محمد چادیش خان کے ہاتھوں اپنے باب عالی سے سونے کے تین قندیلیں آویزہ کرنے کی غرض سے بھجوائیں جب خادم سلطان مکہ معظّمہ پہنچے تو شریف مکہ نے وہاں کے تمام علماء فقہاء اور سردار مکہ کی موجودگی میں اپنے دست مبارک سے قندیلوں کو آویزہ کیا اس کے بعد تمام علماء امراء عظماء نے فاتحہ پڑھ کر دعا پر اس مبارک تقریب کو انجام تک پہنچایا سلطان مراد بن سلیم یہ سلطنت عثمانیہ کے پہلے سلطان ہے جنھوں نے کعبہ معظّمہ اور مدینۃ المنورہ کے لیے سلطنت کی طرف سے قندیلیں بھیج کر یہ مبارک سعادت حاصل کی اعلی حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نے اس تاریخی واقعے کو اپنے فتاوی رضویہ میں لکھتے ہیں کہ:

علامہ قطب الدین مکی حنفی معاصر امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کتاب الاعلام باعلام بیت الحرام ص ۳۰ میں اس واقعہ کا ذکر فرماتے ہیں، جب سلطان مراد خان بن سلطان سلیم خان بن سلیمان خان رحمہم الرحمن نے ۹۸۴ھ میں باب عالی سے سونے کی تین قندیلیں بیش بہا جواہرات سے مرصع محمد چادیش خان کے ہاتھ حاضر کی ہیں کہ وہ کعبہ معظّمہ کے اندر آویزاں کی جائیں اور ایک حجرہ مزار اطہر میں چہرہ انور کے مقابل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ معظّمہ میں آئے حضرت شریف مکہ سیدی حسن بن ابی نہی حسنی اور ناظر حرم محترم قاضی مدینہ منورہ شیخ الاسلام سید العلماء سیدی حسین حسینی مکی اور قاضی مکہ معظّمہ مولانا مصلح الدین لطفی بزرگ زادہ مع جملہ اعیان واکابر حرم محترم حاضر ہوئے، فرماتے ہیں: ''وكافة العلماء والفقهاء والموالي له'' یعنی مکہ معظّمہ کے تمام علماء وفقہا، وسردار گرد کعبہ معظّمہ جمع ہوئے ۔ پھر آستانہ عالیہ کی طرف سے حضرت شریف و دیگر عظماء کو خلعت پہنائے گئے ۔ کعبہ معظّمہ کا دروازہ کھولا گیا۔ سیدنا الشریف نے خلعت پہنا اور طواف کعبہ معظّمہ کیا۔ ادھر وہ طواف میں ہیں اُدھر رئیس موذنان قبہ زمزم پر سلطنت وشریف کے لیے با آواز بلند دعا کر رہا ہے اور تمام حاضرین دعا و آمین میں مشغول ہیں ۔ بعد فراغ طواف ورکعتین طواف حضرت

شریف کعبہ معظّمہ کے اندر حاضر ہوئے اور اپنے دست مبارک سے قندیلیں آویزاں کیں۔سب حاضرین جملہ علماء وفقہاء واُمراء وعظماء نے فاتحہ پڑھی اور دعائیں کیں، اور جلسہ ختم ہوا۔علامہ ممدوح فرماتے ہیں:''وکان یوما شریفا مشهودا ووقتا مبارکا متیمنا مسعودا''۔اور وہ دن بزرگ اور تمام اعیان مکہ کی حاضری کا تھا اور وہ وقت مبارک اور فرخندہ باسعادت تھا۔پھر محمد چاوْیش باقی قندیل لے کر سرکار اعظم مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔علامہ ممدوح فرماتے ہیں:''و اجتمعت اکابر المدینة الشرفة و اعینها و علماؤها و صلحاؤها''ان کے پاس مدینہ طیبہ کے اکابر وعمائد وعلماء وصلحاء سب جمع ہوئے:''وعمل محفل شریف فی الحرم الشریف النبویہ''حرم کریم میں محفل عظیم منعقد کی گئی:''و فتحت الحجرة الشریفة النبویة علی ساکنها افضل الصلاة و علق ذلك القندیل تجاه وجه النبی صلی علیه و سلم ''حجرہ طاہرہ مزار پر انوار حضرت سید ابرار صلی اللہ علیہ وسلم کھولا گیا اور وہ سونے کی قندیل جواہر بے بہا سے مرصع روضہ انور سید اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہ اقدس میں آویزاں کی گئی و قرئت الفواتح و حصل الدعا - حاضرین نے فاتحہ پڑھی اور دعا کی اور مجلس بخیر وخوبی ختم ہوئی۔علامہ ممدوح اس حکایت کا خاتمہ ان لفظوں میں فرماتے ہیں''وھو اول من علق قنادیل الذهب فی الحرمین الشریفین من سلاطین آل عثمان خلد الله تعالی سلطنتهم و قد سبق بهذه المنقبة الشریفة آباءه السلاطین العظام'' -یعنی سلاطین آل عثمان میں کہ اللہ عزوجل ان کی سلطنت کو ہمیشہ رکھے سلطان مراد خان نے اس کی پہل کی حرمین محترمین میں سونے کی قندیلیں آویزاں کیں وہ اس عظیم منقبت میں اپنے باپ دادا سلاطین پر سبقت لے گئے- اس خاتمہ سے دو فائدے ظاہر ہوئے ایک یہ کہ سلاطین عثمانیہ سے پہلے سلاطین بھی سونے کی قندیلیں حاضر کرتے سلاطین عثمانیہ میں پہلے یہ سعادت سلطان محمد مراد خان نے پائی دوسرے یہ کہ علامہ ممدوح اس کا استحسان فرماتے اور اسے منقبت شریفہ بتاتے ہیں (فتاویٰ رضویہ جدید مترجم جلد 9 ص 511)

دنیا میں بت پرستی کیسے شروع ہوئی:

اعلیٰ حضرت کی فن تاریخ میں ملکہ کا اندازہ اس بات سے بھی لگا سکتے ہیں کہ دنیا میں بت پرستی کی شروعات کیسے ہوئی تو آپ نے اسے تفسیر وحدیث کی روشنی میں درج فرمایا اس حوالے سے آپ لکھتے ہیں دنیا میں بت پرستی کی ابتدا یوں ہوئی کہ صالحین کی محبت میں ان کی تصویریں بنا کر گھروں اور مسجدوں میں تبرکاً رکھیں اور ان سے لذت عبادت کی تائید سمجھی شدہ شدہ وہی معبود ہو گئی صحیح بخاری وصحیح مسلم میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے آیت کریمہ ''و قالوا لا تذرن آلهتکم ولا تذرن ودا ولا سواعا ولا یغوث و یعوق و نسرا''- کافروں نے کہا ہر گز اپنے خداؤں کو نہ چھوڑو اور ود وسواع یغوث یعوق اور نسر کو کبھی نہ چھوڑو- کی تفسیر میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا یہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک اور پارسا لوگوں کے نام ہے جب وہ وفات پا چکے تو شیطان نے بعد والوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ جہاں یہ لوگ بیٹھتے تھے وہیں ان مجالس میں انہیں نصب کر دو (یعنی قرینے سے انہیں کھڑا کر دو) اور جو ان کے نام (زندگی میں) تھے وہی نام رکھ دو تو لوگوں نے (جہالت) سے ایسا ہی کیا پھر کچھ عرصہ ان کی عبادت نہ ہوئی یہاں تک کہ جب وہ تعظیم کرنے والے مر گئے اور یہ علم مٹ گیا (اور ہر طرف جہالت پھیل گئی) تو پھر ان کی عبادت شروع ہو گئی عبد بن حمید اپنی تفسیر میں ابو جعفر بن المهلب سے راوی: ابو جعفر نے فرمایا ود ایک مسلمان شخص تھا جو اپنی قوم میں ایک

پسندیدہ اور محبوب شخص تھا جب وہ مرگیا تو سرزمین بابل میں لوگ اس کی قبر کے آس پاس جمع ہوئے اور اس کی جدائی پر بے قرار ہوئے (اور صبر نہ کرسکے) جب شیطان نے اس کی جدائی میں لوگوں کو بے تاب پایا تو وہ انسانی صورت میں ان کے پاس آیا اور کہنے لگا میں اس شخص کے مرنے پر تمہاری بے قراری دیکھ رہا ہوں کیا مناسب سمجھتے ہو کہ میں بالکل اس جیسی تمہارے لیے اس کی تصویر بنادوں پھر وہ تمہاری مجلس میں رہے پھر اس کی تصویر دیکھ کر تم اسے یاد کرو لوگوں نے کہا ہاں یہ تو اچھی تجویز ہے پھر شیطان نے لوگوں کے لیے بالکل اسی جیسی اس کی تصویر بنادی اور لوگوں نے اسے اپنی مجالس میں سجا رکھا اور اس کی یاد کرنے لگے پھر جب شیطان نے دیکھا کہ اس کے ذکر سے لوگوں کی جو حالت ہوتی ہے پھر شیطان کہنے لگا کیا تم یہ مناسب کہتے ہو کہ میں تم میں سے ہر شخص کے لیے اس کے گھر میں اس کے بزرگ کا عکس تیار کر کے سجادوں تا کہ وہ اس کے گھر میں موجود ہو اور تم سب لوگ (انفرادی اور اجتماعی طور پر) اس کا تذکرہ کرتے رہو لوگ کہنے لگے ہاں یہ بالکل ٹھیک ہے پھر اس نے سب گھر والوں کے لیے بالکل اسی جیسا اس کا ایک فوٹو تیار کردیا پھر لوگ اس کی طرف متوجہ ہوگئے اور اس کا فوٹو دیکھ کر اسے یاد کرتے رہے راوی نے کہا اور ان کی اولاد نے یہ دور پالیا پھر وہ دیکھتے رہے کہ جو کچھ ان کے بڑے کرتے رہے اور پھر نسل آگے بڑھی اور پھیلی اور جب اس کے ذکر کا سلسلہ کچھ پرانا ہوگیا یہاں تک کہ جہالت سے پچھلے اور آنے والی نسلوں نے اسے خدا بنالیا کہ اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرنے لگے راوی نے کہا سب سے پہلے زمین پر اللہ کے علاوہ جس کی عبادت کی گئی وہ یہی بت ہے کہ جس کا نام لوگوں نے ''ود'' رکھا ہے (فتاویٰ رضویہ جدید مترجم جلد 24 ص 573)۔۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

شعبۂ تحقیق: الجامعۃ الرضویہ کلیان ممبئی (سیتا مڑھی، بہار)

امام احمد رضا اور سنتوں کی پیروی

مولانا محمد ابو صالح رضوی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا چلنا، پھرنا، اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، عبادت کرنا، سلام وکلام کرنا، کسی مریض کی عیادت کرنا، بڑوں کا ادب کرنا، چھوٹوں پر شفقت کرنا، لوگوں سے معاملات کرنا، وعظ ونصیحت کرنا، بچوں کی پرورش کرنا، دوسروں کو تعلیم دینا، قرض لینا یا قرض دینا، خانگی زندگی میں اہل خانہ سے تعلقات رکھنا، لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کرنا سب کچھ سنت کے مطابق ہوتا تھا۔ اعلیٰ حضرت پوری زندگی شریعت وسنت کے پابند رہے، اپنے معمولات کو سنت رسول کے مطابق انجام دیتے، چھوٹا سے چھوٹا کام بھی شریعت اور سنت کے دائرے میں رہ کر انجام دیتے تھے۔

ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ جمعہ اور منگل کے دن غسل فرمایا کرتے اور لباس تبدیل کرتے تھے یہاں تک کہ عیدین یعنی عید اور بقرعید کسی اور دن آجاتے تو اس دن بھی غسل فرما کر لباس تبدیل کرتے تھے۔

اب اعلیٰ حضرت کا معمول دیکھیے! اعلیٰ حضرت بھی ہفتہ میں دو مرتبہ یعنی جمعہ اور منگل کے دن غسل فرما کر لباس تبدیل فرمایا کرتے تھے۔ ہنسنا، رونا اور رنج وراحت بھی ہر انسان کی زندگی کا حصہ ہے، ایسے موقعوں پر انسان اپنے معمول سے ہٹ کر زور سے ہنستا یا رونا شروع کر دیتا ہے، لیکن اعلیٰ حضرت ایسے موقے پر بھی سنت رسول کا خیال فرماتے تھے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ہسنے کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے سوال ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ہنسی کی کیا کیفیت تھی؟ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم علیہ الصلو ۃ والتسلیم کو کبھی ایسا کھل کر ہستے ہوئے نہیں دیکھا کہ ان کا تالو نظر آجائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم صرف تبسم فرماتے (بخاری شریف)

اسی طرح اعلیٰ حضرت ہسنے میں کبھی ٹھٹھا نہیں کرتے یعنی کھل کر کبھی نہیں ہنستے، قہقہ کی بات تو بہت دور۔ اعلیٰ حضرت طہارت کے بہت پابند رہتے یعنی پاکی کا خیال رکھتے تھے، کیوں کہ طہارت کو اسلام میں امتیازی مقام حاصل ہے، نیز وضو کرنے اور باوضو رہنے پر ثواب کی بشارت ہے۔

اعلیٰ حضرت کے سوانح نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اعلیٰ حضرت صرف عالم ہی نہیں بلکہ عالم باعمل تھے، عامل قرآن تھے، عامل سنت تھے، اعلیٰ حضرت جہاں علم کے پہاڑ تھے وہیں عمل کے پیکر بھی تھے، کوئی بھی کام چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، اگر وہ کام سنت ہوتا تو اعلیٰ حضرت اس کام کو کرنے کی ضرور کوشش کرتے تھے، بلکہ قصداً اور لازماً کرتے تھے۔

بقیہ صفحہ نمبر: ۲۰۵ پر

منقبت در شان امام احمد رضا قدس سرہ

نتیجۂ فکر: کنز الدقائق حضرت مفتی حسن منظر قدیری علیہ لرحمہ

بے خودی میں لے لیا بوسہ در سرکار کا
کام دیوانہ بھی کرتا ہے کبھی ہوشیار کا

غوث اعظم، خواجہ اجمیر، پھر احمد رضا
ایک لمبا سلسلہ رکھتا ہوں میں غمخوار کا

جو قلم اٹھا رضا کا دشمن دیں کے خلاف
کام اس سے لے لیا وہ خنجر خونخوار کا

اعلحضرت کو سمٹ کر اتنا کہہ سکتا ہوں میں
ایک پیکر ہے وہ عشق احمد مختار کا

دردمندوں میں گھرا ہے مفتی اعظم کو دیکھ
اک مسیحا جس طرح ہو جائے صد بیمار کا

تربت انور پہ تیری پھول برسیں رات دن
اعلی حضرت اے محافظ دین کے گلزار کا

دیکھ شان مصطفی احمد رضا کے فیض سے
بن گیا شہر بریلی آئینہ دیدار کا

یہ وہابی اور سنی مختصر سی بات ہے
فرق ہے دونوں میں منظرؔ نور کا اور نار کا

مہاراشٹر کی عظیم دانش گاہ الجامعۃ الرضویہ/مدرسہ اسلامیہ یتیم خانہ کلیان کے پچیس سالہ
دینی، مذہبی خدمات اور تعلیمی دور کے پورے ہونے پر ''جشن سلور جبلی'' کے موقع سے
۱۴۴۵ھ ۲۰۲۴ء کے مختلف شعبہ جات میں فارغ التحصیل طلبہ

《 شعبۂ تحقیق وافتاء 》

(۱) مولانا غلام چشتی الغوثی ابن غلام غوث (بہار)	(۲) مولانا شاہ الحمید مرکزی ابن مطیع الرحمٰن (بہار)	(۳) مولانا عرفات امجدی ابن عبدالباری (بہار)
(۴) مولانا مخدوم رضا اشرفی جامعی (بہار)	(۵) مولانا محمد رضا مرکزی (بہار)	(۶) مولانا شاکر رضا نوری (بہار)

《 شعبۂ فضیلت 》

(۱) محمد ظہیر شیخ ابن عبدالرزاق شیخ (ممبئی)	(۲) محمد سرفراز احمد ابن شریف الحق (بہار)	(۳) محمد شہباز عالم ابن محمد قمرول (بہار)
(۴) محمد ایان رضا خان (یوپی)	(۵) محمد جاوید اختر ابن جہانگیر عالم (بہار)	

《 شعبۂ حفظ القرآن 》

(۱) محمد حسنین رضا ابن محمد نجم الحق (بہار)	(۲) محمد رضاء مصطفےٰ ابن انیس الرحمٰن (بہار)	(۳) محمد ناصر حسین ابن محمد زبیر عالم (بہار)
(۴) محمد فیض ارشد ابن مامون الرشید (بہار)	(۵) محمد حسان رضا ابن محمد اسیر الدین (بہار)	(۶) محمد منتظر عالم ابن محمد منظر عالم (بہار)
(۷) محمد حسنین رضا خرد ابن محمد فخر عالم (بہار)	(۸) محمد قمر الحق ابن محمد اشرف رضا (بنگال)	(۹) محمد اشرف امام ابن وزیر الدین (بہار)
(۱۰) محمد نعمان رضا ابن محمد منیر عالم (بہار)	(۱۱) محمد زاہد رضا ابن محمد جہانگیر عالم (بہار)	(۱۲) محمد معراج عالم ابن محمد تسلیم عالم (بہار)
(۱۳) محمد نثار احمد ابن محمد ساجد عالم (بہار)	(۱۴) محمد فیضان رضا ابن علاء الدین (بہار)	(۱۵) محمد مبشر رضا ابن شعیب عالم (بہار)
(۱۶) محمد توقیر رضا ابن ریاض الدین (بہار)	(۱۷) محمد شان رضا ابن محمد زاہد عالم (بہار)	(۱۸) محمد رضوان انصاری ابن عظمت (ممبئی)

《 شعبۂ قرأت 》

(۱) محمد معراج رضا ابن محمد جمیل اختر (بہار)	(۲) محمد فیضان رضا ابن محمد عمران عالم (بہار)	(۳) محمد ابصار عالم ابن محمد جمیل اختر (بہار)
(۴) محمد سرفراز احمد ابن شریف الحق (بہار)	(۵) محمد کوثر علی ابن محمد غلام حسین (بنگال)	(۶) محمد منظر عالم ابن خوش محمد (بہار)
(۷) محمد ایان رضا خان (یوپی)	(۸) محمد شہباز عالم ابن محمد قمر الحق (بہار)	(۹) محمد عمران علی ابن محمد یاسین علی (بنگال)

《 شعبۂ کمپیوٹر 》

(۱) قاری محمد شبیر احمد اشرفی (یوپی)	(۲) محمد فیضان رضا ابن محمد عمران عالم (بہار)	(۳) محمد سرفراز احمد ابن شریف الحق (بہار)

الجامعۃ الرضویہ/مدرسہ اسلامیہ یتیم خانہ کلیان کے منتظمین، مدرسین، اور جملہ طلبہ کے طرف سے
فارغین جامعہ کی بارگاہ میں **ھدیۂ تبریک** پیش کرتے ہیں۔

جشن سلور جبلی ۲۰۲۴

کے موقع پر غوث الوری اکیڈمی کی چند اہم پیش کش
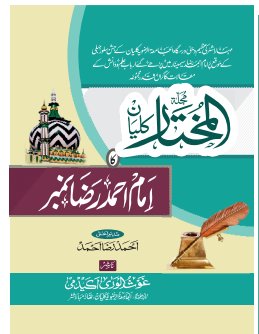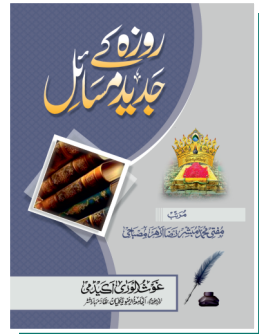
AL JAMIATUL RIZVIA
Raza Nagar, Bail Bazar, Valipeer Road, Kalyan (W) Thane Maharashtra
Mobile No. : 9322329875 - 9699426786
MADRASA ISLAMIYA YATEEM KHANA
Indira Nagar, Ambarnath Road, Waldhuni, Kalyan (W) Thane Maharashtra
Mobile No. : 9323737659 - 9699316786

Design&Printing,By:RIZVI ART,Kalyan-8879981042